

# انوار الابرار صحیح البخاری

اردو شرح

مجموعۂ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

ودیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفہ تلمیذ علامہ کشمیری

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب مجنوری

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملت ان پکستان  
(061-4540513-4519240)





انوار الباری

ازد شرح

صحیح البخاری

## انوار الباری (جلد ۳-۴)

تاریخ اشاعت..... شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ  
ناشر..... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان  
طباعت..... سلامت اقبال پریس ملتان

# انوار الباری صحیح البخاری

جلد ۳-۴

مجموعۃ افادات

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

ودیگر اکابر محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ

مؤلفہ

حضرت مولانا سید احمد رضا صاحب بخاری

(تلمیذ علامہ کشمیری)

ادارۃ تالیفات اشرفیہ

چوک قوارہ ملتان پاکستان

☎ 061-540513-519240

## فہرست مضامین

۱۵	مقدمہ	۵۶	عہد نبوت کا ایک زیریں باب
۱۹	کتاب الوحی	۵۷	حروب روم و فارس
۲۰	وحی اور اس کی عظمت	۵۷	فارس کی فتح اور روم کی شکست کے اثرات
۳۱	گھنٹی کی آواز کی طرح	۵۷	غلبہ روم و شکست فارس
۳۵	انبیاء علیہم السلام کا سب سے بڑا وصف امتیازی وحی ہے	۵۸	فتوحات اسلامیہ و صلح حدیبیہ
۳۶	برکات و انوار نبوت و نزول وحی	۵۸	صلح حدیبیہ کے فوائد و نتائج
۳۶	ابتداء نبوت و نزول قرآن مجید	۵۹	فتح مبین
۳۷	نبی کے دل میں فرشتے کا القاء بھی وحی ہے	۵۹	فتح مکہ معظمہ کے حالات
۳۷	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا ایک منظر	۵۹	سیاسی تدابیر کے فوائد
۳۷	وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف نظر اٹھانا	۵۹	ابوسفیان پر مکارم اخلاق کا اثر
۳۷	شدت وحی کی کیفیت	۶۰	اسلامی حکومت رحمت عالم تھی
۳۸	وحی الہی کا ثقل عظمت	۶۰	حدیث ہرقل
۳۸	سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید اور علمی ترقیات کا دور	۶۱	ایمان ہرقل
۳۸	قرآن مجید کا ادب و احترام	۶۱	مکاتیب رسالت
۴۲	شرح حدیث	۶۱	زوال کسریٰ و عروج حکومت اسلام
۴۲	عالم مثال	۶۲	کتاب الایمان
۴۲	عالم خواب	۶۳	حقیقت ایمان
۴۲	انتخاب حرام	۶۳	ایمان و اسلام کا فرق
۴۳	عطاء نبوت و نزول وحی	۶۳	ایمان و اعمال کا رابطہ
۴۴	دبانے کا فائدہ	۶۴	ایمان کا درجہ

۹۰	امام صاحب کی وقت نظر	۶۴	حضرت نانوتویؒ کی تحقیق
۹۱	حافظ عینی کے ارشادات	۶۴	حضرت مجدد صاحبؒ کی تحقیق
۹۴	داغ عبدیت و تاج خلافت	۶۵	شیخ داغ کے ارشادات
۹۵	عبادات کی تقسیم	۶۶	بخاریؒ کا ترجمہ الباب
۹۵	روزہ و حج کا ارتباط	۶۶	امام بخاریؒ کی شدت
۹۷	ایمان کی کتنی شاخیں ہیں	۶۸	اہل حق کا اختلاف
۱۰۲	یک اہم علمی فائدہ	۶۸	حضرت شاہ صاحبؒ کا ارشاد
۱۰۴	اختلاف جوابات کی وجوہ	۶۹	امام بخاریؒ کا امام صاحبؒ کو مرجع بتلانا
۱۰۴	حسد و غبطہ کا فرق	۷۰	طعن ارجاء کے جوابات
۱۰۸	جہاد کی تشریح سے اجتناب	۷۰	امام صاحبؒ کی تائید دوسرے اکابر سے
۱۱۰	طاعات و عبادات کی ضرورت	۷۲	علامہ شعرانی سے تشریح ایمان
۱۱۲	باب حلاوة الایمان	۷۲	ابن حزم
۱۱۲	”خلاوت ایمان کے بیان میں“	۷۲	امام غزالی
۱۱۴	شیخ ابوالعباس اسکندرانی کا ارشاد	۷۲	قاضی عیاض
۱۱۴	حضرت ابراہیم ادہم کا ارشاد	۷۳	نواب صاحب
۱۱۴	حضرت جنید رحمہ اللہ کا ارشاد	۷۳	امام بخاریؒ اور دوسرے محدثین
۱۱۴	شیخ اسکندرانی کا بقیہ ارشاد	۷۳	اساتذہ امام بخاریؒ
۱۱۵	علمی فائدہ	۷۳	امام بخاریؒ کے چھ اعتراض
۱۱۵	اشکال و جواب	۷۸	ایمان کے ساتھ استثناء کی بحث
۱۱۶	حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے	۸۲	ایک اہم غلط فہمی کا ازالہ
۱۱۶	حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ رسی	۸۲	امام بخاریؒ اور ان کا قیاس
۱۱۷	انصار مدینہ کے حالات	۸۴	امام بخاریؒ کے دلائل پر نظر
۱۱۸	ایک انصاری جنتی کا واقعہ	۸۸	مراتب ایمان و اعمال پر دوسری نظر
۱۲۰	حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟	۹۰	حضرت شاہ صاحبؒ کا جواب

۱۳۹	وزن اعمال	۱۲۲	بیعت اور ان کی اقسام
۱۵۰	امام غزالی کا استنباط	۱۲۶	امام اعظمؒ سے تعصب
۱۵۵	حکم تارک صلوٰۃ	۱۲۷	عصمت انبیاء علیہم السلام
۱۵۶	خلفاء راشدین کا منصب	۱۲۹	انبیاء کی سیرت صفات ملکات
۱۵۷	حکم تارک صوم	۱۳۱	عصمت انبیاء کے متعلق مختلف نظریات اور حقیقت عصمت
۱۵۸	ایک خدشہ کا جواب	۱۳۲	وجوہ و اسباب عصمت
۱۵۸	چند سوال و جواب	۱۳۳	صحابہؓ معیار حق ہیں
۱۵۹	تبلیغ دین کی ضرورت اور اس کا کامیاب عملی پروگرام	۱۳۳	ایک شبہ اور اس کا ازالہ
۱۵۹	قتال و جہاد	۱۳۴	شرک فی التسمیہ والی لغزش بے بنیاد ہے
۱۶۰	حج پر جہاد کا تقدم	۱۳۵	شک فی الاحیاء والی لغزش بے بنیاد ہے
۱۶۰	فرض کفایہ کی اہمیت	۱۳۸	عصمت انبیاء کے متعلق حضرت نافوتویؑ کی تحقیق
۱۶۰	اسلام جہاد کا مقصد	۱۳۹	بقیہ فوائد متعلقہ حدیث باب
۱۶۱	فضائل جہاد و شہادت	۱۴۰	اشکال و جواب
۱۶۳	جہاد و شہادت کے اقسام	۱۴۰	دوسرا اشکال و جواب
۱۶۳	مسئلہ قتال تاریکین و اجنات اسلام	۱۴۰	حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ارشاد
۱۶۳	دارالاسلام و دارالحرب کے متعلق علامہ کشمیریؒ کی تحقیق	۱۴۰	عتاب نبوی کا سبب
۱۶۶	پہلا مکتوب	۱۴۳	حضرت شاہ صاحب کے بقیہ جوابات
۱۶۷	دوسرا مکتوب گرامی	۱۴۴	شیخ اکبرؒ کی رائے
۱۶۷	مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا العلام محمد زکریا سہارنپوری رحمہ اللہ	۱۴۴	امام بخاریؒ کے استدلال پر ایک نظر
۱۶۷	مکتوب گرامی حضرت المحدث العلام مولانا المفتی سید محمد مہدی حسن شاہ جہانپوری رحمہ اللہ	۱۴۵	نکتہ بدیعہ
۱۶۷	مکتوب گرامی حضرت المحدث العلام مولانا المفتی سید محمد مہدی حسن شاہ جہانپوری رحمہ اللہ	۱۴۶	ایمان و کفر امم سابقہ میں
۱۶۸	مکتوب گرامی حضرت المحدث العلام مولانا المفتی محمد شفیع دیوبند رحمہ اللہ کرم فرما، محترم مولانا احمد رضا صاحب دام فضلہ	۱۴۶	حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و خدمات
		۱۴۸	ترجمان القرآن کا ذکر
		۱۴۹	مولانا آزادیؒ کی سیاسی خدمات

۱۹۸	حافظ ابن تیمیہ کی تحقیق	۱۶۹	مکتوب گرامی حضرت المحدث العلام مولانا ابو الوفا افغانی
۱۹۹	امام بخاریؒ و حافظ ابن تیمیہ کے نقطہ نظر کا اختلاف		زبدۃ الخلائق و اخلص الاخوان سیادت مآب مولانا
۱۹۹	امام بخاریؒ کا بلند پایہ علمی مقام		سید احمد رضا صاحب دام مجدہ
۲۰۰	ایک اشکال اور اس کا حل	۱۷۰	تبصرہ گرامی مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی رحمۃ اللہ علیہ
۲۰۰	حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد	۱۷۰	مکتوب گرامی جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر
۲۰۱	امام بخاریؒ کا مقصد		آبادی (صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)
۲۰۱	ایک اہم مغالطہ اور اس کا ازالہ	۱۷۱	مکتوب گرامی محترم مولانا عزیز احمد صاحب بہاری دامت فوہم
۲۰۳	جنگ جمل و جنگ صفین	۱۷۱	مکتوب گرامی محترم مولانا امتیاز علی صاحب
۲۰۷	معاصی سے مراد کبائر ہیں	۱۷۱	مکتوب گرامی محترم مولانا محمد ایوب صاحب قادری رحمۃ اللہ
۲۰۷	ایک اشکال اور جواب	۱۷۲	مکتوب گرامی شیخ التفسیر مولانا ذاکر حسن صاحب دامت فوہم
۲۰۸	اصل مقصد ترجمہ بخاری	۱۷۶	مکتوب گرامی مولانا حکیم محمد یوسف صاحب قاضی بناری دامت فوہم
۲۰۸	تائید حق	۱۷۹	<b>جلد چہارم</b>
۲۰۸	شرک و کفر میں فرق	۱۸۶	جہاد فی سبیل اللہ
۲۰۹	ایک اہم اشکال اور جواب	۱۸۸	خوف قتل کی وجہ سے اسلام لانا
۲۰۹	ایک اہم علمی و دینی فائدہ	۱۸۸	استسلام کی صورت
۲۱۰	مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم	۱۸۸	اری اور اری کا فرق
۲۱۰	حضرت علیؓ اور خلافت	۱۸۸	اوسلما کا مطلب
۲۱۰	تکمیل بحث	۱۸۹	بھیل بن سراقدہ کی مدح
۲۱۱	ظلم و قتل کا فرق	۱۸۹	ایک اشکال و جواب
۲۱۳	مقصد سوال معرور اور عربوں کا حال	۱۸۹	حدیث سے ترجمہ کی مطابقت
۲۱۳	زمانہ رسالت کے چند حالات	۱۹۵	شوہر کے حقوق
۲۱۵	فیض رسالت	۱۹۵	بقیہ تشریح حدیث الباب
۲۱۵	حضرت ابو ذرؓ کا مقام رفیع	۱۹۶	کل تعداد احادیث بخاری شریف
۲۱۶	سب صحابہ کا مسئلہ	۱۹۸	حافظ ابن حجر کی رائے پر تنقید



۲۳۳	باب الجہاد من الایمان	۲۱۶	حکم روافض
۲۳۳	(جہاد ایمان کا ایک شعبہ ہے)	۲۱۶	حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلک
۲۳۵	شب قدر و جہاد میں مناسبت	۲۱۶	حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی رائے
۲۳۶	حضرت شاہ صاحب کی رائے	۲۱۷	کنز سے کیا مراد ہے
۲۳۶	درجہ نبوت اور تمنائے شہادت	۲۱۷	تحقیق صاحب روح المعانی
۲۳۶	مراتب جہاد	۲۱۸	حضرت ابوذرؓ کی رائے دوسرے صحابہؓ کی نظر میں
۲۳۷	ہجرت و جہاد	۲۱۸	واقعہ ابی ذر اور شیعہ تحریف
۲۳۸	باب تطوع قیام رمضان من الایمان	۲۱۸	اسلام کا معاشی نظام
۲۳۸	(تطوع قیام رمضان بھی ایمان کا شعبہ ہے)	۲۲۰	معاشی مساوات
۲۴۱	جماعت نوافل اور اکابر دیوبند	۲۲۳	سوال و جواب
۲۴۵	بعض کبار ائمہ حدیث تراویح کو بھی مساجد میں غیر افضل کہتے ہیں	۲۲۴	اعتراض و جواب
		۲۲۴	دقیق علمی فائدہ
۲۴۶	حدیث الباب کا اولیٰ مصداق	۲۲۵	باب علامة المنافق
۲۵۵	افادات انور	۲۲۵	منافق کی علامتوں کا بیان
۲۵۵	حافظ ابن تیمیہؒ کی غلطی	۲۲۹	حضرت شاہ صاحب کی تحقیق
۲۵۷	حدیث الباب کی اہمیت	۲۲۹	تحقیق بیضاوی پر تنقید
۲۵۷	ایک غلط فہمی کا ازالہ	۲۲۹	حافظ ابن تیمیہؒ کا مسلک
۲۶۰	قبلہ کے متعلق اہم تحقیق	۲۲۹	ایک شبہ اور جواب
۲۶۱	حافظ ابن قیمؒ کی رائے	۲۳۰	علامہ نووی و قرطبی کی تحقیق
۲۶۱	قبلہ کی تقسیم حسب تقسیم بلاد	۲۳۰	یعنی و حافظ کی تحقیق
۲۶۲	دونوں قبلے اصالتاً برابر تھے	۲۳۰	باب قیام لیلة القدر من الایمان
۲۶۲	اہم علمی نکات	۲۳۰	شب قدر کا قیام ایمان سے ہے
۲۶۲	تاویلی قبلہ والی پہلی نماز	۲۳۲	ایمان و احتساب کی شرط
۲۶۳	حافظ و علامہ سیوطیؒ	۲۳۲	حضرت شاہ صاحب کی تحقیق

۲۷۲	علامہ قسطلانی کی رائے	۲۶۳	مدینہ میں استقبال بیت المقدس کی مدت
۲۷۳	نواب صاحب کی تنقید	۲۶۳	یہود و اہل کتاب کی مسرت و ناراضگی
۲۷۳	تنقیح و تبصرہ	۲۶۴	تحويل قبلہ سے قبل کے مقتولین
۲۷۳	حافظ کی فروگزاشت	۲۶۵	نسخ احکام کی بحث
۲۷۳	بڑا بننے کا طعنہ	۲۶۶	دلیل جواز نسخ سنت بہ قرآن مجید
۲۷۴	نواب صاحب کی دوسری غلطی	۲۶۶	علمی افادہ
۲۷۴	اساتذہ اسلام والی حدیث پر بحث	۲۶۷	باب حسن اسلام المرء
۲۷۴	امام بخاری کی رائے	۲۶۷	انسان کے اسلام کی خوبی
۲۷۴	علامہ خطابی کا ارشاد	۲۶۸	اجر عظیم کے اسباب و وجوہ
۲۷۴	حافظ ابن حجر کی تنقیح	۲۶۸	صدقہ و امداد کا اجر عظیم
۲۷۵	اختلاف کی اصل بنیاد	۲۶۹	نماز کی غیر معمولی فضیلت
۲۷۵	جمہور کی طرف سے جواب	۲۶۹	اسلام کی اچھائی یا برائی کے اثرات
۲۷۵	قابل توجہ	۲۶۹	حضرت شاہ صاحب کی رائے
۲۷۵	امام احمد کے جوابات	۲۶۹	طاعات و عبادات کا فرق
۲۷۶	امام اعظم کا عمل بالحدیث	۲۷۰	عذاب ہائے کفار کا باہم فرق
۲۷۷	حضرت عمرو کا سفر آخرت	۲۷۰	اسلام کی اچھائی و برائی کا مطلب
۲۷۷	بحث زیادۃ و نقص ایمان	۲۷۰	امام نووی کی رائے
۲۷۷	علامہ نووی کی غلطی کا ازالہ	۲۷۰	حضرت شاہ صاحب کی رائے
۲۷۷	قاضی عیاض وغیرہ کا اختلاف	۲۷۰	علامہ قسطلانی کی رائے
۲۷۷	تنقیح مسئلہ	۲۷۱	ضروری تبصرہ
۲۷۷	کفار کی دنیوی راحتیں	۲۷۱	قدیم الاسلام مسلمانوں کے لیے لمحہ فکر
۲۷۷	مومنین کا معاملہ	۲۷۱	نماز اور پردہ کی اہمیت
۲۷۷	نومسلموں کے لیے اصول	۲۷۱	ہمارا اسلام اور شیر کی تصویر!
۲۷۸	شوافع و احناف کا اختلاف	۲۷۲	حافظ اور عینی کا مقابلہ

۲۸	حافظ یحییٰ کی رائے	۲۸	امام الحرمین
۲۸	حافظ ابن حجر کی رائے	۲۸	امام رازی
۲۹	حضرت شاہ صاحب کی رائے	۲۸	شارح حاصیہ
۲۹	اتمام وقضاء نوافل	۲۸	ایمان میں قوت و ضعف مسلم
۲۹	شوافع کا استدلال	۲۸	شیخ اکبر کی رائے
۲۹	حافظ کا تسامح اور یحییٰ کی گرفت	۲۸	علامہ شعرانی کا فیصلہ
۲۹	حنفیہ کے دلائل	۲۸	حضرت شاہ صاحب کی رائے
۲۹	مالکیہ حنفیہ کے ساتھ	۲۸	ایمان میں اجمال و تفصیل
۲۹	سب سے عمدہ دلیل حنفیہ	۲۸	حافظ یحییٰ کی محققانہ بحث
۲۹	حضرت شاہ صاحب کا فیصلہ	۲۸	حافظ ابن تیمیہ کی رائے
۲۹	بحث وجوب وتر	۲۸	حافظ ابن تیمیہ کا مقصد
۲۹	عدم زیادة و نقص	۲۸	علامہ عثمانی کا ارشاد
۲۹	حضرت شاہ صاحب کی رائے	۲۸	امام اعظم کی گرانقدر رہنمائی
۲۹	علامہ سیوطی کے قول پر تنقید	۲۸	طعن ارجاء درست نہیں
۲۹	اہل حدیث کا غلط استدلال	۲۸	تکمیل بحث
۲۹	درجہ وجوب کا ثبوت	۲۸	حافظ ابن تیمیہ کے قول پر نظر
۲۹	مراعات و استثناء	۲۸	نواب صاحب کا مغالطہ
۲۹	حلف غیر اللہ کی بحث	۲۸	اجمال و تفصیل کا فرق
۲۹	حضرت شاہ صاحب اور علامہ شوکانی	۲۸	بدع الالفاظ کی بات
۲۹	علامہ شوکانی پر تنقید	۲۸	افادہ انور
۲۹	قسم لغوی و شرعی	۲۸	مسلمانوں کی عید کیا ہے
۲۹	شعراء کے کلام میں قسم لغوی	۲۸	افادات انور
۲۹	نواب صاحب کی تحقیق	۲۸	نواب صاحب اور عدم تقلید
۲۹	قاضی بیضاوی کا جواب	۲۸	حضرت ضمام کا سال حاضری



۲۹	نماز جنازہ کہاں افضل ہے	۳۰	بحث و نظر... ترجمہ حدیث کی مطابقت حافظ عینیؒ کی نظر میں
۲۹	مسلک شوافعؒ	۳۰	حافظ ابن حجرؒ پر تنقید
۳۰	امام صاحب پر تعریفیں	۳۰	دو ترجمے اور دو حدیث
۳۰	ائمہ حنفیہ کے عقائد	۳۰	قاضی عیاضؒ کی تحقیق اور سوال و جواب
۳۰	محدث ایوبؒ کی حق گوئی	۳۰	افادات انور رحمہ اللہ
۳۰	حافظ ابن تیمیہؒ اور عقائد حنفیہؒ	۳۱	حافظ ابن حجرؒ کی تصریحات
۳۰	ابن تیمیہؒ منہاج السنہ میں	۳۱	حافظ کے نزدیک ما حاصل کلام بخاریؒ
۳۰	امام بخاریؒ کی جزء القراءة	۳۱	حافظ کا فیصلہ
۳۰	امام صاحب اور امام احمدؒ	۳۱	فیصلہ حافظ کے نتائج
۳۰	علامہ طوفی حنبلیؒ کا دفاع عن الامام	۳۱	حدیث جبریلؑ کی اہمیت
۳۰	مولانا عبید اللہ مبارکپوریؒ کا تعصب	۳۱	حضرت شاہ صاحبؒ کی مزید تحقیق
۳۰	علامہ زبیدیؒ کا ارشاد	۳۱	امام بخاریؒ کا جواب محل نظر ہے
۳۰	معتزلہ اور امام صاحب	۳۱	دونوں حدیث میں فرق جواب کی وجہ
۳۰	عمرو بن عبید اور امام صاحب	۳۱	واعظ و معلم کی مثال
۳۰	امام بخاریؒ کی کتاب الایمان	۳۱	ایمان کا تعلق مغیبات سے ہے
۳۰	امام بخاریؒ اور امام اعظمؒ	۳۱	لقاء اللہ کا مطلب
۳۰	امام بخاریؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ	۳۱	حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق
۳۰	امام بخاریؒ رحمہ اللہ	۳۱	فلسفہ یونان اور عقول
۳۰	امام اعظم رحمہ اللہ	۳۱	دیوتا و ادوتار
۳۰	ایمان کے بارے میں مزید تحقیق	۳۱	اسلام میں لقاء اللہ کا عقیدہ
۳۰	مراتب ایمان کا تفاوت	۳۱	مسافت و درمیان دنیا و آخرت
۳۰	شب قدر باقی ہے	۳۱	احسان کی حقیقت
۳۰	حدیث کا ربط ترجمہ سے	۳۱	دو مطلوب حالتیں اور ان کے ثمرات
۳۰	حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق	۳۱	علامہ نوویؒ کی شرح

۳۲	خرم کا جواز و عدم جواز	۳۱	کون سی شرح رائج ہے
۳۲	علمی تحقیق	۳۱	علامہ عثمانی کے ارشادات
۳۲	حضرت شاہ صاحب کے تشریحی ارشادات	۳۱	استغراق و محویت کے کرشمے
۳۲	حافظ تقی الدین و علامہ شوکانی کا ذکر	۳۱	افادات انور
۳۲	حدیث الباب اور علامہ نوویؒ	۳۱	شریعت، طریقت و حقیقت
۳۲	مشہدات اور خطابی	۳۱	امام غزالی کا ارشاد
۳۲	علامہ قسطلانی کی رائے	۳۲	ایمان و اسلام کا باہمی تعلق
۳۲	نواب صاحب کی رائے	۳۲	قرب قیامت اور انقلاب احوال
۳۲	بحث و نظر.... تحقیق مشہدات	۳۲	فی خمس اور علم غیب
۳۲	حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے	۳۲	علم غیب سے مراد
۳۲	دوسرا اشکال و جواب	۳۲	کون سا علم خدا کی صفت ہے
۳۲	قلب کے خصائص و کمالات	۳۲	پانچ کا عدد کس لیے
۳۲	تحقیق لطائف	۳۲	امام بخاریؒ کے وجوہ استدلال پر نظر
۳۲	عقل کا محل کیا ہے	۳۲	”زبردست شہادت“ پر نقد و نظر





انوارالباری

اردو شرح

صحیح البخاری



1

2

3

4

5

6

7

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## مُقَدِّمَةٌ

### نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

مقدمہ انوار الباری کی دو جلدوں کے بعد انوار الباری (شرح بخاری شریف) کی تالیف حق تعالیٰ جل ذکرہ کے بھروسہ پر شروع کر دی گئی اور محض اس کی توفیق و تیسیر سے اس کی پہلی جلد پیش ہے کسی حدیث کی شرح یا اس پر بحث و نظر کے سلسلہ میں جو کچھ مواد مل سکا اس کو یکجا کرنے کی سعادت حاصل کی گئی۔ امید ہے کہ ناظرین پسند کریں گے اور استفادہ کے ساتھ اپنی خصوصی دعوات و توجہات نیز ضروری اصلاحات سے نوازیں گے۔ تمام مخلصین خصوصاً اہل علم کے مشورے قدر و منزلت کے ساتھ قبول کئے جائیں گے۔

انوار الباری کی تشریحات اور بحث و نظر سے بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ علماء کرام و محدثین عظام نے علوم نبوت کی خدمت گزاری میں کیسی کچھ کاوشیں کی ہیں اور اس آخری دور میں ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اپنے وسیع علم و مطالعہ سے جو گراں قدر خدمات انجام دیں۔ وہ کس قدر بلند پایہ ہیں مولانا عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ نے جو حضرت شاہ صاحب کے بارے میں فرمایا تھا کہ ”صحابہ کا قافلہ جا رہا تھا یہ پیچھے رہ گئے تھے“ (یقیناً یہ مختصر جملہ حضرت شاہ صاحب کے علمی و عملی کمالات کا صحیح تعارف ہے اور انوار الباری کے انوری افادات امید ہے کہ اسی اجمال کی امکانی تفصیل ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

انوار الباری پڑھ کر آپ ضرور حیرت کریں گے کہ صدیوں کے بعد ہزاروں میل بلاد اسلامیہ عربیہ سے دور ایک گمنام ہندی قریہ سے ایسا بلند پایہ تبحر، محقق محدث و مفسر جامع معقول و منقول عالم پیدا ہوا جس نے تقریباً تیرہ سو سال کے تمام علمی و فائز کا نہایت گہری نظر سے مطالعہ کیا امت محمدیہ کے بڑے اور چھوٹے ایک ایک عالم کی علمی گہرائیوں کے اندازے لگائے اور خوب لگائے اس نے اپنے علم و عقل کی کسوٹی پر ہر ایک کو پرکھا اور اس کے حق و ناحق کو الگ کیا جس میں اپنے و غیر کا ذرہ برابر فرق نہیں کیا اس نے جس طرح کھلے دل سے غیروں کے کمالات کا اعتراف کیا انہوں کی خامیاں پیش کرنے سے بھی پاک نہیں کیا بلکہ کسی بڑے پر نقد کی ضرورت محسوس کی تو اس کے اظہار و اعلان میں بھی تردد نہیں کیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ سے قبل یا بعد کسی کے درس حدیث کی یہ خصوصیت سامنے نہیں آئی کہ کسی حدیث کی شرح یا بحث و نظر کے وقت متقدمین و متاخرین کی تحقیقات پر پوری بصیرت کے ساتھ فیصلے کئے گئے ہوں ہر ایک کی شرح و تحقیق کو قرآن و سنت کے معیار پر رکھ کر خدا لگتی بات کہی گئی ہو۔ آپ نے صحیح بخاری شریف کا درس دیا تو اس شان سے کہ نہ صحیح کی شان رفیع نظروں سے گری نہ امام بخاری کے

خدا داد بہترین اوصاف و کمات اور جمل ہوئے اور ساتھ ہی امام بخاری کی بشری خامیاں اور نقائص بھی پردے میں نہ رہے۔ انوار الباری میں جگہ جگہ امام بخاری کے تراجم ابواب ان کے فقہی نظریات ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالفت پر بے لاگ تبصرے آئیں گے جو علم و تحقیق کی جان ہیں امام بخاری بدو وحی کے بعد سب سے بڑا موضوع کتاب الایمان کا لائے ہیں جس کے تحت بہت سے ابواب اور بہ کثرت احادیث و اقوال جمع کئے۔ علامہ قسطلانی شافعی شارح بخاری شریف نے لکھا کہ امام بخاری کی غرض ان تمام ابواب سے یہی ثابت کرنا ہے کہ اعمال اجزاء ایمان ہیں اور یہ بھی علامہ موصوف نے امام بخاری کے ترجمہ الباب باب من قال ان الایمان هو العمل کے تحت لکھا کہ امام بخاری کا مقصد اس قسم کے ابواب سے ان حضرات کا رد کرنا ہے جو عمل کو داخل ماہیت ایمان نہیں کہتے لیکن امام بخاری نے جو اپنے دعویٰ پر دلیل پیش کی ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ عمل کا تعلق ایمان سے جزئیت کا ہے البتہ صرف ایمان پر عمل کے اطلاق کا جواز نکل سکتا ہے جس سے کسی کو اختلاف نہیں ہے کیونکہ اس کو سب ہی مانتے ہیں کہ ایمان بھی تصدیق قلبی ہونے کی حیثیت سے ایک عمل قلب ہے (اس لیے اعمال میں اس کا بھی شمار ہو سکتا ہے حالانکہ نزاع جو کچھ ہے وہ اعمال جوارح میں ہے عقائد یا اعمال قلب میں نہیں ہے)

غرض امام بخاری نے ایک ایک عمل جوارح کو لے کر باب کا عنوان باندھا کہ یہ بھی ایمان کا جزو ہے وہ بھی ایمان کا جزو اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے کسی ایسے شخص سے اپنی صحیح میں روایت نہیں کی جو ایمان کو قول و عمل کا مجموعہ مرکب نہ مانتا ہو۔ نیز فرمایا کہ میں ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملا جو سب ہی ایمان کو قول و عمل کہتے تھے ظاہر ہے کہ یہ سب تعریضات مرجع اہل بدعت سے متعلق نہیں ہو سکتیں بلکہ ان کے چھینٹے ائمہ حنفیہ پر بھی ضرور پڑتے ہیں اس لیے امام بخاری کے اس قدر شدید رویہ کے مقابلہ میں معمولی مدرسی جوابات سے کام نہیں چل سکتا اب ملاحظہ فرمائیے کہ ہمارے حضرت شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے کس طرح جواب دہی فرمائی اور اس سے ناظرین اندازہ کر لیں گے کہ درس بخاری کا حق حضرت شاہ صاحب ایسے محقق و اسع الاطلاع بحر مناجی کا تھا۔ ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں بافتن

آپ نے ارشاد فرمایا (۱) امام بخاری نے فرمایا کہ سلف کا قول ایمان کے بارے میں قول و عمل یزید و ینقص تھا انہوں نے سلف کے قول کو اختصار نخل کے ساتھ پیش کیا سلف کا پورا قول یہ تھا الایمان یزید بالطاع و ینقص بالمعصیۃ امام بخاری نے طاعت و معصیت کے الفاظ کم کر دیے۔ چنانچہ علامہ عینی نے صفحہ ۱۲۶ میں حافظ ابوالقاسم لا لکائی کی کتاب شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعہ سے بھی یہی الفاظ نقل کئے جس کی تفصیل ہم نے صفحہ ۹/۱ اور صفحہ ۱۲/۱۲ انوار الباری میں پیش کی ہے اور علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں کتاب الایمان کی پہلی حدیث کے تحت بھی یہی لکھا کہ ایمان میں طاعت و معصیت سے زیادتی و کمی کو ابو نعیم نے حلیہ میں ذیل ترجمہ امام شافعی نقل کیا ہے۔

نیز فرمایا (۲) امام بخاری کا یہ فرمانا کہ ایک ہزار سے زیادہ علماء سے ملائے یہ خود بھی اس نظریہ کی کمزوری ظاہر کرتا ہے کیونکہ ضروریات دین کے بارے میں اس طرح ہزار پانچ سو کے اقوال نقل نہیں ہوا کرتے نہ ان کے بارے میں سوال ہوا کرتا ہے (وہ تو عوام و خواص سب ہی کو معلوم ہوا کرتے ہیں) عاجز راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ بظاہر امام بخاری نے ایک ہزار کے عدد کو اہمیت دی ہے حالانکہ اس وقت کی اسلامی دنیا لاکھوں علماء سے پٹی پڑی تھی۔ چپہ چپہ پر محدثین کبار بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک ایک محدث کے درس میں تیس تیس ہزار اور چالیس چالیس ہزار تلامذہ جمع ہوتے تھے اور وہ سب اپنے وقت کے بقر محمدیہ و مفسر ہوتے تھے کوفہ بصرہ مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور ملک شام تو بڑے بڑے علمی مرکز تھے اس لیے ایک ہزار کی اقل قلیل اقلیت کی کیا اہمیت ہے پھر بقول حضرت شاہ صاحب ان ایک ہزار کے اقوال بھی صرف ان تک ہی محدود ہیں کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم نے یہ قول صحابہ و تابعین سے حاصل کیا ہے یہ تو ایسا ہے کہ جیسے ایک حلقہ خیال کے لوگ یا ایک استاذ کے سب تلامذہ ایک ہی بات کہا کرتے ہیں اس سے زیادہ اس کی اہمیت نہیں ہے اس کے علاوہ ہم نے متعدد جگہ انوار الباری میں دوسرے اکابر و ائمہ محدثین کے اقوال بھی پیش کئے ہیں جو ائمہ حنفیہ کی تائید و موافقت میں ہیں۔ انوار الباری کی پہلی دو جلدوں میں کتاب



الایمان بخاری کی مختلف جہات پر سیر حاصل اباحت آگئی ہیں۔ یہ بات حضرت شاہ صاحبؒ کے درسی وغیر درسی ارشادات نیز دوسرے کثیر مطالعہ کی روشنی میں ثابت و واضح ہو چکی ہے کہ جہاں تک امام بخاری کی صحیح کا تعلق ہے وہ نہایت اہم مستند ترین ذخیرہ حدیث ہے اور جن احادیث کے روایت میں کلام کیا گیا ہے وہ بھی دوسرے اعلیٰ روایت ثقات کے ذریعہ قوی ہو چکی ہیں۔ اس لیے بخاری کی تمام احادیث کو صحیح قوی اور ناقابل تنقید کہنے میں کوئی ادنیٰ تامل نہیں کیا جاسکتا اس کے بعد صحیح بخاری کے اندر جس قدر حصہ تراجم ابواب کا ہے۔ یا امام بخاری نے جو کچھ اپنی دوسری حدیثی تالیفات میں یا تاریخ و رجال پر لکھا ہے اس پر تنقید میں کوئی مضائقہ نہیں اسی لیے ہم نے بھی امام بخاری کے تذکرہ میں ان کی تالیفات پر مفصل کلام کیا صحیح بخاری کے تراجم میں امام بخاری کے نظریات کلامی فقہی وغیرہ پر بھی بحث برابر آئے گی جس طرح کتاب الایمان میں آئی ہے فقہی مسائل میں حسب تحقیق حضرت شاہ صاحبؒ امام بخاری نے دوسری فقہوں کے مقابلہ میں فقہ حنفی کی موافقت زیادہ کی ہے لیکن وہ بعض مشہور مسائل میں شوافع کی موافقت اور حنفیہ کی شدید مخالفت کے سبب نظروں سے اوجھل ہو گئی ہے جن مسائل میں امام بخاری نے ائمہ اربعہ سے الگ ہو کر اپنا اجتہاد کیا ہے۔ ان پر بھی خاص طور سے بحث آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس کے علاوہ ایک اہم گزارش یہ ہے کہ انوار الباری کا مقصد وحید شرح معانی احادیث ہے یہ امر آخر ہے کہ بقول امام عبد اللہ ابن مبارکؒ (جن کو خود امام بخاری نے بھی اپنے زمانہ کا سب سے بڑا قرآن و حدیث کا عالم تسلیم کیا ہے) امام اعظم کے تمام فقہی مسائل ان کی ذاتی رائے نہیں ہیں بلکہ وہ سب معانی حدیث کی شرح ہیں اس لئے جتنی تائید مسلک حنفیہ کی آئے گی وہ بھی معانی حدیث کی اصح ترین شرح ہی کہلائے گی اور جہاں کہیں حدیث و قرآن اجماع یا قیاس میں شری کی دوسے کسی حنفی مسئلہ میں کمزوری ہوگی وہ ضرور تسلیم کی جائے گی کیونکہ حضرت شاہ صاحب کے درس میں یہی طریقہ استعمال ہوتا تھا فقہ حنفی کی جس برتری کی طرف امام حدیث عبد اللہ بن مبارک نے اشارہ فرمایا اس کی نیک نامی کو معاند مخالفین کے غلط و مسلسل پروپیگنڈے سے اگرچہ کافی نقصان پہنچا ہے مگر پھر بھی بہت سے مخالفین نے اس کی بلندی مرتبت کا اقرار کسی نہ کسی نہج سے ضرور کیا ہے مثلاً حافظ ابن حجر (جنہوں نے اپنی پوری قوت اور قابلیت فقہ حنفی کی مخالفت اور فقہ شافعی کی موافقت میں صرف کی ہے) بہت سے حنفی علماء سے فرمایا کرتے تھے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہارے مذہب کو اختیار کروں کیونکہ تمہارے مذہب کے فروع و اصول میں بڑی مطابقت ہے مگر یہاں یہ بات بھی بڑی حیرت و استعجاب کے ساتھ لکھنی ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی اتنی بڑی تحقیق پر صرف اس لئے عمل نہ کیا کہ ابن برہان ظاہری کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا پوچھا کیا گزری؟ کہا اب تو خیریت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے ناخوش ہیں میں نے کہا کیوں؟ کیا تمہارے حنفیہ کی طرف میلان کے سبب سے یہ سارا قصہ خود حافظ نے ہی ”الجمع الموسس“ میں لکھا ہے علامہ کوثری نے مجموعہ ذیل تذکرۃ الحفاظ کے حواشی صفحہ ۳۲۸ میں لکھا کہ اس واقعہ میں بڑی عبرت ہے خصوصاً اس لئے کہ خواب کی وجہ سے حافظ نے ساری علمی تحقیق پر پانی پھیر دیا اور خواب میں بھی ابن برہان ظاہری جیسے شخص کے کہنے کی وجہ سے جس کے علم و دیانت پر شذرات الذہب وغیرہ میں کافی نقد و جرح کی گئی ہے ائمہ حنفیہ کے جامع و مستحکم اصول فقہیہ و حدیثیہ اور مطابقت فروع و مسائل پر ہم کسی دوسری فرصت میں سیر حاصل بحث کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

”انوار الباری“ کے مطالعہ سے ناظرین اس امر کا اندازہ بھی بخوبی لگا سکیں گے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے درس حدیث کا معیار کس قدر بلند کر دیا اور آپ کے محققانہ طرز تدريس کے اثرات دوسرے علوم و فنون پر بھی پڑ رہے تھے جس سے دارالعلوم کی مرکزیت کو صحیح معنی میں چار چاند لگ گئے تھے مگر نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ بیس سالہ محسوس علمی خدمات کے بعد ۴۶ھ میں جب شاہ صاحبؒ نے انتظامی نقائص کی اصلاح چاہی تو وہ درخور اعتناء نہ ہو سکی۔ آپ نے مجبور ہو کر ایک کلمہ حق (مدرسہ وقف ہے ارٹ نہیں) ارشاد فرما کر دارالعلوم کی صدر مدرس سے استعفیٰ دے دیا اور آپ کے ساتھ دوسرے اکابر و افاضل بھی احتجاجاً مستعفی ہو گئے اس طرح دارالعلوم کے آسمان علم سے

بڑے بڑے آفتاب و مہتاب اور نجوم و ہدایت نوٹ کر جدا ہو گئے اور مادی اقتدار کے مقابلہ میں روحانی اقتدار کو شکست ہوئی جس کے غیر معمولی نقصانات کی تلافی آج تک نہ ہو سکی اور اس جیسے تائبانہ دور علم و افتاء کے پھر آنے کی بحالات موجودہ کوئی توقع ہے الا ماشاء اللہ حضرت شاہ صاحب اور آپ کے رفقاء نے جن نقائص کی اصلاح سے مایوس ہو کر وہ اقدام کیا تھا اس کے ۳۷ سال کی طویل مدت میں وہ کتنے بڑے اور علمی انحطاط کہاں تک پہنچا اہل علم و نظر سے مخفی نہیں کاش! اصلاح حال کے لیے کوئی موثر سعی عمل میں آئے۔

جس سے مادر علمی دارالعلوم کا علمی و عالمی وقار بھی مجروح نہ ہو۔ واللہ الموفق والمیسر لکل عسیر۔

دورہ حدیث کا سال ہمارے مدارس عربیہ میں علوم و فنون کی تکمیل کا آخری سال ہوتا ہے اس لیے حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث میں تمام علوم و فنون کے مشکل و اہم مباحث پر بھی فیصلہ کن تبصرے ہوتے تھے اور فن حدیث میں خصوصیت سے رجال، طرق و متون حدیث مذاہب ائمہ و دیگر محدثین وغیرہ پر بھی سیر حاصل بحث ہوتی تھی اور حضرت شاہ صاحب نہایت احتیاط و انضباط کے ساتھ دوسروں کے اقوال اور کتابوں کے حوالے ذکر فرماتے تھے۔ اس ہمارے درس کی یہ بھی بڑی خامی ہے کہ اساتذہ بغیر پوری مراجعت و انضباط کے اور اپنی اہم ترین ذمہ داریوں کا لحاظ کئے بغیر دوسروں کی چیزیں نقل کرتے ہیں خصوصیت سے رجال اور طرق اسانید وغیرہ پر تو ان کی نظر بہت ہی محدود بلکہ ناقص ہے جب کہ فن حدیث میں ان امور کی اہمیت کسی طرح بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی افسوس ہے کہ اس دور کے بعض اساتذہ حدیث تو یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ رجال پر بحث کی ضرورت نہیں اس سے تو پہلے لوگ فارغ ہو چکے ہیں۔ حالانکہ فن رجال کی ضرورت اور ان پر بحث و نقص کی اہمیت قیامت تک باقی رہے گی بلکہ یہ وقت علماء احناف کے لیے اس علم میں پوری سعی و محنت و مطالعہ سے مہارت حاصل کرنے کا ہے عمدۃ القاری اور شروح طحاوی میں حافظ عینی نے جس قدر رجال پر کلام کیا ہے اس کا مطالعہ نہایت ضروری و مفید ہے علامہ قاسم بن قطلوبغا کی تاج التراجم بھی چھپ گئی ہے اسی طرح تذکرۃ الحفاظ و ذیل تذکرۃ الحفاظ مع تالیقات الکثری وغیرہ کے مطالعہ سے کوئی استاذ حدیث مستغنی نہیں ہو سکتا واللہ الموفق۔

”مؤلف“

### ضروری نوٹ:

یہ جلد کئی بار طبع ہوئی ہے اور سوء اتفاق سے ہر طبع میں اغلاط کا اضافہ ہوتا رہا ہے۔ اس بار زیادہ وقت صرف کر کے عمدہ تصحیح کر دی گئی ہے اس لیے سابقہ طباعت والے نسخے بھی صحیح کر لیے جائیں۔ (مؤلف)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وحده والصلوة والسلام على من لا نبی بعده

## کتاب الوحی

باب :۔ کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و قول اللہ عز وجل "انا اوحینا الیک  
کما اوحینا الی نوح والنبین من بعده"

ترجمہ:۔ نبی الانبیاء والامم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی الہی کی ابتدا کس طرح ہوئی؟ اور حق تعالیٰ جل ذکرہ کا ارشاد ہے کہ "ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی جس طرح نوح اور ان کے بعد والے انبیاء پر بھیجی تھی۔"

تشریح:۔ حضرت شیخ التفسیر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے لکھا کہ اس سے معلوم ہو گیا کہ وحی خاص اللہ کا حکم اور پیام ہے جو پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے اور انبیاء سابقین پر جیسے وحی نازل ہوئی تھی ویسے ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی بھیجی تو جس نے اس کو مانا اس کو بھی ضرور ماننا چاہیے اور جس نے اس کا انکار کیا گویا وہ ان سب کا منکر ہو گیا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام اور ان سے پچھلوں کے ساتھ مشابہت کی وجہ شامکہ یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے جو وحی شروع ہوئی تو اس وقت بالکل ابتدائی حالت تھی حضرت نوح علیہ السلام پر اس کی تکمیل ہو گئی گویا اول حالت محض تعلیمی حالت تھی۔ حضرت نوح کے زمانے میں وہ حالت پوری ہو کر اس قابل ہو گئی کہ ان کا امتحان لیا جائے اور فرمانبرداروں کو انعام اور نافرمانوں کو سزا دی جائے۔ چنانچہ انبیاء اولوالعزم کا سلسلہ بھی حضرت نوح علیہ السلام سے ہی شروع ہوا اور وحی الہی سے سر تابی کرنے والوں پر اول عذاب حضرت نوح علیہ السلام کی وقت سے شروع ہوا خلاصہ یہ کہ پہلے حکم الہی اور انبیاء کی مخالفت پر عذاب نازل نہیں ہوتا تھا بلکہ ان کو معذور سمجھ کر ڈھیل دی جاتی تھی حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں جب مذہبی تعلیم خوب ظاہر ہو چکی اور لوگوں کو حکم خداوندی کی متابعت کرنے میں کوئی خفا باقی نہ رہا۔ تو اب نافرمانیوں پر عذاب نازل ہوا اول حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے میں طوفان آیا اس کے بعد حضرت ہود حضرت صالح حضرت شعیب علیہم السلام کے زمانے میں کافروں پر قسم قسم کے عذاب آئے تو آپ کی وحی کو حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے پچھلوں کی وحی کے ساتھ تشبیہ دے کر اہل کتاب اور مشرکین مکہ کو پوری تنبیہ کر دی گئی کہ جو آپ پر نازل شدہ وحی کو نہ مانے گا وہ عذاب عظیم کا مستحق ہوگا۔

اس آیت مبارکہ کے بعد صراطاً مستقیماً تک غور سے پڑھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وحی کی عظمت و شان کس کس طرح سے بیان کی گئی ہے شاید کسی دوسرے موقع پر اتنی تاکیدات نہ ملیں۔ اس سے امام بخاریؒ کے فہم و جمع کی شان معلوم ہوتی ہے اس کے بعد چند روایات و آیات ذکر کریں جن سے ظاہر ہوا کہ خدا کے نبی کی نیت اعلیٰ اور خالص نسبت نہایت ہی عالی اور اخلاق و اعمال کامل ہوتے ہیں وہ نقص عہد جھوٹ اور دوسری اخلاقی کمزوریوں و برائیوں سے مبرا ہوتے ہیں حتیٰ کہ مخالفین بھی ان کے صدق و دیانت و عہدگی اخلاق و افعال کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے ہیں خدا کے نبی میں اعلیٰ ملکات علم و عمل و دیانت ہوتے ہیں پھر ان باطنی کمالات کو مجاہدات ریاضات خلوت و کثرت عبادات سے جلا دی جاتی ہے تاکہ ان کے پیر و بھی ظاہر و باطن کو اسی طرح مزین کریں۔



## وحی اور اس کی عظمت

ہم یہاں حضرت استاذ الاساتذہ شیخ الہند کی تحقیق درج کرتے ہیں۔

وحی لغت عرب میں اشارہ کتابت، مکتوب، رسالت، الہام، القاء کو کہتے ہیں اور اصطلاح و عرف میں اس کلام و پیام کا نام ہے جو حضرت رب العزت کی طرف سے انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا واسطہ بلاسطہ کے تفاوت اور وسائل کے اختلاف سے اس کے اقسام متعدد ہیں مگر کلام الہی ہونے میں سب شریک ہیں۔ زید کا کلام بلا واسطہ سنو یا بواسطہ ہیلو گراف یا کتابت یا پیغام زبانی ہر حال میں اس کو کلام زید کہنا درست ہوگا۔ اصل کلام مضمون و معنی ہیں الفاظ و حروف اس کے لیے عنوان ہیں لہذا قرآن مجید احادیث قدسیہ و دیگر احادیث و اقوال نبویہ سب کلام الہی اور وحی من اللہ ہیں عوارض خاصہ اور بعض احکام میں تو ان کا باہم امتیاز ہوا اور ضرور ہونا چاہیے مگر کلام الہی ہونے میں کوئی خفا نہیں چنانچہ جملہ اکابر کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ احادیث رسول علیہ السلام حتیٰ کہ ان کا خواب بھی وحی سمجھا جاتا ہے۔

حضرت رب العزت جل ذکرہ سے ہم تک اس کا کلام پہنچنے میں دو واسطے ہیں ایک وحی لانے والا فرشتہ دوسرے جس پر وحی لے کر آیا یعنی نبی و رسول اور دونوں کی صداقت و عصمت باتفاق اہل عقل و نقل ثابت ہے کون نہیں جانتا کہ ملائکہ الرحمان اور انبیاء کرام مقربین بارگاہ الہی ہیں؟ وحی الہی چونکہ نہایت عظیم المرتبت چیز ہے اور اس کے نزول کی بھی خاص شان ہوتی ہے اس لیے جو وحی حضرت رسول اکرم نبی الانبیاء والامم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ چونکہ آپ کے خصوصی فضل و امتیاز اور علوم مرتبت و قرب الہی کے باعث سب سے اعلیٰ درجہ کی وحی ہے امام بخاری نے اس کے خاص حالات و کیفیات کو بیان کرنے کے لیے سب سے پہلے اسی کا باب قائم کیا جس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جملہ اصول و فروع حتیٰ کہ ایمان و علم کا ماخذ و منشاء بھی وحی الہی ہے اور تمام فروع و اصول وہی معتبر ہو سکتے ہیں جن کا ماخذ وحی ہو۔ اور اس کتاب میں بھی جو کچھ مذکور ہوگا اصول ہوں یا فروع عبادات ہوں یا معاملات وغیرہ سب کا ماخذ وحی ہوگی۔

غرض دو باتوں کا خیال یہاں ضروری ہے اول یہ کہ لفظ وحی میں جملہ اقسام وحی و وحی مکتو قرآن مجید اور غیر مکتو (حدیث وغیرہ) داخل ہیں دوسرے یہ کہ ابتداء وحی سے کوئی خاص ابتداء مقصود نہیں بلکہ عام ہے خواہ لحاظ زمانہ ہو یا لحاظ مکان یا اعتبار احوال ہو یا لحاظ اوصاف اسی لیے امام بخاری آیت مذکورہ لائے جس سے معلوم ہوا کہ مبداء وحی (جہاں سے یہ کلام صادر ہوئے) وہ حق تعالیٰ جل ذکرہ کی برتر ذات ہے اور جن پر ہر زمانے میں اور مختلف حصص عالم میں اس کی وحی آتی رہی وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی مقدس و مطہر ذات ہیں۔ اسی طرح وحی الہی کا سب سے اعلیٰ اور تمام سابقہ و حیوں کا خلاصہ و مجموعہ خاتم النبیین سرور انبیاء و مرسلین سیدنا و مولانا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات منبع البرکات پر نازل ہوا اور چونکہ سلسلہ نبوت ختم ہو چکا تھا اس لیے اس کی ظاہری حفاظت کا وعدہ بھی حق تعالیٰ جل ذکرہ نے فرمایا اور اس کے اولین وارث (یعنی حاملین علوم نبوت صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) ہوئے جو علوم شرعیہ میں کامل اور حق پرستی میں طاق تھے ان ہی کے ذریعے سے وحی مکتو (قرآن مجید) ساری امت کو پہنچا اور ان ہی سے وحی غیر مکتو یعنی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ہوئی چنانچہ موجودہ ذخیرہ حدیث ہمیں دس ہزار صحابہ سے پہنچا ہے پھر اس کی صحیح و راہت تابعین و تبع تابعین وغیرہم تک ہوتی ہوئی ہم تک پہنچی اور قیامت تک حسب ارشاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم لا تزال طائفة من امتی علی الحق ظاہرین لا یضرہم من خالفہم حتیٰ یاتی امر اللہ (میری امت میں قیامت تک ہمیشہ ایک جماعت حق پر رہے گی جو دوسروں پر غالب رہے گی اور مخالفین کی مخالفت اس کو کچھ ضرر و نقصان نہ پہنچا سکے گی۔)

نیز حسب ارشاد ولن یجمع امتی علی الضلالۃ (میری امت گمراہی پر ہرگز جمع نہ ہوگی) علوم نبوت کی حفاظت کا وعدہ ہو چکا حق تعالیٰ کے اس عظیم فضل و انعام پر امت محمدیہ جتنا شکر و سپاس بھی بجالائے کم ہے۔

یہ جماعت جس کے ہمیشہ حق پر رہنے کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے وہی ہے جس نے وحی الہی کو اپنا ہادی و یاسر اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اپنا مقتدا و پیشوا بنایا یہی جماعت اہل حق و اہل سنت کہلانے کی مستحق اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ما انا علیہ و اصحابی (جس طریقہ پر میں ہوں اور میرے صحابہ) کا مصداق ہے۔

اس کے برخلاف جن لوگوں نے بوجہ نقصان فہم یا بوجہ غرض و ہوا یا بسبب کج فطرتی و کثرتی اپنی رائے و توہمات کو امام بنایا اپنی ہوا و ہوس کی پیروی کی یا خالص مذہبی و دینی مسائل میں سلف کی آراء کو ہم تم کیا ائمہ دین کو ہدف لعن و طعن کیا وہ سب طریق حق سے دور ہو گئے اور اختلاف مذہب کے مرتکب ہوئے جماعت اہل حق کا فرض ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے صراط مستقیم اور حضرات صحابہ و تابعین ائمہ مجتہدین و علمائے راہنہین اور جملہ صلحائے امت و صدیقین کے طریق توہم سے سرمو انحراف کو جائز نہ سمجھے۔ واللہ الموفق والمیسر لما یحب و یرضی۔

نوٹ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ ابی دانی) کے ارشاد ما انا علیہ و اصحابی میں مسلک حق کی جو شان و ہیبت کی گئی ہے اس کی مکمل علمی و عملی تفسیر سب سے پہلے حضرت امام اعظم اور آپ کے اصحاب شرکاء تہذیب و تمدن اسلامی نے دنیا کے سامنے پیش کی جس کا اعتراف ابن ندیم نے اس طرح کیا علوم نبوت کا شہر و غرب اور یروجر میں پھیلاؤ امام اعظم رحمہ اللہ کی تہذیب و شریعت کے ذریعہ ہوا۔ اور عنانہ محقق شعرانی شافعی میزان میں یوں گلفشاں ہوئے۔

”پہلے گزر چکا کہ جب حق تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرما کر شریعت اسلامیہ کے سرچشمہ سے واقف کیا تو میں نے دیکھا کہ تمام مذاہب فقہیہ اس شریعت حقہ سے مرتبط ہیں پھر یہ بھی دیکھا کہ ائمہ اربعہ کے تمام مذاہب کی نہریں جاری ہیں اور باقی مذاہب جو مٹ گئے ہیں۔ وہ پتھریاں بن گئی ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ سب سے لمبی نہر امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی ہے اس کے بعد امام مالک رحمہ اللہ کی اس کے بعد امام شافعی کی اس کے بعد امام احمد کی اور ان سب سے چھوٹی امام داؤد کی جو کہ پانچویں قرن میں ختم ہو گئی اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ نہروں کی بڑائی چھوٹائی سے ان مذاہب کے رواج کی مدت مراد ہے اور چونکہ امام اعظم ابو حنیفہ کا مذہب سب سے پہلے مدون ہو کر رائج ہوا تو وہی سب سے آخر میں ختم ہو گا اور یہی اہل کشف کی بھی رائے ہے۔“

1 - حدثنا الحمیدی قال حدثنا سفیان قال حدثنا یحیی بن سعید الانصاری قال اخبرني محمد بن ابراهيم

التيمي انه سمع علقمة بن وقاص الليثي يقول سمعت عمر بن الخطاب رضي الله عنه على المنبر يقول

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انما الا اعمال بالنيات وانما لا مری ما نوى فمن كانت

هجرته الى دنيا بصيها او امرأه يتزوجها فهجرته الى ما هاجر اليه.

ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ بلاشبہ تمام اعمال کا تعلق دل کے ارادوں سے ہے اور ہر کسی کو اس کی نیت کے مطابق ہی ثمرہ حاصل ہوتا ہے۔ جس کسی کی ہجرت دنیا حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی نیت سے ہوگی تو اس کی ہجرت اسی غرض کے لیے شمار ہوگی۔

تشریح: اعمال ظاہری کی اچھائی برائی کا مدار دل کے اچھے برے ارادوں پر ہے حتیٰ کہ ہجرت جیسے بڑی سعادت و عبادت بھی بری نیت کے سبب اکارت ہو جاتی ہے امام بخاری نے اپنی کتاب کو اس حدیث سے شروع کیا تا کہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے کہ ہر عمل خیر

۱۷ علامہ محدث حمیدی کا مفصل تذکرہ مقدمہ انوار الباری صفحہ ۱۳۵/۱ میں ہو چکا ہے ۱۸ یہ محدث جلیل سفیان بن عیینہ تلمیذ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (دیکھو مقدمہ صفحہ ۱/۱۲)

۱۹ بہت بڑے محدث و فقیہ تابعی ہیں آپ کثیر الحدیث ثقہ حجت و ثبت تھے تمام امام اعظم ابو حنیفہ امام مالک امام اوزاعی وغیرہ کہا محدثین نے آپ سے روایت کی ہے

(جامع المسانید و تہذیب) ۲۰ مشہور جلیل القدر تابعی ہیں آپ سے بھی امام اعظم رحمہ اللہ علیہ کے شیوخ نے حدیث کی روایت کی ہے (جامع المسانید صفحہ ۲/۳۵۶)

سے پہلے دل کے ارادے کو صحیح کرنے کا اہتمام کیا جائے نیت صحیح ہو اور اچھی ہو اور ہر بھلائی و نیکی صرف خدا کی خوشنودی کے لیے ہو اگر ایمان اسلام، تحصیل علم، تمام اعمال صالحہ، طاعات، عبادات، جہاد، صرف مال، زکوٰۃ و صدقات حج بیت اللہ و ہجرت وغیرہ بھی اخلاص، لکھیت اور اچھی نیت سے نہ ہوں بلکہ کسی غرض و نیوی یا ریا و نمود کے لیے ہوں تو ان کی کوئی قدر و قیمت خدا کے یہاں نہیں اور لکھیت و اخلاص کے ساتھ ہر چھوٹی و بڑی نیکی حتیٰ کہ زبان سے کوئی کلمہ خیر کہہ دینا اور راستوں سے کوئی معمولی تکلیف کی چیز ہٹا دینا بھی موجب اجر و ثواب ہے۔

بحث و نظر: امام بخاریؒ نے سب سے پہلی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی جو احادیث صحاح مجرہ کی جمع و تدوین کا سب سے پہلا اقدام تھا (کیونکہ اس سے پہلے جو ایک سو سے زیادہ احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجموعے مدون ہوئے تھے۔ ان میں احادیث کے ساتھ آثار صحابہ و فتاویٰ تابعین بھی تھے۔)

اس سے یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جمع و روایت احادیث کے خلاف ہرگز نہ تھے اپنے دور خلافت میں آپ نے صحابہ سے اس بارے میں مشورہ بھی کیا تھا جس میں تمام صحابہ کی رائے باقاعدہ کتابت و جمع احادیث کی تھی مگر اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس مہم کو صرف اس احتیاط کے پیش نظر ملتوی کر دیا تھا کہ قرآن مجید کے ساتھ احادیث کا اختلاط نہ ہو جائے۔ باقی زبانی روایت احادیث کا سلسلہ دستور آپ کے عہد میں بھی جاری رہا مگر اس میں آپ غایت احتیاط کو پسند کرتے تھے اسی لیے خود بہت کم روایت کی ہے اور دوسروں پر بھی سخت کرتے تھے حتیٰ کہ بعض مواقع پر مزید اطمینان کے لیے روایت کرنے والوں سے گواہ بھی طلب کر لیتے تھے۔

سب سے پہلے امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اس لیے درج فرمایا کہ ہر عمل خیر کے لیے صحیح و تحسین نیت کے لیے ترغیب ہو اسی طرح دوسرے اکابر محدثین و مؤلفین نے بھی اسی حدیث سے ابتداء کرنے کو پسند فرمایا ہے۔ محدث عبدالرحمن بن مہدی نے فرمایا کہ اگر میں کوئی

اسے یہ امام مالک، شعبہ، سفیان بن عیینہ، سفیان ثوری وغیرہ کے تلمیذ حدیث اور امام احمد اسحاق و اصحاب صحاح ستہ کے شیوخ میں ہیں امام اعظمؒ کے مداحین میں سے ہیں امام صاحب کو قاضی قضاۃ العلماء کا لقب دیا تھا بلکہ بعض واسطوں سے ان کے تلامذہ میں بھی داخل ہیں مگر آپ کا میلان بعض مذاہب الجہدیت اور رائے اہل مدینہ کی طرف تھا جبکہ آپ کے معاصر محدث کبیر سید الحفاظ رئیس ناقدین رجال یحییٰ بن سعید القطان کا میلان رائے اہل کوفہ کی طرف تھا (ملاحظہ ہو تہذیب صفحہ ۲۷۹) راقم الحروف کا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے جو بہت سے مسائل میں فقہ حنفی کی شدت سے مخالفت کی ہے وہ شیخ عبدالرحمن بن مہدی نصر بن شمس اور اثنی عشر بن راہویہ وغیرہ کا اثر ہے نصر بن شمس اہل مسائل فقہ حنفی میں مامون الرشید سے بحث کیا کرتے تھے اور مامون جو خود بڑا محدث و فقیہ تھا ان کو لا جواب کر دیا کرتا تھا نیز وہ اثنی عشر بن راہویہ ان چند لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے کتب فقہ حنفی کو دریا میں بہا دیا تھا جس پر خلیفہ مامون نے ان سب کو مار کر تنبیہ کی تھی (ملاحظہ ہو مقدمہ انوار الباری صفحہ ۹۱) اسی طرح امام بخاریؒ پر جو اثرات امام اعظم رحمہ اللہ کے بارے میں ہیں وہ ان کے شیوخ حمیدی، عقیلی، خزاعی، اسماعیل بن عرعرہ وغیرہ کے باعث ہیں واللہ اعلم شیخ عبدالرحمن بن مہدی اپنے زمانے کے جلیل القدر محدث و فقیہ تھے (۱۹۸ھ میں ان کی وفات ہوئی رحمہ اللہ رحمۃً واسعہ)

اوپر کے حوالے میں حافظ ابن حجر نے اعتراف کیا کہ امام یحییٰ القطان فقہاء کوفہ کی طرف مائل تھے امام موصوف کے حالات مقدمہ انوار الباری صفحہ ۲۰۲/۱ میں ذکر ہو چکے ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ حدیث و فقہ اور شریک مجلس تدوین فقہ حنفی نے آپ کو اپنے زمانے کا امام بلافاصلہ اذیت کہا اور فرمایا کہ آپ کے ساتھ ہمارے اندر حجت پکڑتے تھے اور مکمل اعتماد کی وجہ سے کہتے تھے کہ جس کو یحییٰ بن القطان نے چھوڑ دیا ہم بھی اس کو چھوڑ دیں گے۔ ابن حبان کا قول ہے کہ آپ سے امام احمد، یحییٰ بن معین، علی مدینی اور ہمارے تمام ائمہ نے علم حاصل کیا ابن نجیب نے آپ کو علم و حفظ وغیرہ کے اعتبار سے سادات اہل زمانہ سے کہا اور یہ کہ آپ ہی نے اہل عراق کے لیے رسم حدیث کے راستے ہموار کئے ثقات کی تلاش اور ترک ضعیف کا بڑا اہتمام کیا یحییٰ نے فقہ حنفی کا بڑا حافظ ابو زرہ نے ثقات حفاظ میں شمار کیا حافظ ابو حاتم نے حافظ حجت کہا امام نسائی نے ثقہ ثبت مرضی کہا امام یحییٰ بن معین نے آپ کو عبدالرحمن بن مہدی سے اوپر کا درجہ دیا حافظ ابن خزیمہ نے بغداد سے امام اہل زمانہ کا لفظ نقل کیا صالح بن احمد نے اپنے والد سے نقل کیا کہ یحییٰ القطان عبدالرحمن بن مہدی اور کعبہ وغیرہ سب سے زیادہ اذیت ہیں علی بن المدینی و شیخ امام بخاری کا قول ہے کہ میں نے یحییٰ القطان سے زیادہ اذیت کسی کو نہیں دیکھا (یعنی روایت حدیث میں پوری احتیاط کرنے والا) ابراہیم بن محمد جمعی نے فرمایا کہ یحییٰ القطان سے زیادہ رجال حدیث کا جاننے والا میں نے نہیں دیکھا عبداللہ احمد کا بیان ہے کہ میں نے اپنے والد امام احمد کو سنا کہ وہ یحییٰ القطان سے احادیث روایت کرتے تھے پھر فرماتے کہ میں نے ان جیسا کوئی بھی نہیں دیکھا میں نے کہا کہ عظیم بھی نہیں؟ فرمایا کہ عظیم بس شیخ وقت ہیں میں نے کہا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کتاب ابواب میں تصنیف کرتا تو اس کے ہر باب کو انما الاعمال بالنیات سے شروع کرتا اور جو شخص تصنیف کا ارادہ کرے اس کو اسی حدیث سے شروع کرنا چاہیے۔

بعض ائمہ حدیث نے اس حدیث کو اسلام کا ایک تہائی قرار دیا ہے اور بعض نے چوتھائی اور سب نے ہی اس کی عظمت و قدر کا بیان کیا ہے یہ حدیث مسند امام اعظم میں بھی یہ لفظ ”الاعمال بالنیات“ امام صاحب سے روایت کی گئی ہے اس حدیث کا شان و رود طبرانی میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ ایک شخص نے ام قیس کو پیغام نکاح بھیجا اس نے انکار کر دیا اور ہجرت کی شرط لگائی تو اس شخص نے ہجرت کی اور نکاح کر لیا اسی لئے ہم نے اس کا نام مہاجر ام قیس رکھ دیا تھا۔

ہمارے شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر فرمایا کہ جس طرح آیات قرآنی کے شان نزول بیان کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے احادیث کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) عبدالرحمن بن مہدی؟ فرمایا یحییٰ القطان جیسا کوئی نہیں دیکھا گیا امام احمد کا قول یہ بھی ہے کہ بعمرہ میں یحییٰ القطان پر تہمت کی انتہائی خود عبد الرحمن بن مہدی کا قول ہے کہ یحییٰ القطان سے بہتر حدیث کی طلب و تلاش کرنے والا اور حدیث کو اخذ و ضبط کرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔

خلیل سے یہاں تک سب اقوال ہم نے تہذیب سے نقل کئے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ اتنا بڑا شخص جو جامع کمالات اور امام فن حدیث و رجال تھا اور جو امام احمد علی بن المدنی، اسحق بن راہویہ، ابوبکر بن ابی شیبہ (صاحب مصنف مشہور) اور امام فن رجال یحییٰ بن معین وغیرہ کبار ائمہ و محدثین کا قابل صد فخر استاذ تھا وہ امام اعظم کے تلمذ حدیث و فقہ پر نازاں اور فقہ حنفی کا متبع تھا اسی طرح امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ کوئی جن کے حالات مقدمہ انوار الباری صفحہ ۱۸۶/۱ میں درج ہوئے اور خود امام بخاریؒ نے تاریخ کبیر صفحہ ۲۷۴/۲ میں ابو خالد الاحمر کا قول مان کے بارے میں نقل کیا کہ آپ حدیث کے اخذ و ضبط میں کامل مہارت رکھتے تھے اور حضرت حسنؒ قول نقل کیا کہ آپ اہل کوفہ میں سب سے بڑے فقیہ تھے یہ اور اس زمانے کے سینکڑوں ہزاروں کبار محدثین نے فقہ حنفی پر اعتماد کیا اور سینکڑوں محدثین نے امام صاحب سے احادیث کی روایت بھی کی۔ جس کا بڑا ثبوت جامع المسانید وغیرہ موجود ہیں اس کے باوجود کچھ لوگوں کا یہ کہنا کہ فقہ حنفی احادیث کے خلاف ہے یا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس احادیث کا ذخیرہ نہیں تھا دروغ بے فروغ نہیں تو اور کیا ہے؟ ایک محترم بزرگ عالم نے ہمیں لکھا کہ غیر مقلدوں کا ایک شرزمہ قلبیہ ہے اس کو زیادہ اہمیت نہ دی جائے لیکن ہمارے نزدیک یہ خیال صحیح نہیں تہذیب و تمدن کے بارے میں تو معلوم ہوگا کہ فقہ حنفی کے مقابلہ میں شروع سے ہی اور بعد کو دوسرے ائمہ مجتہدین کو فقہوں کے مقابلہ میں بھی اہل حدیث کے مذاہب رائج ہو گئے تھے جن پر حافظ نے تخریض کی ہے کیونکہ حافظ ابن حجر خود بھی شافعی ہیں۔ پھر درمیانی تاریخ سے گزر کر قریبی دور کے مصری، حجازی، نجدی و ہندی علماء کے رجحانات و حدیثی تالیفات کو بھی سامنے رکھئے اور اس وقت مدینہ مدینہ (زاد ہا اللہ شرفاً) جو سعودی عرب کی سرپرستی میں لکھو کھارہوں کے سرمایہ سے یونیورسٹی قائم ہوئی ہے اور تمام دنیائے اسلام کے طلباء و گراں قدر و خائف ماہوارے کر تعلیم علوم اسلامیہ کے لیے جمع کیا جا رہا ہے اس کے نصاب تعلیم کو دیکھئے اس کے نتائج پر بھی نظر رکھئے اور وہاں کے اساتذہ کے متعلق بھی معلومات فراہم کیجئے! معلوم ہوا کہ وہاں کے اساتذہ حنفی مذہب کے طلبہ کو حلیہ کا طعنہ دیتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کو صرف تیرہ یا سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ قیاس کن زنگستان من بہار مرا اتنی بڑی عالمی یونیورسٹی کے اساتذہ کو تمام تعصبات سے بالاتر ہونا چاہیئے۔ اور اگر وہاں کے اساتذہ کی کڑی نگرانی نہ کی گئی تو اس کے نقصانات بہت زیادہ ہوں گے۔

ضرورت ہے کہ حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی شیخ الحدیث دارالمصوم عند والدہ یار نرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور، حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد شفیع صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری شیخ الحدیث دارالعلوم جامع مسجد نوناؤن کراچی ایسے حضرات کو بھی مدینہ یونیورسٹی کے مشیران میں شامل کیا جائے۔ تاکہ وہاں کی علمی مرکزیت کے شایان شان علوم نبوت کے صحیح خدمت ہو سکے۔

ہمارے علم میں نجد و حجاز کے بھی چند ایسے علماء محققین حنبلی و غیر حنبلی ہیں جن کو یونیورسٹی کی انتظامیہ میں رکھنے سے اس کا صحیح علمی وقار و اعتماد قائم ہو سکتا ہے یہ سطور لکھی جا چکیں تھیں کہ ایک مشہور علمی ادارے کے مدیر محترم کا خط ڈاک سے ملا جو اسی سال حج و زیارت حرمین سے مشرف ہو کر آئے ہیں انہوں نے مدینہ یونیورسٹی کے متعلق لکھا کہ اس سے ہم لوگوں کو بہتر توقعات قائم نہیں کرنی چاہئیں نجدیوں کا بڑا مقصد اس کی تائیس سے نجدیت کو پھیلانا اور دوسری سیاسی مصالح کا حصول معلوم ہوتا ہے ہمارا اندازہ یہی ہے۔ واللہ اعلم عند اللہ

کچھ اس قسم کے تاثرات دوسرے لوگوں کے بھی ہیں خدا کرے اپنے اس عظیم تر روحانی و دینی مرکز کے بارے میں اس قسم کے تاثرات بہتر توقعات و خوشتر نتائج سے بدل جائیں اور وہاں کے ارباب حل و عقد اس عالمی اسلامی ادارے کو تمام سیاسی مصالح اور ہر قسم کے تعصبات سے بلند تر رکھنے کا تہیہ کر لیں۔ وما ذلک علی اللہ بعزيز۔

شان و رود کا بھی اگر اہتمام ہوتا تو نہایت مفید ہوتا اور کوئی مستقل کتاب اس موضوع پر لکھ دی جائے تو بڑا نفع ہو علامہ ابن دقیق العید کا قول ہے کہ سواء ابو حفص عکبری کے کسی نے اس طرف توجہ نہیں کی۔

امام بخاریؒ حدیث مذکور ”الاعمال بالنیات“ کو اپنی صحیح میں سات جگہ لائے ہیں پہلی تو یہی ہے دوسری صفحہ ۱۳ میں ”باب ما جاء ان الاعمال بالنية والحسنة ولكل امری ما نوى“ کے الفاظ سے لائے ہیں پھر فرمایا کہ اس میں ایمان وضو نماز زکوٰۃ حج روزہ وغیرہ سب داخل ہو گئے مطلب یہ کہ اعمال خیر کا اجر و ثواب جب ہی حاصل ہوگا کہ ارادہ طلب ثواب کا ہو اگر نیت قاسد ہے یا طلب ثواب کا ارادہ نہیں تو وہ عمل ثواب سے خالی ہوگا۔

تیسری کتاب احق میں لائے چوتھی باب الحجر میں پانچویں نکاح میں چھٹی تذکر کے بیان میں ساتویں کتاب الحیل میں کسی جگہ ان کا مقصد صحت اعمال کا مدار نیت پر بتلانا ہے اور کہیں ثواب اعمال کو نیت پر موقوف بتلانا ہے جس سے معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ کے نزدیک حدیث کا مفہوم عام ہے جو دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب کی بھی یہی رائے ہے کہ حدیث مذکور سے صرف صحت اعمال کی تخصیص جیسا کہ شوافع کرتے ہیں درست نہیں جس طرح ثواب اعمال کی تخصیص مناسب نہیں جو بعض فقہاء احناف نے کی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے ان ہر دو شخصیات سے پیدا ہونے والی خرابیوں کا مفصل تذکرہ فرما کر بتلایا کہ فقہاء حنفیہ کو سب سے زیادہ وضو کے بارے میں مطعون کیا گیا ہے حالانکہ ان کی فقہی پوزیشن اس مسئلہ میں بھی بہت قوی ہے جس کے وجوہ حسب ذیل ہیں۔

۱- حدیث مذکور عبادات میں وارد ہوئی ہے نہ کہ قربات و طاعات میں اور اس امر کو حنفیہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ وضو بغیر نیت کے عبادات کے درجہ میں نہیں آئے گی نہ اس پر ثواب عبادت کا ملے گا لیکن یہ کہ وہ منقح صلوٰۃ بھی نہ بن سکے گی اس سے حدیث مذکور بالکل ساکت ہے (چنانچہ امام بخاریؒ نے بھی جہاں مفصل احکام وضو نماز وغیرہ کا ذکر کیا ہے وہاں حدیث سے مراد ثواب اعمال ہی لیا ہے صحت اعمال نہیں۔

شیخ زکریا انصاریؒ نے تفصیل سے بتلایا ہے کہ عبادت میں نیت کے ساتھ اس ذات کی معرفت حاصل ہونا بھی ضروری ہے جس کا تقرب اس عبادت سے مقصود ہے قربت میں نیت ضروری نہیں صرف معرفت مذکور ضروری ہے جیسے تلاوت قرآن مجید اطاعت میں کوئی شرط نہیں (صرف اس کا عمل خیر ہونا کافی ہے) جیسے ان امور کا غور و فکر اور مطالعہ جن سے اسلام قبول کرنے کی رہنمائی حاصل ہو۔

۲- تمام مسائل دین پر ایک اجمالی نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام کی ترکیب پانچ چیزوں سے ہے عبادات عقوبات معاملات اعتقادات اخلاق فقہی کتابوں میں صرف پہلی تین چیزوں کا ذکر ہوا ہے عبادات مقصودہ میں بالاتفاق سب کے نزدیک نیت شرط صحت ہے معاملات کا اطلاق پانچ چیزوں پر ہوتا ہے مناکحات معاوضات مالیہ خصومات ترکات امانات ان سب میں کسی کی یہاں بھی نیت شرط نہیں ہے عقوبات کی بھی پانچ اقسام ہیں حدودہ حد قذف حد زنا حد سرقة اور قصاص ان میں بھی کسی نے نیت کو شرط قرار نہیں دیا۔ (حد شرب خمر کا ذکر اس لئے نہیں کیا جاتا کہ اس کا اجرا ذمیوں پر نہیں ہوتا)۔

پس اگر وسائل کے بارے میں حنفیہ پر طعن کیا جاتا ہے کہ حدیث مذکور کے خلاف کرتے ہیں تو معاملات و عقوبات میں تو دوسرے بھی مخالفت حدیث کے مرتکب ٹھہریں گے اس کا ان کے پاس کیا جواب ہے؟

۳- بہت سے وسائل میں حنفیہ کے یہاں بھی نیت شرط صحت ہے جیسے تیمم نیز سے وضو وغیرہ حالانکہ مشہور و معروف محدث فقیہ شام حضرت امام اوزاعیؒ (امام اوزاعیؒ کا تذکرہ مقدمہ انوار الباری حصہ اول کے صفحہ پر ہو چکا ہے)



اور حافظ حدیث حسن بن صالح بن حاتم میں بھی نیت کو شرط صحت نہیں مانتے تھے (یعنی) اس طرح پر دونوں ائمہ حدیث ہمارے امام اعظم سے بھی نیت کو شرط صحت نہ ماننے میں آگے بڑھے ہوئے ہیں پھر صرف فقہاء احناف کو مطعون کرنا کیا انصاف ہے؟

وضو اور تیمم میں وجہ فرق ہمارے یہاں یہ ہے کہ پانی میں بالطبع وبالذات پاک کرنے کا وصف موجود ہے کیونکہ قرآن مجید میں تصریح ہے **وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا** ہم نے پانی کو پاک کرنے والا اتارا ہے لہذا نیت کی ضرورت نہیں لیکن مٹی اور زمین میں یہ وصف ذاتی نہیں ہے حق تعالیٰ نے امت محمدیہ کے خصوصی اکرام اور دفع حرج کے لئے پانی نہ ملنے کے وقت اس کو پاک کرنے کا وصف عطا فرمادیا ہے اس لئے اس میں نیت کی ضرورت ہوگی اور یہ ایسا ہی ہے جیسے شوافع نے جمع بین المصلوحتین میں جمع تقدیم اور جمع تاخیر کی نیت کو ضروری قرار دیا ہے۔

وضو بالنبیذ میں نیت حنفیہ کے نزدیک اس لئے ضروری ہے کہ وہ ماء مطلق و مقید کے بین بین ایک صورت ہے اگرچہ ظاہر و طہور ہے جس طرح حقیقت قاصرہ کو حقیقت مطلقہ و مجاز کے درمیان ایک وجہ دیا گیا ہے اور اس کو مجاز سے اوپر اور حقیقت مطلقہ سے نیچے مانا گیا ہے حاصل یہ کہ ہمارے یہاں وسائل میں بھی فی الجملہ نیت کی شرط موجود ہے لہذا جن لوگوں نے مٹی اختلاف وسائل و مقاصد کو سمجھا ہے انہوں نے نقل مذاہب میں غلطی کی ہے۔

۴۔ اگر زیادہ وقت نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ماء مطلق سے وضو میں بھی حنفیہ کے یہاں نیت کا لحاظ موجود ہے کیونکہ نیت سے مراد اگر زبان سے نیت کرنا ہے تو وہ کسی کے یہاں بھی لازمی و ضروری نہیں ہے چنانچہ علامہ ابن تیمیہ اور بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ زبان سے نیت کے الفاظ ادا کرنے کا ثبوت نہ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نہ صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور نہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے اور اگر اس سے مراد وہ دل کا ارادہ ہے جو ہر فعل اختیاری سے پہلے ہوا ہی کرتا ہے تو اس میں ہم اور دوسرے مخالفت کرنے والے برابر ہیں یعنی ہم بھی اس سے منکر نہیں ہیں ظاہر ہے کہ نماز سے پہلے نیت کرنے کا مطلب یہی ہے کہ نماز پڑھنے والے کے دل میں اس امر کا شعور ہو کہ میں کون سی نماز پڑھ رہا ہوں تو کیا کوئی حنفی المسلک ایسا ہوگا جس کو وضو کرتے وقت اس امر کا شعور نہ ہو کہ میں نماز کے لئے فرض طہارت ادا کر رہا ہوں غرض نیت صرف ایک امر قلبی ہے جو تمام اختیاری افعال میں ہوا کرتی ہے۔

۵۔ مشہور حافظ حدیث فقیر عابد زہد تھے۔ حافظ ابو زرعہ حافظ ابو حاتم امام نسائی وغیرہ نے نقل کیا سیدنا حافظ امام یحییٰ القطان نے فرمایا کہ سفیان ثوری ان کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے تھے اسی طرح دوسرے کچھ حضرات نے بھی ان پر نقد کیا ہے مثلاً کہا کہ وہ امت میں نکو ار چلانے کو پسند کرتے تھے۔ (یہ بیحد وہی اعتراض ہے جو امام بخاری نے اپنے رسالہ خلاف قرآنہ خلف الامام میں امام اعظم پر کیا ہے۔) (دیکھو صفحہ ۱۹) حافظ ابن حجر نے یہاں اس اعتراض کو دفع کیا اور کہا کہ بیشک حافظ حسن بن حنفی ائمہ جور کے خلاف خروج بالسیف کو جائز سمجھتے تھے اور یہی سلف کا قدیم مسلک بھی تھا۔ لیکن جب سیاسی حالات کی نزاکت حد سے بڑھ گئی تو اس رائے کو ترک کرنا پڑا لہذا اس جیسی رائے کی وجہ سے کسی ایسے شخص پر جرح کرنا صحیح نہیں جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اور وہ حفظ ائقان اور درع تام میں مشہور ہو چکا ہو پھر یہ بھی ہے کہ باوجود اپنی اس رائے کے بھی حسن بن حنفی نے کسی حکومت کے خلاف خروج کا عملی مظاہرہ نہیں کیا باقی یہ اعتراض کہ وہ جمعہ کی نماز نہیں پڑھتے تھے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی رائے میں فاسق کے پیچھے نماز درست نہیں تھی اس کے بعد حافظ نے کہا کہ حسن بن حنفی کی طرف سے یہ عذر پیش ہو سکتا ہے اور اگر صواب اس کے خلاف بھی ہو تو بہر حال وہ امام مجتہد تھے۔ (تہذیب صفحہ ۲/۳۸۸)

آپ نے دیکھا کہ حافظ نے حسن بن حنفی کی طرف سے خروج بالسیف اور ترک نماز جمعہ کے اعتراض کو کس خوبی سے دفع کیا۔ مگر یہی اعتراض دی السیف علی الامۃ کا امام بخاری نے امام اعظم پر کیا تو حافظ نے ان کی طرف سے اس کا دفاع نہیں کیا حالانکہ امام صاحب کی پوزیشن حسن بن حنفی سے زیادہ صاف تھی لیکن حسن موصوف امام صاحب کے مخالفوں میں تھے ان کی ہر طرح نصرت و حمایت اور توثیق و تقویت ضروری سمجھی گئی امام صاحب اور ائمہ احناف کی طرف سے دل صاف نہیں تھا اس لئے وہاں زبان و قلم میں بھی رکاوٹ ہو جاتی ہے۔ واللہ المستعان۔

حافظ کی مذکورہ بالا عمارت میں کئی باتیں بڑے کام کی ہیں امید ہے کہ ناظرین ان کو یاد رکھیں گے ایک ضروری امر یہ بھی قابل ذکر ہے کہ حسن بن حنفی موصوف کو اکابر محدثین نے متشیع بھی کہا ہے جس کی کوئی مدافعت حافظ نے نہیں کی اور آخر میں حافظ نے ذکر بیان یحییٰ الساجی کے حوالے سے محدث کبیر شیخ عبداللہ بن داود الخریزی (حنفی) کے بارے میں بھی خلاف شان بات نقل کر دی حالانکہ ساجی روایت میں غیر معتد اور شیخ المصمیمین تھے۔ (ملاحظہ ہو تانیہ الخطیب صفحہ ۱۸)

حسن بن حنفی کی ولادت ۱۰۰ھ میں اور وفات ۱۶۹ھ میں ہوئی (رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ)

اگر نیت میں اس سے زیادہ کسی چیز کو مانا جائے تو اس کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے اس کے بعد اختلافی صورت صرف ایک فرضی شکل بطور فرض منطقی رہ جاتی ہے کہ ایک شخص اتفاق طور پر بارش میں بھیگ جائے جس سے اعضاء وضو بھی دھل جائیں اس صورت میں بظاہر اس کے دل کا ارادہ بھی وضو کا نہیں ہے آیا ایسی صورت میں وہ نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں تو بہتر یہ ہے کہ ایسی اتفاقی نادر صورت کو حدیث کے عام و وسیع اور واضح و بدیہی مطلب کے تحت داخل نہ کیا جائے بلکہ ایک نظری و اجتہادی مسئلہ سمجھا جائے اور اس کے بارے میں ائمہ مجتہدین کے فیصلے کو ”مخالفت حدیث“ سے مطعون نہ کیا جائے۔

لے یہاں ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے ایک نہایت اہم نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے یہ سب کو تسلیم ہے کہ قرآن وحدیث کی مراد سمجھنے کے لئے اعلیٰ درجہ کی فقہی و اجتہادی صلاحیت کی ضرورت تھی جو خدا کے فضل و کرم سے ہمارے امام اعظم اور دوسرے آپ کے تلامذہ و مستفیدین میں بدرجہ اتم موجود تھی ان کا زمانہ بھی خیر القرون کا تھا ان کے زمانے میں اکثر احادیث ثانیات تھیں کہ صرف ایک صحابی اور ایک تابعی کے واسطے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تھیں اس لئے جھوٹ وغیرہ کا امکان تقریباً نادر تھا اس مبارک دور میں امام الامام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں سینکڑوں کبار محدثین و فقہاء کی موجودگی اور چالیس جلیل القدر ائمہ محدثین و فقہاء کی تقریباً تیس سال کی شبانہ روز بحث و تحقیق کے بعد ساز و سامان ہارہ لاکھ فقہی مسائل کی تدوین عمل میں آئی جو عملی طور سے بھی تمام اسلامی ممالک میں رائج ہوئے اور سلطنت عباسیہ کے طول و عرض میں حکومتی سطح پر بھی نافذ کئے گئے خلیفہ مامون نے جو اس دور کے بلند پایہ محدثین امام مالک وغیرہ کا شاگرد تھا ایک موقع پر جب اس کے سامنے اسحاق بن راہویہ احمد بن زبیر بن عاصم بن شہل وغیرہ نے فقہ حنفی کو احادیث کے خلاف بتلایا تھا تو اس نے خود فقہ حنفی کی طرف سے پوری مدافعت کی اور احادیث روایت کر کے ان لوگوں کو لا جواب کر دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر ہم دیکھتے فقہ حنفی احادیث کے خلاف ہے تو ہم خود ہی اس کو اپنے قلمرو میں نافذ نہ کرتے۔

کہنا یہ ہے کہ قرآن وحدیث سے جو اصول کلیہ مستنبط ہوتے ہیں ان ہی کی روشنی میں فقہ مرتب ہوئی ہے اور جیسا کہ حضرت شاہ صاحب نے ارشاد فرمایا ہے کہ کچھ احکام تو ایسے ہوتے ہیں جو قرآن وحدیث کی عبارت دلالت اشارت و اختصار سے بدیہی طور پر نکل آتے ہیں ان کا تعلق براہ راست علوم نبوت سے ہے دوسرے درجہ پر وہ احکام ہیں جن کا تعلق ائمہ مجتہدین کے وظیفہ اجتہاد سے ہے چنانچہ اعمال کی صحت و بطلان، جواز و کراہت کا فیصلہ اجتہاد سے وابستہ ہے اور جہاں تک نبوت و رسالت کے فیصلوں کی حدود وسیع ہیں وہاں تک مجتہدین کو اپنی رائے و اجتہاد کو دخل دینے کا اصل کوئی حق نہیں اور نہ ان حضرات نے ایسی غلطی کا ارتکاب کیا البتہ تدارک اجتہاد مجتہدین کو پوری طرح نہ سمجھنے کی وجہ سے ان کے خلاف اس قسم کے مخالفات جن راہویہ وغیرہ کی طرح بعد کے محدثین و فقہاء کو بھی پیش آئے اور آج تک بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

محدث شہیر ابو بکر بن ابی شیبہ نے بھی اسی قسم کا اعتراض کیا تھا پھر امام بخاری نے بھی صحیح بخاری اور دوسری تالیفات میں اسی غلط فہمی کے باعث تیز کلامی کی پھر ابن حزم آئے وہ تو اور بھی زیادہ حد سے بڑھ گئے پھر طبقہ اہل حدیث وغیرہ مقلدین نے تو کوئی کسر ہی اٹھا کر نہ رکھی۔ ہمارے زمانہ میں ایک عالم حدیث مرعاۃ شرح مشکوٰۃ شریف لکھ رہے ہیں جس کی دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں ان کا طریقہ نقد ملاحظہ ہو۔ صفحہ ۲۰۲/۲ میں باب الوتر کی ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ حدیث حنفیہ کے لئے بہت مشکل ہے کیونکہ وہ فرض و نفل کی ہر دو رکعت پر بیٹھنا اور تشہد پڑھنا واجب کہتے ہیں اور انہوں نے اس کے جوابات جن وجوہ سے دیئے ہیں وہ مردود و باطل ہیں پھر پانچ وجوہ لکھ کر سب کو بزم خود باطل و مردود قرار دیا پھر لکھا کہ سب وجوہ ”حدیث صحیح“ کی تحریف اس کے مقصد کو باطل ٹھہرانے والی سنت ثابت ظاہرہ کا استہزاء اور اس کو ترک کرنے کے حیلے حوالے ہیں اس سے ان لوگوں کا شدت تعصب اور تقلید غیر معصوم میں غلو ظاہر ہے بلکہ ان کو سنت سے بغض و عناد معلوم ہوتا ہے ہم نے ان معشک خیر تو جہات کو صرف اس لئے عرض کر دیا ہے تاکہ عقل و بصیرت والے عبرت حاصل کریں۔“

یہ تمام تر تہرا اور خصوصیت سے محدثین و فقہاء احناف پر سنت سے بغض رکھنے کا گراں ترین التزام و افتراء آپ نے ایک ایسے عالم محقق کی زبان قلم سے سنا جن کے علم و فضل، متانت و سنجیدگی سے راقم الحروف کو بڑی اچھی تو قعات تھیں اسی لئے مقدمہ حدود کے آخر میں ان کا تعاون بھی اچھے ہی الفاظ سے کرایا تھا جس پر بعض اہل علم نے جو ان سے زیادہ قریب ہیں۔ مجھے اس مدح سرائی پر شکوہ بھی لکھا تھا۔ ”لو استقبلت من امری ما استنجرت“

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مؤلف موصوف نے شرح مذکور بڑی محنت سے ترتیب دی ہے جو ہر طرح قابل قدر ہے اور بیشتر جگہ احناف کا تذکرہ بھی واقع الفاظ میں کیا ہے جس کے ہم شکر گزار ہیں جس طرح ان کی بے جا مصیبت و تیز لسانی کا شکوہ بھی ضرور ہے۔

محترم مؤلف کے تبرائذ کو پر تفصیلی بحث تو ہم اپنے موقع پر کریں گے یہاں مختصر طور پر اتنی گزارش ہے کہ نماز کی ہر دو رکعت پر بیٹھنا اور التقیات پڑھنا اول تو یہ صرف حنفیہ کا مسلک نہیں ہے بلکہ حنابلہ بھی ان دونوں کو واجب کہتے ہیں ملاحظہ ہو (کتاب الفقہ علی المذہب المالکی بطبع مصر! صفحہ ۱۶۹) بلکہ تشہد اول حنفیہ کے یہاں ایک روایت میں سنت بھی نقل ہوا ہے (فتح الملہم صفحہ ۱۰۰) شوافع قعدہ اولی و تشہد اول کو سنت اور اخیرین کو فرض کہتے ہیں۔

غرض اول تو جو کچھ تبرائذ مؤلف نے حنفیہ پر کیا ہے وہ حنابلہ پر بھی عائد ہو جاتا ہے دوسرے یہ کہ حنفیہ قعدہ اولی و تشہد اول کا اس لیے واجب کا (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

۵۔ اگر حدیث کو صرف عبادات کے ساتھ خاص سمجھا جائے جیسا کہ طرفین کے کلام و نزاع سے معلوم ہوتا ہے اور اس کو صرف ثواب سے متعلق کریں جیسا کہ ہمارے فقہاء حنفیہ نے کہا تو اس کو ہم مانتے ہیں کہ وضوء بغیر نیت کے عبادت کے درجہ میں نہ آئے گا مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایسا وضوء بھی صحت نماز کے لیے کافی ہے کیونکہ اس کا پاک کرنے کا وصف ظاہری وحسی طور سے موجود نہ تھا بلکہ انکار ہے اور ایسے

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) کو جودیتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی روایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب تم ہر دو رکعت پڑھو تو اتھکات پڑھو (یہ روایت نسائی میں اور مسند احمد میں بھی ہے جس کے تمام رجال سند ثقہ ہیں) (دیکھو نیل الاوطار ص ۱۶۵ اعلام السنن ص ۱۲۸) نیز صحیح مسلم باب صفۃ الصلوۃ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مفصل حدیث مروی ہے جس میں انہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز مبارک کی پوری تفصیل بیان کی ہے اس میں یہ بتلایا ہے کہ حضور فرمایا کرتے تھے کہ ہر دو رکعت پڑھیے (یعنی تشہد) ایک حدیث حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسند احمد میں اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تشہد سکھایا اور میان نماز کے بھی اور آخر میں بھی (مجمع الزوائد ص ۴۲۲) میں نے وہاں یہ بھی کہا ہے کہ اس حدیث کے تمام رجال ثقہ ہیں بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ جب تم میں سے کوئی تشہد اخیر سے فارغ ہو تو عذاب جہنم سے بچنا اگلے رکع (نصب الراية ص ۱۴۲/۱) صحیح بخاری باب ستہ ص ۱۱۲ میں ابی حنیدہ ساعدی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت صلوۃ کا پورا ذکر ہوا ہے جس میں دو رکعت کا بیٹھنا ذکر موجود ہے کہ اس حدیث کو طوائف مسلم کے کتب بھی صحاح والوں نے روایت کیا ہے۔

غرض حنفیہ کے سامنے بیسیوں احادیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت صلوۃ کی موجود ہیں جن کی وجہ سے انہوں نے اور حنابلہ نے بھی فیصلہ کیا کہ ہر رکعت پر جلوس و تشہد ہونا چاہئے وہی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو مسلم میں مروی ہے اور غلطی سے حافظ ابن حجر و صاحب مشکوٰۃ نے اس کو بخاری کی طرف بھی منسوب کر دیا ہے حالانکہ انہوں نے اس حدیث کو روایت نہیں کیا بلکہ علماء نے یہاں تک کہا ہے کہ امام بخاری چونکہ فصل کے قائل ہیں۔ اس لیے اس کو روایت نہیں کیا۔ کیونکہ ان کی عادت ہے جس جانب کو اختیار کرتے ہیں صرف اسی کے موافق احادیث کی روایت کرتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس حدیث مسلم کو علامہ ابن عبدالبر نے معطل قرار دیا ہے جس کی تفصیل زرقاتی نے شرح المواعظ میں ذکر کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ احادیث فصل اثبت اور اکثر طرق سے مروی ہیں (فتح الملک ص ۲۹۰/۲) نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رات کی نماز کے بارے میں یہ بھی مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھ رکعت پڑھتے تھے اور ہر دو رکعت پر سلام پھیرتے تھے پھر بیٹھ کر تسبیح ذکر کرتے تھے اس کے بعد پھر دو رکعت پڑھتے تھے (کنز العمال ص ۱۰۸/۳) اس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ نے جو آخر کی پانچ رکعات کا اقرار کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان میں صرف آخر میں بیٹھتے تھے وہاں یہی مراد ہوگا کہ تہجد کے فوافل دو دو رکعت کے درمیان میں جس طرح بیٹھ کر تسبیح کرتے تھے وہ صورت و تروی کی نماز میں نہ ہوتی تھی (فتح الملک ص ۲۹۱/۲)

آپ نے دیکھا کہ حنفیہ کے جس مسلک پر مؤلف مرعۃ اتعین بکڑے وہ پوری طرح احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مؤید ہے اور انہوں نے خلاف سنت کوئی دوسرا طریقہ ہرگز اختیار نہیں کیا ہے ہر دو رکعت پر بیٹھنا اور تشہد پڑھنا بہت سی احادیث قطعیہ سے ثابت اور ائمہ اربعہ کے یہاں معمول بہا ہے شافعیہ کے یہاں چونکہ وجوب کا درجہ نہیں ہے اور صرف فرض و سنت دو ہی درجات ہیں اس لیے انہوں نے ان دونوں کو درجہ سنت دیا یا لکھ کے یہاں بھی تقریباً یہی صورت ہے حنابلہ کا مذہب حنفیہ کے مطابق ہے اور حنابلہ کا عمل بالحدیث غیر مقلدین کے یہاں بھی مسلم ہے

الفتح الربانی فی ترتیب مسند الامام احمد کے محشی نے ص ۱۰۹ پر لکھا کہ جمہور محدثین کے نزدیک ہر دو تشہد واجب ہیں اور امام احمد اول کو واجب اور دوسرے کو فرض کہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ و مالک رحمہما اللہ تعالیٰ اور جمہور فقہاء دونوں کو سنت کہتے ہیں اب جمہور محدثین کے بارے میں مؤلف مرعۃ اتعین کیا فرمائیں گے؟ تشہد اول اور قعود اول کو واجب کہنے والے تو تاریکین سنت بلکہ مفسدین سنت تھے شیخ احمد عبدالرحمان البنا کی تحقیق نے تو سارا الزام حنفیہ سے اٹھا کر جمہور محدثین پر رکھ دیا۔

غالباً محدث مبارکپوری کے مطالعہ میں امام احمد یا حنابلہ و جمہور محدثین کا مسلک پوری طرح نہیں آیا اور صرف حنفیہ سامنے آ گئے جن پر تہرا کا ثواب حاصل کرنے میں عجلت سے کام لینا پڑا اور نہ جمہور محدثین یا حنابلہ سے صرف نظری جرات وہ بھی نہ کر سکتے تھے غرض ایسے مسئلہ میں حنفیہ پر نہ صرف اعتراض کرنا بلکہ ایک عالم کی شان سے اتر کر سخت ترین الفاظ استعمال کرنا پھر جس حدیث مسلم کی توجیہات پر انہوں نے حنفیہ کو تاریکین سنت اور سنت رسول سے بغض رکھنے والے بھی کہہ دیا اس کو امام بخاری نے معطل سمجھ کر یا اور کسی وجہ سے روایت نہ کیا علامہ ابن عبدالبر نے اس کو معطل قرار دیا دوسری بہت سی احادیث صحیحہ کی وجہ سے اس کی توجیہ ضروری ٹھہری پھر آثار صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کی روشنی میں بھی اس پر عمل دشوار کیونکہ حضرت مسور بن عفرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو رات کے وقت دفن کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ابھی تک وہ نہیں پڑھے وہ وتر پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے ہم نے ان کے پیچھے صف باندھ لی انہوں نے وتر کی تین رکعات پڑھائیں اور صرف آخری رکعت پر سلام پھیرا اس کی سند صحیح ہے (معانی الآثار ص ۱۷۴)

حضرت ابو الزناد سے نقل ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فقہاء کے فیصلہ سے مدینہ طیبہ میں نماز وتر کی تین رکعات مقرر کر دی تھیں جن کے صرف آخر میں سلام پھیرا جاتا تھا۔ (معانی الآثار ص ۱۷۵) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وضوء پر اجر و ثواب بھی ملے گا جیسا کہ پہلے شیخ الاسلام زکریا انصاری کی تحقیق گذر چکی کہ طاعات و قربات میں نیت ضروری نہیں حالانکہ اجر و ثواب ان پر بھی حاصل ہوتا ہے بلکہ ثواب کے اعتبار سے وہ بھی عبادات کہلانے کی مستحق ہیں اس کے بعد اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ صحت نماز کے لیے وضو کا بدرجہ عبادت ہونا ضروری ہے تو اس کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) مستدرک میں یہ بھی ہے کہ یہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا وتر ہے جس کو اہل مدینہ نے معمول بنایا جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے وتر کی تین رکعات دو سلام سے مروی ہیں اس پر حضرت حسن بصری نے فرمایا کہ ان کے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے زیادہ اعلم تھے (اس سے زیادہ تحقیق العرف اللغوی صفحہ ۳۱۲ میں ہے)

آپ نے دیکھا کہ وتر تین رکعات ایک سلام سے جو حنفیہ کا مسلک و معمول ہے وہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا اسی کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مدینہ طیبہ میں رائج کیا اور وہی حضرت ابن مسعود ابی بن کعب ابن عباس انس ابوامامہ اور فقہاء سبغہ نیز حضرت سفیان ثوری اور دوسرے اہل کوفہ کا بھی مذہب ہے محدث جلیل ابن ابی شیبہ نے تو حضرت حسن سے یہ بھی نقل کیا کہ تمام مسلمانوں نے اس پر اجماع کیا ہے کہ وتر تین رکعات ایک سلام سے ہیں (او جز المسائل ص ۱۴۳/۱) پھر پانچ رکعت والی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ترک یا سنت سے بغض رکھنے کا الزام کس کس کو دیا جائے گا؟ اور ان سب اکابر امت نے کس غیر معصوم کی تقلید میں ایسا غلط راستہ اختیار کیا تھا؟ اپنا تو یہ حال ہے کہ ایک معمولی مسلمان کے متعلق بھی ایسے سخت الفاظ کہنے سے دل ڈرتا ہے مگر علماء اہل حدیث کی جرأت و ہمت کی داد دیجئے کہ وہ اکابر ائمہ محدثین و فقہاء کے متعلق بھی بے جھجک زبان لعن و طعن دراز کر دیتے ہیں بعض حضرات کا خیال ہے کہ جس طرح شیعی فرقہ کے لوگ یزید وغیرہ پر لعن و طعن کرنے کی مشق کرنے کے بعد سب صحابہ و ائمہ تک ترقی کر گئے کچھ اسی طرح غیر مقلدین کی حقیقی عصیت نے بھی ترقی کے مدارج طے کئے ہیں۔

مؤلف سرعۃ شرح مشکوٰۃ کی گراں قدر حدیثی خدمت کی ہم دل سے قدر کرتے ہیں اس لیے ہماری دلی تمنا ہے کہ مطبوعہ دو ضخیم جلدوں میں جو اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ یا خلاف شان اہل علم و تحقیق باتیں درج ہو گئی ہیں ان کے بارے میں وہ معذرت کر دیں اور آئندہ جلدوں میں وہ احتیاط کریں۔

واللہ الموفق۔ یہاں تکمیل فائدہ کے لیے اتنا اور لکھنا مناسب ہے کہ علماء اہل حدیث جو اس قدر بڑھ چڑھ کر ائمہ متبوعین اور ان کی فقہ پر بے جا نقد کی جسارت کرتے ہیں یہ ان کے لیے کسی طرح مفید نہیں بلکہ مضر ہوگی اس وقت اگر وہ حکومت سعودیہ نجدیہ کے غرہ میں اور دوسرے اسباب و وسائل سے غلط فائدہ اٹھ کر حدود سے تجاوز کریں گے تو اس کے نتائج بہتر نہیں ہو سکتے۔

جو حضرات ان سے پہلے محض تعصب سے جتنا لکھ گئے ہیں اس کی بھی اہل علم میں کوئی وقعت نہیں ہے ان لوگوں کا تو علم و فضل حافظ الدین ابن حجر عسقلانی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے انہوں نے بھی جہاں محض تعصب سے کام لیا وہ درجہ تحقیق سے گر گیا یا دیا کہ ہمارے حضرت شاہ صاحب نے درس بخاری شریف میں بحث وتر میں حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ذکر فرمایا جس کو مسلم میں روایت کیا ہے اور اس میں تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تہجد کے بعد وتر کی تین رکعات پڑھیں اس حدیث کو حافظ نے فتح الباری صفحہ ۲۳۱/۲ میں ذکر کر کے لکھا کہ اس حدیث کی اسناد میں حصین بن عبدالرحمان ہیں اور ان میں کلام کیا گیا ہے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہ حصین بخاری کے بھی رواۃ میں سے ہیں۔۔۔۔۔ بخاری باب السواک یوم الجمعہ میں ان سے روایت ذکر ہوئی ہے اور وہاں حافظ نے ان پر کچھ کلام نہیں کیا دوسرے یہ کہ اس حدیث کو روایت کرنے والے حصین کے سوا اور بہت سے ہیں حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے اپنے رسالہ وتر میں اس کے چھ متابع ذکر کئے ہیں اس لیے حافظ ابن حجر کا اس حدیث مسلم کو راوی مذکور کے باعث یہ سمجھ کر یاد رکھا کہ وہ متفرد ہیں مروج قرار دینا درست نہیں۔

اس کے بعد بطور مزاح کے یہ بھی فرمایا کہ اگر حافظ ابن حجر کا خشاء ایسا ہے کہ وہ اور ان کے ہم مسلک جنت میں جائیں اور حنفیہ نہ جاسکیں تو ایسا نہیں ہو سکتا البتہ وہ اور ہم ساتھ جائیں تو ٹھیک ہے غرض تعصب و تنگ نظری کی بات تو حافظ جیسے جلیل القدر محدث کی بھی نہیں چل سکی مبارک پوری صاحب اور ان کے ہم مسلک علماء کی کیا چل سکتی ہے ہاں اس سے برائے چندے دنیا کی سرخروی عزت و دولت ضرور مل سکتی ہیں جو آخرت کی ابدی عزت و دولت کے مقابلے میں پرکاش کے برابر بھی نہیں ہیں دوسرے یہ باتیں منصب خدمت علم حدیث کے بھی سراسر مٹانی ہیں اللہم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ

یہاں یہ تمام تفصیل صرف اس لیے ذکر کی گئی کہ علماء اہل حدیث کے طرز تحقیق اور محدثین و فقہاء حنفیہ کے ساتھ ان کے متعصبانہ و غیر منصفانہ رویے سے ناظرین کرام مطلع رہیں۔ غرض فقہ حنفی کو ابتداء میں کچھ لوگوں نے مدارک اجتہاد امام اعظم وغیرہ تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے خلاف سنت سمجھا کچھ حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ سنت پر قیاس کو ترجیح دی گئی ہے کچھ لوگ حسد و رشک کا شکار ہو کر مخالفت کر گئے اس کے بعد کچھ لوگوں پر محض تعصب کا رنگ غالب آ گیا جن کی باقیات صالحات آج بھی موجود ہیں۔

عن المعبود تحفۃ الاحوذی اور مرعۃ میں بہت سی جگہ بے جا تشدد و تلخیس 'مغالطہ آمیزی اور نا انصافی سے کام لیا گیا ہے جن کی نشاندہی و جوابدہی انوار الباری میں اپنے مواقع میں ہوتی رہے گی۔

۶۔ اس امر پر بھی تنبیہ ضروری ہے کہ حصول ثواب کے لیے نیت مرتبہ علم میں ہمارے نزدیک کافی ہے جس میں ذہول وعدم شعور وقتی خارج نہیں اور عرفی نیت بھی اسی قدر ہے باقی منطقیوں کا علم العلم کا درجہ جس میں شعور واستحضار نیت بھی ہر وقت ضروری ہے حصول ثواب کے واسطے غیر ضروری ہے دوسرے لوگ غالباً نیت کو مرتبہ علم العلم میں ضروری سمجھتے ہیں۔

مذکورہ بالا وجوہ کا ذکر یہاں اس لیے کر دیا گیا ہے کہ ائمہ حنفیہ کے مدارک اجتہاد و فہم معانی حدیث کا کچھ نمونہ سامنے آجائے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ اس قسم کے اجتہادی مسائل میں مختارات حنفیہ پر طعن کرنا موزوں نہیں۔

پس حدیث مذکور تمام اقسام و انواع اعمال کو شامل ہے اس میں نیت وعدم نیت سے تعرض نہیں ہے بلکہ اچھی نیت کے ساتھ اعمال حسنہ کرنے والوں کی مدح اور بری نیت والوں کو تنبیہ مقصود ہے تاکہ وہ اپنے تمام نیک اعمال خالص لوجہ اللہ کریں۔ اور ان کو غلط و فاسد ارادوں سے محفوظ رکھیں۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) یعنی بہت سے لوگ صحیح بات میں عیب نکالنے والے ہیں گئے حالانکہ سارا عیب خود ان کی کمی عقل و فہم کا ہے

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے اس زریں اصول کی طرف اشارہ فرمایا کہ وظیفہ نبوت کلیات و اصول مہمہ اور عمومی ہدایات میں جزئیات و فروعی مسائل کا استنباط و استخراج وظیفہ مجتہد ہے اس لیے کسی کامل الاجتہاد یعنی مجتہد مطلق کے متعلق ایسی کبھی بات کہتا کہ اس نے سنت صحیح ثابت کی مخالفت یا اس کے صحیح جانشینوں نے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھا بڑی بے محل بات ہے جو اہل علم و اصحاب انصاف کی شان سے بہت بعید ہے درحقیقت تمام مجتہدین علوم نبوت کے صحیح خادم تھے پھر امام اعظمؒ کا درجہ تو تمام مجتہدین میں سے بہت بلند ہے اور ان کی فقہ ہر فرقہ پر فائق ہے ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے تیس سال کے شبانہ روز درس و مطالعہ حدیث و تفسیر وغیرہ کے بعد فیصلہ فرمایا تھا کہ بجز ایک دو مسئلوں کے ہم نے تمام فقہ حنفی کو قرآن و حدیث سے مؤید پایا ہے امید ہے کہ انوار الباری کی اشاعت سے یہ حجت تمام ہو جائے گی و ما ذلک علی العزیز۔ ائمہ مجتہدین کے کمال علم و فضل بے نظیر و روح و تقویٰ اور خلوص و لہیت کے پیش نظر ہرگز یہ امر باور نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے اپنے محد و منصب اجتہاد سے آگے بڑھ کر محد و منصب نبوت میں کوئی قدم رکھا ہو جن حضرات نے بھی اس قسم کا سوء ظن ائمہ مجتہدین کے بارے میں کیا ہے وہ ان کی کھلی غلطی ہے جس کی وجہ سے بڑے بڑے فتنوں کے دروازے کھلے ہیں اور ایک جماعت کو ان لوگوں کے اقوال و آراء کی آڑ میں نئی نئی فتنہ سامانیوں کے لیے مواد ملتا رہتا ہے۔ واللہ المستعان۔

امام وکیع (تلمیذ امام اعظم و شیخ اصحاب صحاح ستہ) سے کسی نے کہا تھا کہ امام صاحب نے خطا کی تو آپ نے برجستہ اس کو جواب دیا تھا کہ امام ابوحنیفہ کیسے خطا کر سکتے ہیں؟ حالانکہ ان کے ساتھ امام ابو یوسف و زفر جیسے علم قیاس و استنباط کے ماہر و فاضل تھے ابن ابی زائدہ حفص بن غیاث حبان و منہل جیسے حفاظ حدیث قاسم بن معن جیسے لغت و عربیت کے حاذق اور داؤد و طائی فضیل بن عیاض جیسے زہد و روح کے امام ہیں کیونکہ امام صاحب اگر کہیں خطا بھی کرتے تو یہ لوگ ان کو صواب کی طرف لوٹا دیتے (انتقاء علانہ ابن عبد البر و تاریخ خطیب بغدادی)

یہ بھی امام وکیع نے فرمایا تھا کہ لوگوں نے مغالطہ آمیزیاں کر کے ہمیں امام ابوحنیفہ سے چھڑانا چاہا تھا حتیٰ کہ وہ دنیا سے رخصت ہوئے اب تم اسی طرح ہمیں امام زفر سے چھڑانے کی سعی کرتے ہو تاکہ ہم ابن اسید اور ان کے اصحاب کے محتاج ہو جائیں (صفحہ ۳۱۳ / مقدمہ انوار الباری)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجت اللہ میں اعتراف کیا کہ امام صاحب قوانین کلیہ سے جزئیات کا حکم دریافت کرنے کا غیر معمولی ملکہ رکھتے تھے فن تخریج مسائل کی باریکیوں پر اپنی دقیقہ رسی سے پوری طرح حاوی ہو جاتے تھے فروغ کی تخریج پر کامل طور پر توجہ فرماتے تھے حضرت ابراہیم نخعی اور امام صاحب کے اقوال و مسائل کو اگر مصنف ابن ابی شیبہ مصنف عبد الرزاق اور کتاب الآثار امام محمد کی مرویات سے موازنہ کر کے دیکھو گے تو چند مسائل کے سوا سب میں اتفاق و اتحاد پاؤ گے۔ (حجت اللہ صفحہ ۱۵۱)

امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کی حالات میں ہم نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ امام صاحب کے زمانہ کے بڑے بڑے محدثین و فقہاء نے اعتراف کیا تھا کہ امام صاحب تاریخ و منسوخ احادیث و آثار کے بہت بڑے عالم تھے۔

پھر بھی خود امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی غایت احتیاط تھی کہ یہ بھی فرمائیے جب بھی کوئی حدیث صحیح میرے قول و فیصلہ کے خلاف مل جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ مذکورہ بالا احوال و ظروف میں حنفیہ کے لیے یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ کسی صحیح حدیث غیر منسوخ پر عمل نہ کریں یا اس پر عمل نہ کرنے کے لیے حیلے حوالے تلاش کریں البتہ جو زریں اصول حدیث انبساط احکام کے سلسلے میں ائمہ حنفیہ نے اپنے پیش نظر رکھے ہیں ان سے پوری واقفیت ہونی ضروری ہے ورنہ ہر الزام و الہام کی گنجائش نکالی جاسکتی ہے ان میں ۱۱۶ ہم اصول علامہ کوثری نے تانیب کے صفحہ ۱۵۲ تا صفحہ ۱۵۴ میں ذکر کر دیے ہیں ان سے واقفیت علماء حنفیہ خصوصاً اساتذہ حدیث کو ضرور ہونی چاہیے تاکہ وہ مخالفوں کی مغالطہ آمیزیوں کا جواب دے سکیں جس طرح ان کے لیے کتب علم رجال کا پورا مطالعہ اور اس فن کے تمام نشیب و فراز پر متیقانہ نظر رکھنا ضروری ہے اور اس سلسلہ میں تانیب الخطیب جو اہر مہنیہ فوائد یہ مقدمہ نصب الراية ذیل تذکرۃ الحفاظ و مع تحلیقات الکوثری کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔ واللہ الموفق والمیسر



حدیث کا دوسرا جملہ و لکل امری ما لوی ہے اس سے مراد غایت و ثمرہ عمل ہے یا بعینہ وہی عمل، حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے دوسری شق کی طرف ہے کیونکہ ہر شخص آخرت میں اپنے عمل کو بعینہ موجود پائے گا۔ قرآن مجید میں ہے ووجلوا اما عملوا (کہ سب لوگ آخرت میں اپنے کئے ہوئے اعمال کو حاضر و موجود پائیں گے) گو جزاء عین عمل ہوگی پس آگے حدیث کے جملے میں شرط و جزا کے متحد ہونے کا اعتراض بھی ختم ہو جاتا ہے اور تقدیر کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہی دنیا کے نیک اعمال، آخرت میں نعمتوں و راحتوں کی صورت اختیار کر لیں گے جس طرح برے اعمال تکالیف و عذاب کی شکل میں ہو جائیں گے اس سے زیادہ تفصیل مسئلہ قدر میں آئے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ثواب اعمال کے سلسلہ میں یہ امر بھی لائق ذکر و یادداشت ہے کہ امام غزالیؒ نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر کسی کام میں غرض دنیوی کی نیت غالب ہے تو اس میں کوئی ثواب نہیں ملے گا اور اگر غرض دینی غالب ہے تو بقدر اس کے ہی ثواب ملے گا، اگر دونوں برابر ہیں تب بھی اجر نہیں ملے گا، اگر کسی عبادت کی ابتداء میں نیت خالص تھی پھر نیت میں اخلاص کے خلاف کوئی چیز آگئی تو ابو جعفر بن جریر طبری نے جمہور سلف سے نقل کیا کہ اعتبار ابتداء کا ہے اور بعد کو جو فساد نیت طاری ہوا خدا کے فضل و احسان سے امید ہے کہ اس کو بخش دے اور اس کا عمل خیرا کار ت نہ ہو لہذا ہر نیک عمل کرنے والے کو چاہئے کہ خشوع و خضوع لوجہ اللہ کے ساتھ ابتداء میں بھی نیت کی فصیح کا پورا اہتمام کرے پھر اس پر استقامت کی بھی پوری سعی کرے اور خدا کی توفیق و نصرت کی ضرورت سے ہرگز غافل نہ ہو انسان نہایت ضعیف و کمزور پیدا کیا گیا ہے اس کے لیے یہ بات لائق صد ہزار شکر ہے کہ کسی نیک عمل کی توفیق حسن نیت و اخلاص تام کے ساتھ اس کو حاصل ہو جائے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس عالم میں اجسام ظاہر ہیں اور دلوں کے ارادے مستور ہیں، محشر میں صورت برعکس ہو جائے گی اور تمام لوگ نیتوں کو اجساد کی طرح بر ملا دیکھیں گے، پس محشر کل ظہور نیات ہوگا، اسی لیے اگر کسی ایک عالم میں ایک ہزار نیتیں ہوں گی تو قیامت کے دن وہ عمل ایک ہزار اعمال کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ واللہ علیٰ کل شیء قلیو۔

۲۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک عن هشام بن عروة عن ابیہ عن عائشة ام المومنین رضی اللہ عنہا ان الحارث بن هشام سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا رسول اللہ! کیف یاتیک الوحی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: - احيانا یاتینی مثل صلصلة الجرس وهو اشدہ علی فیقصم عنی وقد رعیت عنه ما قال، و احيانا یتمثل لی الملك رجلا فیکلمنی فاعی ما یقول، قالت عائشة رضی اللہ عنہا ولقد رایته ینزل علیہ الوحی فی الیوم الشدید البرد فیقصم عنه وان حبیبہ لیتفصد عرقا۔

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حارث بن هشام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے پاس وحی کس طرح آتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ کبھی تو وہ میرے پاس گھنٹی کی آواز کی طرح آتی ہے جو مجھ پر سب سے زیادہ بھاری ہوتی ہے اس کے آثار ختم ہونے تک میں وحی الہی کو پوری طرح محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی فرشتہ انسانی شکل میں میرے سامنے ہوتا ہے پھر جو کلمات میں اس سے سنتا ہوں ان کو محفوظ کر لیتا ہوں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ میں نے سخت سردی کے دنوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے کے وقت دیکھا کہ ختم وحی پر بھی آپ کی اطراف پیشانی مبارک سے پسینا اس طرح بہتا تھا جیسے فصد لگا کر گیس کھول دی گئی ہوں۔

تشریح:- انبیاء علیہم السلام پر وحی کا نزول بہت سے طریقوں پر ہوتا ہے ان کے خواب بھی وحی ہیں الہامات بھی وحی ہیں خدا کا فرشتہ جو کچھ نبی کے دل میں ڈالتا ہے وہ بھی وحی ہیں، کبھی فرشتہ اپنی اصل صورت میں پیغمبر کے پاس آتا ہے اور خدا کی طرف سے کلام کرتا ہے، وہ بھی وحی۔ ہے کبھی حق تعالیٰ حافظ حدیث، ترجمہ، ثقہ متفق علیہ، امام مالک، امام لیث بن سعد اور شیخ عیسیٰ بن یونس کوئی (ظاہرہ حدیث امام اعظمؒ) وغیرہ کے تلمیذ حدیث ہیں، امام بخاری، ترمذی، ابوداؤد، نسائی وغیرہ نے آپ سے روایت کی۔ ۲۸۸ھ میں وفات ہوئی رحمہ اللہ تعالیٰ (تہذیب و تذکرۃ الحفاظ)

جل ذکرہ، بلا واسطہ بھی نبی سے بات کرتے ہیں وہ بھی وحی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر، اور حضور اکرم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں کلام فرمایا وغیرہ، اس لیے یہاں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف دو طریقے نزول وحی کے بیان فرمائے اس سے چونکہ مقصود حصر نہیں ہے بلکہ آپ کے پاس جو خدا کی وحی سینکڑوں مرتبہ آئی ہے ان میں سے بکثرت نزول وحی کے بھی دو طریقے تھے، ان کو ہی بیان فرمایا۔

## گھنٹی کی آواز کی طرح

مقصد یہ ہے کہ جس طرح گھنٹی کی آواز مسلسل بلا انقطاع سنی جاتی ہے اور ہمارے کلام کی طرح اس میں الفاظ و کلمات کے جوڑ توڑ ابتدا و انتہا نہیں ہوتے اسی طرح اس قسم کی وحی بھی اترتی ہے خواہ اس کو فرشتہ کی آواز وحی کہیں یا اس کے پروں کی آواز (اس کو حافظ ابن حجر نے اختیار کیا ہے، یا حق تعالیٰ جل شانہ کی صورت بلا تشبیہ۔) (اس آخری صورت کو ہمارے حضرت شاہ صاحب ترجیح دیتے تھے)

اگر اس صورت وحی کو فرشتہ کی آواز وحی قرار دیں گے تو حضرت شاہ صاحب نے اس کو فقرات ٹیلیگرام سے تشبیہ دی ہے، یعنی جس طرح ٹیلی گرام کی کٹ کٹ کی مسلسل آواز سے اس کا جاننے والا مطلب سمجھ لیتا ہے، اسی طرح فرشتہ جو پیغام خدا کی طرف سے اس کے نبی کو پہنچا رہا ہے وہ اس کو سمجھ کر محفوظ کر لیتا ہے اور فرشتہ ایسی صورت میں اس نبی کو نظر نہیں آتا ورنہ وہ صورت متعارف کلام کی ہو جائے گی۔ (مشکلات القرآن صفحہ ۲۳۳)

بحث و نظر: ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے اس موقع پر جو کچھ تحقیق فرمائی ہے وہ چونکہ نہایت اہم ہے اس لیے ہم مختلف یادداشتوں سے جمع کر کے یہاں ذکر کرتے ہیں:۔ آیت قرآنی وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا و من وراء حجاب او یوسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء، انہ علی حکیم (شوری) کی تفسیر میں فرمایا کہ وحی و کلام خداوندی کی تین صورتیں ہیں اول یہ کہ نبی و موحی الیہ کے باطن کو مسخر کر کے عالم قدس کی جانب متوجہ کر دیا جائے۔ پھر اس میں خدا کا کلام وحی ڈالی جائے اس صورت میں نبی کے جو اس ظاہری کو اس کلام کے سننے میں کچھ دخل نہیں ہوتا اور نہ اس میں فرشتہ کا توسط ہوتا ہے اسی لیے اس کو لفظ وحی سے تعبیر فرمایا۔ جس کے معنی خفی اشارہ کے ہیں اس صورت میں انبیاء علیہم السلام کے الہامات و منامات وغیرہ داخل ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کسی بندے سے پس پردہ کلام فرمائیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں کلام فرمایا۔

لے رہی یہ بحث کہ شب معراج میں کلام کے ساتھ دیدار خداوندی سے بھی مشرف ہوئے یا نہیں؟ حضرت شاہ صاحب کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت میں کلام پس پردہ کی قید سے تو یہی مفہوم ہوتا ہے کہ کلام کے وقت دیدار بوجہ حجاب نہیں ہو سکتا، مگر حدیث صحیح مسلم کی روشنی میں کہ دیدار خداوندی حجاب نورانی کے ساتھ ہو سکتا ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ کلام و دیدار کا اجتماع ایک وقت بھی ممکن ہے۔ امام احمد نے بھی فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دیدار خداوندی سے مشرف ہوئے یہ دیکھنا ایسا تھا کہ جیسے ایک محبت اپنے عظیم القدر محبوب کو اور غلام اپنے جلیل المرتبت آقا کو دیکھتا ہے کہ رعب جمال و جلال کے باعث نہ پوری طرح نظر بھر کر اس کی طرف دیکھ ہی سکتا ہے اور نہ ایسے قیمتی لحظات میں اس کے جمال جہاں آرا کی طرف سے صرف نظریں کر سکتا ہے۔

چوری بکھڑے دلبر پسا جان مضر کہ مبادا بار دیگر نہ رہی بدیں تنہا

دوسری طرف یہ حال ہے۔

فقد البینظر کیف لاح فلم یطق نظر الہ وردہ اشجانہ

(محبوب کا جمال جہاں آراء سامنے آیا تو بے ساختہ اس طرف نظر اٹھی مگر عاشق کے ہجران نصیب غمزہ دل میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اس کی طرف نظر بھر کر دیکھ سکتا، اسی لیے وہ کسی کو کچھ نہیں بتا سکتا کہ محبوب کو کیسے اور کس حالت میں دیکھا۔)

اطرقت من اجلالہ

اشفاقہ فاذا ہذا

عاشق کہتا ہے کہ میں محبوب کے دیدار کا بے حد مشتاق رہتا ہوں مگر کیا کروں جب وہ سامنے آتا ہے تو اس کے رعب جلال و جمال (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تیسری صورت یہ ہے کہ کلام خداوندی یا وحی، توسط ملک آئے، پھر اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ خدا کا فرشتہ باطن نبی کو مسخر کرے، دوسرے یہ کہ وہ فرشتہ صورت بشر میں ظاہر ہو کر کلام کرے۔

اس تفسیر کے بعد حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ حدیث مذکور میں وراء حجاب والی صورت اور وحی خفی کے علاوہ توسط ملک والی دو کثیر الوقوع صورتوں کا ذکر ہے اور چونکہ حق تعالیٰ کے لیے صوت ثابت ہے جیسا کہ امام بخاریؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (ملاحظہ ہو بخاری کا باب خلق افعال العباد) اور میں بھی اسی کو حق سمجھتا ہوں، قید یہ ہے کہ صوت باری۔ اصوات مخلوق سے مشابہ نہیں ہے دوسری بات میرے نزدیک یہ ہے کہ صلیب الجرس جیسی صوت وہ صوت باری تعالیٰ ہی ہے، کیونکہ اس کا ثبوت تین جگہ ملتا ہے (۱) حضرت ربوبیت سے صدور کے وقت، تلقی (۲) ملک کے وقت اور (۳) جس وقت اس کو نبی تک پہنچاتا ہے پس اس وحی کا مبداء عرش الہی کے اوپر سے ہے اور منتہی نبی کریم تک ہے۔ اسی لیے طہرائی کی حدیث میں ہے کہ جب وحی اترتی ہے تو اس سے تمام آسمانوں کے رہنے والوں پر خوف و خشیت الہی سے کچکی طاری ہو جاتی ہے اور وہ سب سجدہ میں گر جاتے ہیں پھر سب سے پہلے حضرت جبرئیل علیہ السلام سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں اور حق تعالیٰ ان سے کلام فرماتے ہیں اس حدیث کی تخریج حافظ ابن حجر نے بھی باب قول اللہ عزوجل "وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ" میں کی ہے۔

پھر یہ بات کہ یہ صورت باری تعالیٰ جس طرح اہل سموات کو پہنچتی ہے اسی طرح بعینہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جاتی ہے یا درمیان میں فرشتہ اس کو لے کر محفوظ کر لیتا ہے اور نبی تک پہنچاتا ہے جس طرح آج کل آوازوں کو فونو گراف میں محفوظ کر لیا جاتا ہے چونکہ ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں ملی۔ اور حدیث میں بھی اس کی طرف تعرض نہیں کیا گیا اس لیے میں بھی کچھ نہیں کہہ سکتا تاہم یہ امر طے شدہ ہے کہ وہ ایک ہی چیز ہے جو وہاں سے چل کر یہاں تک پہنچتی ہے اس صورت میں چونکہ فرشتہ کا نزول قلب نبی پر ہوتا ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) سے مجبور ہو کر اپنی نظریں نیچی کر لیتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ جب عشق مجازی میں یہ کیفیت ہوتی ہے تو عشق حقیقی کا مرتبہ تو اس سے کہیں بلند و برتر ہے یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ کے دیدار کی دنیا میں بحالت بیداری بہت کم نوبت آتی ہے بلکہ سرور کائنات اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سوا دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لیے بھی کوئی نقل نہیں ملتی البتہ منامی دیدار کے کچھ واقعات دوسروں کے لیے بھی ملتے ہیں۔ مثلاً حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہوا ہے کہ آپ حق تعالیٰ کے دیدار پر انوار سے اپنی زندگی میں ایک سو بار مشرف ہوئے۔ واللہ اعلم وعلیہ السلام واحکم۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے اس موقع پر درس بخاری شریف میں یہ بھی فرمایا کہ شاید ایسا ہوا ہو کہ سرور کائنات علیہ الف الف تسلیمات و تحیات ابتداء میں "وحی نبوت" سے مشرف ہوتے رہے اور آخر میں "عیانی روایت" سے بہر اندوز ہوئے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام پہلے کلام کلام سے مشرف ہوئے اس کے بعد رؤیت سے پھر یہ خدا کے علم میں ہے کہ آپ پر فحشی رؤیت سے قبل طاری ہوئی یا رؤیت کے بعد اسی لیے سورہ نجم میں سرور کائنات کے لیے دیدار الہی کی تصریح فرمادیا کہ وہ رؤیت دل و نگاہ دونوں سے ہوئی اور بغیر ظنیانی و زلفی ہوئی۔

اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ کی تفسیر سورہ نجم کی مکمل تفسیر قابل دید ہے جو علوم و حقائق کا خزینہ ہے اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو ہم اس کو یہاں ضرور ذکر کرتے۔ (دیکھو مشکلات القرآن صفحہ ۲۳۰ تا صفحہ ۲۶۴)

۱۔ قرآن مجید کی سورہ معارج کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تک روح و ملائکہ کا عروج ایک دن میں ہوتا ہے جس کی بڑائی دنیا والوں کے حساب سے پچاس ہزار سال کی ہے حالانکہ خدا کے فرشتے پل پل کی خبریں وہاں پہنچاتے رہتے ہیں۔ اور حدیث میں آتا کہ مرنے کی بعد نیک مرد مومن کی روح کو فرشتے خوشبو دار ریشمی کپڑوں میں ملبوس کر کے عرش الہی کے سامنے لے جاتے ہیں تاکہ خدا کے سامنے سجدہ کرے تو اتنی عظیم مسافت کو روح بھی آن کی آن میں طے کر لیتی ہے اور اس کے بعد واپس ہو کر قبر کے سوال و جواب کے وقت آ موجود ہوئی ہے ان سب حیرت انگیز چیزوں کا عرصہ قبل تک سمجھنا پوچھنا ہماری محدود عقل کے لیے کچھ دشوار تھا۔ مگر اس دور کی مادی ترقیات اور سائنس کی جدید ایجادات نے اس کو سہل کر دیا ہے۔ دیکھئے ہماری بشری مادی ضعیف آواز جو عام حالات میں بمشکل میل دو میل جاسکتی ہے ریڈیو کی لامکی امواج کے ذریعہ ایک منٹ کے کچھ حصے میں ساری دنیا کے لوگوں کو سنائی جاسکتی ہے پھر روح روحانیت جن ملائکہ جیسی لطیف چیزوں کا کیا کہنا ہے اور خداوند تعالیٰ کی صوت وحی اگر اس عظیم مسافت کو طے کر کے آن کی آن میں نبی کے قلب منور تک آ جاتے تو اس میں کیا استبعاد رہا؟ اس تفصیل کے بعد وحی الہی کی نہ صرف عظمت قلب میں جاگزیں ہوتی ہے بلکہ اس کی عصمت بھی واضح ہو جاتی ہے اول تو یوں بھی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نبی بغیر واسطہ سمع کے کلام خداوندی نہ سمجھتا ہے اور زبان میں محفوظ کرتا ہے اس لیے سلسلہ اجراء کی صورت فرشتہ کے بصورت بشر یا اپنی اصلی صورت میں آکر کلام کرنے کی صورت سے الگ ہوگئی۔

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس آیت کے تحت صفحہ ۳۰۶/۸ و صفحہ ۳۰۷/۸ میں چند احادیث نقل کی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۃ النجم تلاوت فرمائی اور افرا ایتھم اللات والعری وصاۃ الثالثۃ الاخریٰ پر پہنچے تو شیطان نے آپ کی زبان مبارک سے تلک الغرایق العلیٰ وان شفا عنھن لترجعی یہ کلمات بھی ادا کر دیے (نعم؛ باللہ بسر پر مشرکین بھی سجدہ میں گر گئے اور خوش ہوئے کہ ہمارے خداؤں کا ذکر آپ نے بھلائی۔ سے کیا پھر اسی کے بارے میں یہ آیت بالانازل ہوئی۔

پھر حافظ نے لکھا کہ یہ احادیث روایتی نقطہ نظر سے اگرچہ ضعیف یا منقطع ہیں مگر کثرت طرق اس امر کا ثبوت ہے کہ اس قصہ کی کوئی اصلیت ضرور ہے پھر یہی قصہ طبری کی روایت کردہ دوسرے احادیث سے بھی ثابت ہے جن سے جال صحیحین کی شرط پر ہیں پھر حافظ نے لکھا ہے کہ ابوبکر بن العربی نے اپنی حسب عادت بڑی جرأت سے کام لے کر کہہ دیا کہ طبری نے جو روایات اس سلسلہ میں روایت کی ہیں وہ بالکل بے اصل اور باطل ہیں پھر لکھا کہ ابوبکر بن العربی کا اس طرح منہ بھرا ادعا قابل رد ہے اسی طرح عیاض کا یہ قول بھی ہے کہ اس قصہ کی حدیث کی کسی اہل صحت محدث نے تخریج نہیں کی اور نہ کسی ثقہ راوی نے اس کو بے داغ سند متصل سے روایت کیا ہے پھر اس کے ناقلین بھی ضعیف روایات بھی مضطرب اور اسناد بھی منقطع ہیں اور اسی طرح عیاض کا یہ قول کہ تابعین و مفسرین میں سے جن حضرات سے یہ قصہ نقل کیا گیا ہے خود انہوں نے بھی اس کو سند کے ساتھ مرفوع نہیں کیا اور اکثر طرق ان سے اس بارے میں ضعیف اور وہابی ہیں پھر عیاض نے بطرق روایت بھی تردید کی اور کہا کہ اگر ایسا واقعہ ظہور پذیر ہوا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسی وقت مرتد ہو جاتے حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔

اس کے بعد حافظ نے لکھا ہے کہ یہ تمام باتیں قواعد و اصول کے خلاف ہیں کیونکہ جب طرق روایت کثیر ہوں اور ان کے مخارج متباہن ہوں تو یہ اس امر کا ثبوت ضروری کہ اس واقعہ کی اصل ہے اور میں بتلا چکا ہوں کہ ان روایات میں سے تین اسناد صحیح پر ہیں اور وہ مراسیل ہیں جو حجت ہیں۔ پھر حافظ نے یہ بھی لکھا ہے کہ جب اس واقعہ کی صحت متعین ہو چکی تو چونکہ ایسا ہونا عصمت وحی و عصمت انبیاء کے خلاف ہے۔ اس لیے اس کی تاویل بھی کرنی ضروری ہے کیونکہ پیغمبر کی زبان سے قرآن مجید کے کلمات پر ایک حرف کی زیادتی بھی عہد ایا سہو ان ممکن ہے پھر حافظ نے اس واقعہ کی چند تاویلات ذکر کیں اور ان کی تردید بھی بیان کی جو ابن العربی و حضرت عیاض سے منقول ہے آخر میں حافظ نے ایک توجیہ کو احسن الوحوہ (بہترین توجیہات) قرار دیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرما رہے ہوں کہ شیطان نے آیت مذکورہ نے آیت مذکورہ کے درمیانی سکوتوں میں ایک جگہ موقع پا کر آپ کی آواز میں آواز ملا کر یہ کلمات کہہ دیے جس کو کچھ لوگوں نے سمجھ لیا کہ یہ کلمات بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے ادا فرمائے ہیں حالانکہ ایسا واقعہ میں نہیں ہوا۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب نے درس بخاری میں حافظ کی ذکر کردہ اس توجیہ کا ذکر فرمایا تھا کہ ہمارے نزدیک یہ بھی ممکن نہیں کہ نبی کے لہجہ و آواز کی نقل شیطان کر سکے ورنہ اس سے بھی ”عصمت وحی“ پر حرف آتا ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ حاضرین مجلس میں چونکہ مشرکین مکہ بھی تھے ان میں سے کسی نے اپنی جگہ پر یہ کلمات ادا کئے ہوں جس سے وحی الہی اور نبی کی قرأت پر کوئی اثر نہیں پڑتا مشرکین مکہ کی زبان پر تو یہ کلیات خوب چڑھے ہوئے تھے وہ ان کا ورد کرتے تھے اور طواف میں بھی یہی کلمات کہا کرتے تھے (دیکھو بجم البدان الیا قوت)

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) صوت خداوندی اصوات مخلوقین سے الگ اور ممتاز (لیس کمثلہ شیء) پھر وہ جس شان و اہتمام سے عرش الہی سے قلب ہی تک آتی ہے وہ دنیا کے حفاظتی نظام کے مقابلہ میں عایت دو جہ محفوظ جبرئیل علیہ السلام تک تو کسی کی دراندازی ممکن ہی نہیں اور وہاں سے نبی و مرسل خداوندی تک بھی فرشتوں کا زبر دست حفاظتی پہرہ اس لیے وحی الہی کا کوئی حرف باہر جاسکے نہ باہر کی کوئی چیز اس کے اندر آ سکے۔

غرض حافظ ابن حجر کا حدیث مذکور کو کثرت طرق وغیرہ سے استدلال کر کے قابل وثوق قرار دینا صحیح نہیں نہ یہ اصول روایت کے مطابق ہے نہ اصول محدثین پر کیونکہ مراسیل کو حجت ماننے والے بھی صرف ثبوت احکام میں ان کو حجت مانتے ہیں نہ کہ عقائد و ایمانیات میں (کیونکہ عقائد و ایمانیات کے لیے دلیل مثبت قطعی کا وجود ضروری ہے اخبار آحاد قطعی ہیں جن سے کسی عقیدہ قطعیہ کا ثبوت نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ ان سے کسی عقیدہ ثابتہ کا ابطال ہو اور ظاہر ہے کہ عصمت رسول اور عصمت وحی الہی کا عقیدہ تو مدار اسلام و اسلامیات ہے اس کو اخبار آحاد سے مخدوش کرنا پھر تاویلات کی تلاش کرنا کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے۔

علامہ نووی نے فرمایا کہ جو اخباریں اور مفسروں نے سورہ نجم کی تلاوت کے وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے معبودان مشرکین کی مدح کے کلمات جاری ہونے کے بارے میں روایت کیا ہے وہ قطعاً باطل ہے اس بارے میں نقل صحیح و عقل سلیم کی رو سے کچھ ثابت نہیں ہے۔  
علمی فائدہ: اس موقع پر ایک دوسرا بھی اہم فائدہ قابل ذکر ہے کہ سورہ حج میں ایک آیت ہے وما دسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی الفی الشیطان فی العینہ ہمارے حضرت شاہ صاحب نے اس آیت کی تفسیر وہ پسند فرمائی ہے جو حضرت شیخ عبدالعزیز دہلوی سے ”ابریز“ میں منقول ہے کہ ”حق تعالیٰ نے جو نبی و رسول بھی کسی امت کی طرف بھیجا ہے وہ اپنی امت کے ایمان لے آنے کی اُمید و تمنا کیا کرتا تھا مگر شیطان ان لوگوں کے ذہن میں وساوس اور شبہات ڈال کر زنج پیدا کرتا تھا جس جن کے دلوں میں وہ خطرات جم گئے وہ ان کے لئے موجب کفر ہو گئے اور جن پر خدا نے فضل فرمایا ان کے خطرات مٹا دیئے اور اپنی توحید و رسالت کی نشانیاں ان کے قلوب میں مستحکم کر دیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ وساوس و خطرات تو دونوں فریق کے دل میں ڈالے جاتے ہیں مگر فرق اتنا ہے کہ جن پر خدا کا فضل ہوتا ہے ان کے قلوب پر ان کا بھانپ نہیں ہوتا اور جن نا (الہوں) پر اس کا فضل و احسان نہیں ہوتا ان کے قلوب سے شیطان کےلقاء کئے ہوئے وساوس و شبہات دور نہیں ہوتے۔  
حسن اتفاق سے اس موقع پر حضرت شیخ عبدالعزیز دہلوی کا ذکر خیر آ گیا تو چند کلمات اور بھی لکھے جاتے ہیں یہ بارہویں صدی کے قائلین شریعت و طریقت میں سے تھے اور باوجود ایمانی ہونے کے ان سے نہایت بلند پایہ اور گرانقدر علوم نبوت منقول ہوئے ہیں امت محمدیہ میں ایسے کالمین کا وجود انبیاء و مرسلین کے علوم و کمالات کے علم و یقین کا بڑا ذریعہ ہیں کہ ان کے علمی و عملی کمالات بھی ظاہری تعلیم و تربیت کے بغیر صرف خدائے برتر کے فضل و انعام کا ثمرہ ہوتے ہیں شیخ عبدالعزیز دہلوی کو باوجود ایمانی ہونے کے ایسا روشن دل و دماغ عطا ہوا تھا کہ وہ عام احادیث اور احادیث قدسیہ کے درمیان فرق کر لیتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ ان دونوں کے انوار الگ الگ ہیں صحیح احادیث کو موضوع احادیث سے الگ کر دیتے تھے اور فرماتے کہ موضوع میں نور نبوت نہیں ہے بعض مرتبہ صحیح حدیث میں موضوع حدیث کا کچھ حصہ شامل کر کے دریافت کیا گیا تو فوراً فرمایا کہ اتنی صحیح ہے اور اس قدر اس میں موضوع شامل ہے تمام انبیاء علیہم السلام کے حالات مفصل اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے کہ جیسے خود ان کے ساتھ زندگی گزاری ہو۔ یہ کثرت مشکلات قرآن و حدیث کو براہ راست سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے رجوع فرما کر شافی جواب مرحمت فرماتے تھے۔

ان کے افادات جلیلہ کا مجموعہ ”ابریز“ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے تفسیری حصہ میں یہ بھی ملتا ہے کہ ان کے تلمیذ و مستفید خاص شیخ احمد مرتب ”ابریز“ نے قصہ غرائیق کے بارے میں سوال کیا کہ اس میں حضرت عیاض وغیرہ حق پر ہیں جو اس قصہ کے وقوع کا انکار کرتے ہیں یا حافظ ابن حجر جو اس کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

اس کے بعد حافظ ابن حجر کی پوری بحث نقل کی (جو ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں) تو حضرت شیخ نے جواب میں فرمایا کہ ”حق و صواب ابن العربی اور حضرت عیاض اور ان کے موافقت کرنے والے محدثین کے ساتھ ہے“ غرائیق والا قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قطعاً وقوع میں نہیں آیا اور مجھے بعض علماء کے کلام پر بڑا تعجب ہوتا ہے جیسے یہی قول حافظ ابن حجر سے صادر ہوا اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قصہ



کا ذرا سا حصہ بھی صحیح ہو تو نہ شریعت پر اعتماد قائم رہے گا اور نہ عصمت انبیاء کا حکم باقی رہے گا اور رسول خدا کی شان ایک عامی انسان کی سی رہ جائے گی کہ آپ اور آپ کے کلام پر شیطان کا تسلط ہوا اور اتنا تسلط ہوا کہ جس بات کے زبان سے نکلنے کا نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا اور نہ وہ آپ کو پسند تھی وہ شیطان نے آپ کی زبان سے نکلوا دی۔

اتنی بڑی بات اگر وقوع میں آجاتی تو رسالت پر وثوق کیسے رہتا۔ پھر فرمایا کہ مومن پر واجب ہے کہ اس قسم کی حدیثوں سے جو دین میں شبہات پیدا کریں قطعاً منہ پھیر لیں اور ان کو دیوار پر پھینک ماریں (کیونکہ وہ محنت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مصومیت کا وہ عقیدہ رکھیں جو آپ کو شایان ہے خصوصاً آپ کا مرتبہ تائید ہے کہ اس سے اوپر کسی مخلوق کا مرتبہ نہیں۔ (امریہ صفحہ ۱۱۳ اور صفحہ ۱۱۴)

اسی موقعہ پر ابریز میں ایک دوسرا سوال بھی درج ہے کہ میں نے ہاروت و ماروت کے قصہ کی بابت دریافت کیا کہ اس میں بھی حضرت عیاض اور ابن حجر کا ایسا ہی اختلاف ہے حضرت عیاض انکار کرتے ہیں اور ابن حجر واقعہ بتلاتے ہیں فرمایا اس میں بھی حق حضرت عیاض کے ساتھ ہے اور قصہ بالکل غلط ہے۔

یہاں غفلت و عصمت وحی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ احادیث کی محنت و ضعف وغیرہ کے بارے میں حافظ ابن حجر یا اور کسی بڑے محدث کا فیصلہ قطعی حجت نہیں ہے اور اصولی طور پر یہ امر ہر اختلاف کے موقعہ میں نہایت ضروری و اہم ہے کہ دوسرے اکابر محدثین کی تحقیق بھی دریافت کی جائے تاکہ بات اچھی طرح نکھر کر سامنے آجائے ائمہ احناف اور ان کے مسلک قویم کے خلاف بھی جو کچھ دراز دستیاں ہوئیں وہ زیادہ تر بعض اکابر کے یک طرفہ رجحانات، تعصب مذہبی یا رواۃ کے بے جا نقد و جرح کے باعث ہوئیں اس لیے حدیثی تحقیقات کا معیار ہر رنگ نظری و تعصب سے بالا تر ہونا چاہیے ورنہ وہ ”بجائے خدمت حدیث“ کے اپنے اپنے رجحانات و نظریات کی خدمت کہلانے کی زیادہ مستحق ہیں واللہ الموفق

دوسری اہم بات یہ ہے کہ باوجود اصول و عقائد مسلم اسلام میں اور اصول و حدیث قرآن و حدیث اور اصول و روایت کے خلاف ہونے کے بھی محض تعدد و طرق سے کسی امر کو ثابت کر دینا اصول محدثین پر بھی درست نہیں ہو سکتا اور امام اعظم کا مسلک اجتہاد اور طریق استخراج احکام اسی لیے زیادہ محکم و مضبوط رہے کہ انہوں نے عہد نبوت و صحابہ کے قریب ترین دور میں..... (اور سب ائمہ مجتہدین سے پہلے اصول و عقائد اسلام پر نظر کی قرآن و حدیث سے اصولی احکام کا کھوج لگا کر غیر منصوص احکام کے استخراج کے لیے نہایت مستحکم اصول منضبط کئے احادیث احکام میں سے تائید و منسوخ پر کڑی نظر ڈالی) اسی لیے ان کو اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم احادیث منسوخ و تائید تسلیم کیا گیا ہے) پھر اسی کے ساتھ آپ کی نظر آثار صحابہ، تعامل صحابہ اور فتاویٰ تابعین پر بھی بڑی گہری تھی۔ آپ اور آپ کے رفقاء مدین فقہ تک جتنی احادیث پہنچیں ان میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک واسطے بہت کم تھے اور بقول علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ وہ سب تقدروہوں کے تھے اس لیے فقہ حنفی کے اصول پر جو احکام کی تخریج ہوئی وہ بعد کے طرق اجتہاد و اصول استنباط نیز طرق محدثین مابعد کے لحاظ سے بہت زیادہ ناقص، مستند اور مسلم تھی۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم

## انبیاء علیہم السلام کا سب سے بڑا وصف امتیازی وحی ہے

واضح ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی سب سے بڑی خصوصیت و وصف امتیازی وحی الہی ہے جس کا نزول اجلال ہمارے پیغمبر سرور کائنات، پھر موجودات علیہ افضل الصلوٰات والتسلیمات پر سب سے زیادہ اہتمام و شان سے ہوا ہے حتیٰ کہ آپ پر نازل شدہ وحی کا ایک بڑا حصہ وحی مملو قرار پایا، جو قرآن مجید کی شکل میں حرف بحرف محفوظ ہے اور قیام قیامت تک اس کی حفاظت کا وعدہ خود رب العزت جل شانہ نے فرمایا ہے اس کے بعد احادیث قدسیہ، احادیث متواترہ، احادیث مشہورہ اور پھر اخبار آحاد وغیرہ ہیں۔ یہ سب وحی الہی اور علوم نبوت کا اگر نقد و ذخیرہ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دور بعثت کی مختصر مدت (بیس سال کہ تین سال فترت وحی کے نکل جاتے ہیں) میں وحی کا نزول ہزار بار ہوا

بعض دفعہ ایک ایک دن میں دس دس بار بھی ہوا ہے جو آپ کی بہت بڑی خصوصیت بن جاتی ہے، کسی جگہ پر یہ بھی نظر سے گزرا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ارواحِ فدا) پر چوبیس ہزار بار نزول وحی ہوا ہے۔ جب کہ حضرت آدم علیہ السلام پر دس بار، حضرت نوح علیہ السلام پر پچاس بار، حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ۲۸ بار اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر دس بار نزول وحی کا ذکر ملتا ہے۔

چونکہ اس دنیا کی ہدایت کے لئے آخری امت ”خیر الامم“ کے آخری پیغمبر پر کامل و مکمل دین آچکا اور وحی الہی کا بارانِ رحمت کی طرح بہ کثرت نزول ہو کر نعمت الہی کی تکمیل ہو چکی نیز خدائے برتر نے ہمیشہ کے لیے دین اسلام کو اپنا محبوب برگزیدہ و پسندیدہ دین قرار دے دیا۔ اس لیے وحی و نبوت بھی ہمیشہ کے ختم ہو چکی، جس کا شاہی اعلان بھی حجتہ الوداع کے موقع پر ہزاروں ہزار صحابہ کے مجمع میں کر دیا گیا۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

## برکات و انوار نبوت و نزول وحی

حرمین شریفین میں سرورِ انبیاء و مرسلین سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مبارک کے برکات و انوار اور وحی الہی کے شب و روز نزول سے حق تعالیٰ کی مسلسل و بے پایاں رحمتوں کا جو ایک زریں دور گزرا ہے اس کی نظیر سے اس دنیا کی پوری تاریخ خالی ہے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا جس قدر غیر معمولی صدمہ تھا اس سے بھی زیادہ وحی الہی کا منقطع ہو جانے کا تھا۔

حضرت انسؓ سے مسلم شریف میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ایک مرتبہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اوام ایمن کے یہاں چلیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے یہاں جایا کرتے تھے جب یہ دونوں حضرات ان کے پاس پہنچے تو وہ بے اختیار رو پڑیں انہوں نے کہا کہ آپ کیوں روتی ہیں؟ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ کے یہاں اعلیٰ سے اعلیٰ عیش و راحت کے سامان ہیں؟ اس کے بعد ام ایمن کا جواب سنئے کتنے اونچے درجے کی بات کہی ہے فرمایا:۔ میں اس پر نہیں روتی یہ میں بھی خوب جانتی ہوں کہ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں کمال درجہ کی راحتیں موجود ہیں البتہ اس پر روتی ہوں کہ آپ کے بعد آسمان سے نزول وحی کا سلسلہ بند ہو گیا۔“

یہ بات کہہ کر ام ایمن نے ان دونوں حضرات کو بھی خوب خوب رلایا اور وہ بھی ان کے ساتھ روتی رہیں اس حدیث سے کچھ انداز ہو سکتا ہے کہ صحابہ کرام اور صحابیات صالحات کی مبارک آنکھوں نے کیا کیا دیکھا تھا اور ان کے فوری قلوب نے کیا کچھ پایا تھا۔ یہ ام ایمن کون تھیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزاد کردہ باندی جو آپ کو اپنے والد ماجد کے ترکہ میں ملی تھیں اور چونکہ انہوں نے بچپن میں آپ کی خدمت آیا کی طرح انجام دی تھی اس لیے آپ ان کا اکرام ماں کی طرح فرماتے تھے اور ان کی ملاقات کیلئے بھی گھر پر تشریف لے جایا کرتے تھے مگر آپ نے دیکھا کہ اس باندی صحابیہ کا ایمان کتنا قوی اور معرفت کتنی اونچی تھی اس لیے ان کے ایک جملے نے ایسے دو بڑے جلیل القدر صحابہ کو رونے پر مجبور کر دیا۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہو جانے سے یہ لازم نہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام یا دوسرے فرشتوں کے نزول کا سلسلہ بھی دنیا سے منقطع ہو گیا چنانچہ اس امر کی وضاحت حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں کی ہے۔

## ابتداء نبوت و نزول قرآن مجید

حضرت شعبی سے روایت ہے کہ چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی ابتداء نبوت میں تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام آپ

انبیاء علیہم السلام کے خاص نفع پھر اس میں سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خاص نفع کا تذکرہ نہایت اہم موضوع ہے اس پر مستقل تصانیف کی ضرورت ہے علامہ سیوطی وغیرہ نے اس کی طرف توجہ کی مگر ہماری اردو زبان کی کتب سیرۃ مقدسہ میں اس موضوع پر بہت کم مواد ملتا ہے تاہم ہمارے مخدوم و محترم حضرت مولانا سید محمد بدر عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی دام ظلہم نے اپنی گرانقدر تصنیف ”ترجمان السنۃ“ جلد سوم میں اس پر نہایت نافع اور مفصل کلام کیا ہے جو قابل مطالعہ ہے۔ جزا ہم اللہ تعالیٰ۔

کے ہمراہ رہے اور کبھی کوئی کلمہ اور کبھی کوئی بات آپ کو بتلاتے رہے اس وقت تک قرآن مجید نہیں اتر اٹھا تین سال گزرنے پر آپ کی نبوت کا تعلق حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ قائم کر دیا گیا تھا اور بیس سال تک ان کے توسط سے قرآن مجید کا نزول ہوتا رہا دس سال مکہ معظمہ میں اور دس سال مدینہ منورہ میں اس کے بعد ۶۳ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وسلم (رواہ احمد)

## نبی کے دل میں فرشتے کا القاء بھی وحی ہے

جس طرح حق تعالیٰ کی طرف سے نبی کے قلب پر کوئی بات القاء ہوتی ہے اور اس کو وحی الہامی کہتے ہیں۔۔۔۔۔ اسی الہام کے تحت وہ صورت بھی ہے کہ فرشتہ نظر نہ آئے اور نبی کے قلب پر کسی بات کا القاء کرنے چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! جو بات بھی تمہیں جنت سے قریب کرنے والی اور دوزخ سے دور کرنے والی تھی وہ سب تمہیں بتا چکا ہوں اور جتنی باتیں دوزخ سے قریب اور جنت سے دور کرنے والی تھیں ان سے بھی تمہیں روک چکا ہوں اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے میرے قلب میں یہ بات بھی القاء فرمائی ہے کہ کسی جان کو اس وقت تک موت نہ آئے گی جب تک وہ اپنے مقدر کا رزق دنیا میں پورا نہ کر لے۔ دیکھو خدا سے ڈرتے رہو اور طلب رزق میں بھلائی کا راستہ اختیار کرو ایسا نہ ہو کہ رزق پہنچنے میں دیر ہو تو خدا کی نافرمانی کے راستوں سے رزق حاصل کرنے لگو کیونکہ خدا تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں جو کچھ ہے اس کو صرف اس کی اطاعت فرمانبرداری ہی کے راستوں سے حاصل کرنا موزوں ہو سکتا ہے (رواہ البیہقی)

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول وحی کا ایک منظر

صفوان بن یعلیٰ کا بیان ہے کہ ان کے والد حضرت یعلیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا مجھے بھی اس مبارک منظر کی زیارت کر ادیتجئے گا اس کے بعد ایسا اتفاق ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرانہ میں صحابہ کے ساتھ تشریف رکھتے تھے کہ ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ ایک شخص کے جسم پر خوب خوشبو لگی ہو۔ اور وہ احرام باندھ لے تو اس کے بعد کیا کرے؟ آپ کچھ خاموش ہوئے اور وحی کا نزول شروع ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے وجود مبارک پر ایک کپڑا ڈھا تک دیا اور یعلیٰ کو قریب بلا دیا انہوں نے اپنا سر اندر داخل کیا تو دیکھا کہ حضور کا چہرہ مبارک سرخ ہو رہا ہے اور وحی کے شدید آثار سے آپ کا دم گھٹا جا رہا ہے اس کے بعد جب وہ کیفیت جاتی رہی تو آپ نے سائل کو بلا کر بتلایا کہ خوشبو کو تین بار دھو ڈالو اور جب اتاروے پھر جس طرح حج ہوتا ہے کرے۔ (بخاری)

مسلم شریف کی حدیث عبادہ میں یہ بھی ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوتا تو اس کی شدت سے آپ کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا اور آپ اپنا سر مبارک جھکا لیتے تھے جس کے ساتھ حضرات صحابہ بھی اپنے سروں کو جھکا لیتے تھے۔

## وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف نظر اٹھانا

حضرت عبداللہ بن سلام سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہ کرام کی مجلس میں بیٹھے ہوئے باتیں کرتے تھے تو اکثر آسمان کی طرف نظر اٹھا اٹھا کر دیکھا کرتے تھے (ابوداؤد)

یہ نظریں اٹھانا وحی کے انتظار میں ہوتا تھا جیسا کہ تحویل قبلہ کے موقع پر بھی آپ کا آسمان کی طرف نظریں اٹھانا قرآن مجید میں مذکور ہے۔

## شدۃ وحی کی کیفیت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم سے سوال کیا کہ جب آپ پر وحی اترتی ہے تو کیا محسوس کرتے ہیں؟ فرمایا پہلے میں گھٹیوں کی سی آواز سنتا ہوں پھر اس وقت مجھ پر مکمل سکوت طاری ہو جاتا ہے اور جب کبھی وحی آتی ہے تو مجھے ایسا احساس ہوتا ہے کہ میری جان ابھی نکل جائے گی (رواہ احمد)

## وحی الہی کا ثقل عظمت

بخاری شریف میں حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت ہے کہ جس وقت کلمہ غیر اولی الضرورات نازل ہوا تو میری ران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ران سے ملی ہوئی تھی مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میری ران ٹوٹ کر چور چور ہو جائے گی؛ بسبب صرف ایک کلمہ کی وحی کا وزن اس قدر قریب بیٹھنے والے صحابی نے محسوس کیا تو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا وزن کتنا معلوم ہوا ہوگا اور اسی سے آپ کے غیر معمولی امتیاز و عظمت کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے کہ پورے قرآن مجید کے ہزاراں ہزار کلمات کی وحی عظیم کا بار آپ نے برداشت کیا اور ہزار ہا مرتبہ حق تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف ہوئے۔

حضرت ابو ہریرہؓ یہ روایت مسلم شریف فرماتے ہیں کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تھی تو جب تک وہ تمام نہ ہو لیتی ہم میں سے کسی کی طاقت نہ تھی کہ آپ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اترتی تو اگر آپ اونٹنی پر سوار ہوتے تو وحی کے وزن و عظمت کے سبب وہ بھی اپنی گردن نیچے ڈال دیتی تھی اور جب تک وحی ختم نہ ہو جاتی اپنی جگہ سے مل بھی نہ سکتی تھی۔ پھر حضرت عائشہؓ نے آیت ”اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا تَقْبَلُوْهُ“ تلاوت فرمائی (رواہ احمد)

حضرت ابو اروی دوسی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہوتے اور وحی آ جاتی تو میں نے دیکھا ہے کہ وحی کی عظمت و وزن کے سبب وہ اونٹنی آواز کرتی اور اپنے اگلے پیر اس طرح اودی بدلتی کہ مجھے یہ گمان ہوتا کہ اس کے بازو ٹوٹے جاتے ہیں؛ کبھی بیٹھ جاتی اور کبھی اپنے پیروں پر پورا زور دے کر کھڑی ہوتی اور سنبھلتی تا آنکہ وحی ختم ہو جاتی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان تھی کہ آپ کی پیشانی مبارک سے پسینے کے قطرات موتیوں کی طرح ٹپ ٹپ کرتے ہوتے تھے (خصائص کبریٰ)

یہاں ہم نے وحی الہی کی عظمت کا تعارف کرانے کے لیے کسی قدر تفصیل سے کام لیا تا کہ علوم نبوت کی عظمت و سیادت کا سکھنا ظہرین انوار الباری کے دلوں میں قائم ہو جائے اور وہ وحی خداوندی (قرآن و حدیث) کے انوار و برکات، فوائد و منافع سے اپنے دامنوں کو مالا مال کرنے کی طرف پوری توجہ صرف کریں۔ وفہم اللہ وایانا لما یحب و یوہی۔ آمین۔

## سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید اور علمی ترقیات کا دور

حضور اکرم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا معجزہ ”علمی“ یعنی قرآن مجید عطا ہوا ہے جس کی برکت سے ساری دنیا کے لیے علمی ترقیات کے دروازے کھل گئے اور آپ کی امت نے مادی و روحانی علوم و کمالات میں وہ ترقی کی پہلی امتوں میں اس کا ادنیٰ نمونہ بھی نہیں ملتا؛ گویا دنیا کی زندگی کے تمام ادوار میں سے صرف اس دور کو علمی ترقی کا دور کہنا درست ہو سکتا ہے واضح ہو کہ جس طرح آپ کی امت میں آپ کے متبعین مومنین ہیں کہ ان کو امت اجابت کہتے ہیں اسی طرح تمام دنیا کے کفار و مشرکین بھی داخل ہیں کہ ان کو امت دعوت کہا جاتا ہے ان لوگوں نے چونکہ آپ کا لایا ہوا دین اسلام قبول نہیں کیا اس لیے صرف آپ کی دعوت عامہ کے تحت آپ کی امت کہلانے کے مستحق ہوئے غرض دنیا کے لوگوں کی موجودہ تمام علمی ترقیات آپ کے علمی کمالات و علمی معجزے کے طفیل و صدقہ میں ہیں۔

نہایت فسوس ہے کہ آج بہ کثرت مسلمانوں میں بھی اس قدر جہالت ہے کہ قرآن وحدیث کتب دینیہ کے صحیح علم و احترام سے بے شعور و غافل ہیں۔

## قرآن مجید کا ادب و احترام

شاہان اسلام کے حالات میں ایک واقعہ نظر سے گذرنا تھا کہ ایک بادشاہ سیر و فکار میں تہارہ کر کسی قریہ میں ایک دیہاتی مسلمان کا

مہمان ہوا شب کو جس دالان میں وہ مقیم ہوا تو دیکھا کہ اس کے ایک طاق میں قرآن مجید رکھا ہوا ہے۔

یہ دیکھ کر اس کی عظمت و جلالت اس کے دل و دماغ پر چھا گئی اور ساری رات ایک گوشے میں بیٹھ کر جاتے ہوئے صبح کر دی لیٹایا سو یا صرف اس لئے نہیں کہ قرآن مجید کا ادب اسے مانع رہا اور یہ بھی گوارہ نہ ہوا کہ اپنے آرام کی وجہ سے اس عظیم المرتبت وحی الہی کو کسی دوسرے کمرے میں منتقل کر دے یہ بھی یاد پڑتا ہے کہ اس بادشاہ کو مرنے کے بعد سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے خواب میں دیکھا پوچھا! خدا نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ بادشاہ نے جواب دیا کہ بخش دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اس رات کا میرا جاگنا اور قرآن مجید کا اس قدر احترام کرنا پسند آ گیا تھا۔

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ قرآن مجید کھول کر تلاوت کا ارادہ فرماتے تو اس کی عظمت کا تصور کر کے بے ہوش ہو جاتے تھے اور زبان پر یہ کلمہ جاری ہو جاتا تھا ”ہذا کلام و ہی هذا کلام رہی“ (یہ کلام میرے رب کا ہے حضور اکرمؐ فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ساری رات اس آیت کی بار بار تلاوت میں گزاری ان تعذبہم فانہم عبادک وان تغفرلہم فانک انت العزيز الحکیم“ (بارالہا! ان گناہ گار بندوں کو آپ عذاب دینا چاہیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر مغفرت فرمادیں تو بے شک آپ زبردست حکمت والے ہیں) حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے ایک رات اس آیت کو بار بار پڑھ کر صبح کر دی ”وامتازوا الیوم ایہا المعجرون“ (اے مجرمو! آج قیامت کے دن تم ہمارے فرمانبردار بندوں سے الگ ہو جاؤ) حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے حالات میں بھی کہیں دیکھا ہے کہ ایک رات اسی آیت مذکورہ کی تلاوت فرما کر روتے رہے اور صبح کر دی خدا ہم سب کے قلوب میں اپنے کلام مقدس کی صحیح عظمت و محبت و تعلق پیدا فرمائے آمین شرح احوال العلوم میں ہے کہ قیامت کے ہولناک دن میں جو لوگ عرش کے سایے میں ہوں گے ان میں وہ بھی ہوں گے جو مسلمانوں کے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے ہیں اور وہ بھی ہوں گے جو بچپن میں قرآن مجید پڑھنا سیکھتے ہیں اور بڑے ہو کر اس کی تلاوت کا اہتمام رکھتے ہیں۔ اللہم اجعلنا منہم۔

۳۔ حدثنا یحییٰ بن بکیر قال اخبرنا اللیث عن عقیل عن ابن شہاب عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا انہا قالت اول ما ہدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الوحی الرویا الصالحۃ فی النوم فکان لا یروی رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح ثم حبب الیہ الخلاء وکان یخلو بفار حراء فلیتحدث

۱۔ یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر القرشی (مولیٰ ابی زکریا) ۲۳۱ھ امام نسائی و حافظ ابن معین نے آپ کو ضعیف قرار دیا۔ ابن عدی نے کہا کہ امام لیث بن سعد (تلمیذ حدیث امام اعظم (رحمۃ اللہ علیہ) کے پڑوس میں رہتے تھے اور ان سے روایت میں وہ سب سے زیادہ قوی ہیں اور ان کے پاس امام لیث سے وہ روایات ہیں جو کسی دوسرے کے پاس نہیں ہیں امام بخاری مسلم و ابن ماجہ نے آپ سے روایت کی امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر صفحہ ۲۸۵ میں آپ کو شامی لکھا حالانکہ سب تذکرہ نویسوں نے بالاتفاق آپ کو مصری لکھا ہے اور امام بخاری کے سوا اور کسی نے بھی شامی نہیں لکھا امام بخاری نے صرف لیث سے سماع کا ذکر کیا اور کسی قسم کا کلام حافظ یحییٰ بن معین وغیرہ کا ذکر نہیں کیا یہاں کتاب خطا امام بخاری ابن ابی حاتم میں اس غلطی کا ذکر نہیں ہے

حافظ یحییٰ نے اس حدیث کے رجال پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ امام بخاری نے یحییٰ بن بکیر میں باپ کی طرف نسبت ترک کر کے دادا کی طرف جو نسبت کی ہے یہ اصطلاح محدثین میں تالیس کی ایک صورت ہے جس طرح امام موصوف نے لیث بن سعد سے دوسری جگہ چند روایات اپنے استاد محمد بن یحییٰ ذہلی کے واسطے سے ذکر کی ہیں مگر وہاں بھی ہر جگہ اپنے استاد موصوف کے نام میں تالیس کی صورت اختیار کی ہے۔

ہم مقدمہ انوار الباری حصہ دوم پہ سلسلہ حالات امام بخاری لکھ چکے ہیں کہ امام بخاری کی طرف تالیس کی نسبت ضرور ہوئی ہے مگر اس کو بسبب جلالت قدر امام موصوف و وجہ حسن ظن تالیس محبوب نہیں کہہ سکتے واللہ اعلم۔

۲۔ امام موصوف کا مختصر تذکرہ مقدمہ انوار الباری صفحہ ۲۱۳/۱ میں ہو چکا ہے حافظ یحییٰ نے اس موقع پر ابن خلکان کے حوالہ سے آپ کا مذہب حنفی لکھا ہے امام بخاری نے اپنی تاریخ کبیر میں آپ کی منقبت پر کچھ نہیں لکھا حافظ نے تہذیب میں اگرچہ آپ کے اساتذہ حدیث میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہیں کیا تاہم چھ صفحات سے زیادہ میں تذکرہ لکھا اور مناقب کثیرہ ذکر کئے ہیں جو مستقل تذکرہ حافظ و محدثین حنفیہ کی زینت ہونے چاہئیں۔



فیه وهو التعب اللیالی ذواب العدد قبل انا ينزع الی اہمہ ویتزود لدلک ثم یرجع الی خدیجۃ فیتزو د لمثلہا حتی یناء الحق وهو فی غار حراء فجاءہ الماک فقال اقرا قال قلت ما انا بقاری قال فاخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجہد ثم ارسلنی فقال اقرا فقلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثانیۃ حتی بلع منی الجہد ثم ارسلنی فقال اقراء فقلت ما انا بقاری فاخذنی فغطنی الثالثۃ ثم ارسلنی فقال اقرا باسم ربک الذی خلق الانسان من عان اقرا وربک الا کرم فرجع بہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجف فوادہ فدخل علی خدیجۃ بنت خویلد فقال "زملونی زملونی" فزملوہ حتی ذهب عنہ الروح فقال لخدیجۃ و اخبرہا الحبر۔ "لقد خشیت علی نفسی" فقالت خدیجۃ کلا واللہ ما یخزیک اللہ ابدًا انک لتصل الرحم و تحمل الکمل و تکسب المعنوم و تقری الضیف و تعین علی نواب الحق فاطلقت بہ خدیجۃ حتی اتت بہ ورقۃ بن نوفل بن اسد بن عبد العزیز ابن عم خدیجۃ و کان امرأت نصر فی الجاہلیۃ و کان یکتب الکتاب بالعبرانی فیکتب من الانجیل بالعبرانیۃ ماشاء اللہ ان یکتب و کان شیخا کبیرا قد عمی فقالت لہ خدیجۃ یا ابن عم! اسمع من ابن اخیک فقال لہ ورقۃ یا ابن اخی! عاذا تری؟ فاخبرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خبر مارأی فقال لہ ورقۃ "هذا الناموس الذی نزل اللہ علی موسی یا لیتنی فیہا جذعاً یا لیتنی اکون حیاً اذ یمخرجک قومک" فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم او مخرجی ہم؟ قال نعم لم یات رجل قط بمثل ما جئت الا عودی وان یدرکنی یومک انصرک نصرًا مؤ ذراً" ثم لم ینشب ورقۃ ان توفی و فتر الوحی قال ابن شہاب و اخبرنی ابو سلمۃ بن عبد الرحمن ان جابر بن عبد اللہ الانصاری قال وهو یحدث عن فترۃ الوحی فقال فی حدیثہ:- بینا انا امشی الذ سعت صومنا من السماء فرفعت بصری فاذا الملک الذی جاء فی بحرآء جالس علی کرسی بین السماء والا رض فرعت منه فرجعت فقلت زملونی زملونی فانزل اللہ تعالیٰ۔

یاہیا المدثر قم فانذر وربک فکبر وثیا بک فطهر والرجز فاهجر فحمی الوحی و تتابع۔ تابعہ عبد اللہ بن یوسف و ابو صالح و تابعہ ہلال بن رواد عن الزہری و قال یونس و معمر بواحدہ۔

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ابتداء میں اچھے خوابوں سے وحی کا سلسلہ شروع ہوا آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے وہ اسی طرح سپیدہ سحر کی طرح نمودار ہو جاتا تھا پھر آپ کو خلوت گزینی محبوب ہو گئی غار حراء میں خلوت اختیار فرماتے تھے کئی کئی رات دن مسلسل وہاں رہ کر عبادت گزار کرتے جب تک کہ گہرا آنے کی رغبت نہ ہوتی وہاں کے لیے آپ توشہ بھی ساتھ لے جاتے تھے پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس تشریف لاتے اور اسی طرح چند روز کا توشہ ساتھ لے جاتے تا آنکہ غار حراء میں حق (یعنی جی الہی) کا ظہور ہو اور فرشتہ نے آکر کہا پڑھئے۔! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جواب دیا کہ "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں" (کیونکر پڑھ سکتا ہوں؟!) اس پر فرشتے نے مجھے پکڑ کر اتنے زور سے بھینچا کہ میری طاقت جواب دے گئی پھر مجھے چھوڑ کر کہا کہ پڑھئے! "میں نے کہا" میں تو پڑھنے والا نہیں" فرشتے نے مجھے دوبارہ بھی دیوچ کر حسب سابق خوب دبایا اور پھر چھوڑ کر کہا کہ "پڑھئے!" میں نے کہا "میں پڑھنے والا تو ہوں نہیں" (کس طرح پڑھوں؟) فرشتے نے تیسری بار مجھے پھر دیوچا دبایا اور کہا اقرا باسم ربک الذی خلق الانسان من علق اقرا وربک الا کرم (پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے (ہر چیز کو) پیدا کیا انسان کو خون کی پٹکی سے پیدا فرمایا پڑھیے! آپ کا پروردگار بڑے کرم والا ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آیات مذکورہ (کی نعمت غیر مترقبہ) سے اپنے سینے کو معمور و منور فرما کر واپس گھر تشریف لائے اس وقت آپ کا دل (پہلی وحی الہی کے رعب و جلال سے) کانپ رہا تھا حضرت خدیجہ سے ارشاد فرمایا کہ مجھے کبل اوڑھاؤ مجھے کبل اوڑھاؤ! انہوں نے کبل

اڑھا دیا جب سکون کی کیفیت ہوئی تو آپ نے حضرت خدیجہؓ کو سارا حال سنایا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا ہے انہوں نے جواب میں فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا خدا کی قسم! وہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی فرماتے ہیں، تا تو انوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں اپنی کمائی میں مفلسوں، ناداروں کو شریک کرتے ہیں، مہمان نوازی فرماتے ہیں اور راہ حق میں مصیبت زدہ لوگوں کی امداد کرتے ہیں پھر حضرت خدیجہؓ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ان کے چچا زاد بھائی تھے۔ وہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو چکے تھے اور عبرانی زبان کے کاتب تھے چنانچہ انجیل کو بھی حسب توفیق خداوندی عبرانی زبان میں لکھا کرتے تھے بہت عمر رسیدہ تھے بیٹائی بھی جاتی رہی تھی۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا:۔ بھائی اپنے بھتیجے کا حال تو سنئے! ورقہ نے پوچھا:۔ بھتیجے! تم کیا دیکھتے ہو؟ آپ نے جو دیکھا تھا بیان فرما دیا ورقہ آپ کے حالات سن کر (بے ساختہ) بول اٹھے کہ ”یہ تو وہی ناموس ہے جس کو حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا۔ کاش! میں تمہارے عہد نبوت میں جو ان ہوتا کاش میں اس وقت تک زندہ ہی رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”کیا وہ لوگ مجھے پہچانیں؟“ آپ نے کہا ”ہاں! جو شخص بھی اس طرح کی چیز لے کر آیا جیسی آپ لائے ہیں لوگوں نے اس سے دشمنی کی ہے اگر مجھے آپ کی نبوت کا زمانہ مل گیا تو میں آپ کی پوری قوت سے مدد کروں گا۔“

پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا اور وحی کا سلسلہ بھی کچھ مدت کے لیے بند ہو گیا (راوی حدیث مذکور) ابن شہاب کا قول ہے کہ ابو سلمہ بن عبد الرحمن نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے روایت بیان کی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے موقوف ہونے کا حال یوں بیان فرمایا تھا کہ ”میں ایک بار کہیں جا رہا تھا اچانک میں نے آسمان سے ایک آواز سنی نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو غار حرا میں میرے پاس آیا زمین و آسمان کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے میں اس منظر سے پھر دہشت زدہ ہو گیا واپس ہو کر گھر والوں سے کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو مجھے کپڑا اوڑھا دو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

”يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبِّكَ فَكَبِيرٌ وَتَبَايَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ“ (”اے لحاف میں لپٹنے والے! اٹھ کھڑا ہو اور لوگوں کو (عذاب الہی سے) ڈرا اور اپنے رب کی بڑائی بیان کر اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی سے دور رہ۔“)

یعنی وحی الہی کے بوجھ اور فرشتہ کی ہیبت سے آپ کو اس قدر خوفزدہ اور پریشان نہ ہونا چاہیے آپ کا منصب نبوت تو بہت اعلیٰ و ارفع

عام مفسرین نے اس سے مراد یہ لیا کہ بتوں کی عبادت سے دور رہو اس صورت میں اس آیت کا تعلق نماز سے نہ ہو گا یا یہ مراد ہو کہ بتوں سے بے تعلقی کا معاملہ رکھو وقت نماز میں بھی اور دوسرے اوقات میں بھی لیکن ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک اس آیت میں طہارت جاہ نماز کی طرف اشارہ زیادہ رائج ہے جیسا کہ اس سے پہلے جملے میں طہارت ثیاب کا حکم ہے پس دونوں جملوں کا تعلق نماز سے رہے گا پھر اس امر پر تو سب کا اتفاق ہے کہ نماز ابتداء زمانہ نبوت سے تھی چنانچہ کتب سیر میں وارد ہے کہ جب اقرامہ اسم ربک کا نزول ہوا تو اسی وقت جبرئیل علیہ السلام نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو نماز کا طریقہ بھی سکھایا تھا پھر اس امر میں اختلاف ہے کہ صبح و شام کی دو نمازیں جو ابتداء عہد نبوت سے پڑھی گئیں وہ فرض تھیں یا نفل؟ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کے نزدیک ترجیح اس کو تھی کہ نماز کی فرضیت تو ابتداء عہد نبوت ہی سے تھی مگر اس کی صفات و کیفیات بدلتی رہتی تھیں تا آنکہ شب معراج میں وہ پانچ ہو گئیں اور شب معراج میں پانچ نمازیں فرض ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مجموعی عدد مع سابق کے پانچ قرار پایا لہذا آیت فطہر ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب میں کسی تاویل کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ اس میں صرف دو نمازیں ذکر ہوئی ہیں (نماز فجر و عصر) جو پہلے سے فرض تھیں اس کے بعد ان پر اضافہ ہوا ہے اور اسی لیے یہ طریق ادا فرض وہ پانچ کی فرضیت سے پہلے بھی پڑھی گئیں اور بعد کو بھی اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی ہے بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حائف سے واپسی میں) حجر کی نمازین ٹخلہ میں پڑھی جنوں نے آپ کے پیچھے اقتداء کی آپ نے سورۃ جن پڑھی اور اس میں بلند آواز سے قرأت فرمائی اور یہی طریقہ نماز صبح کا بعد معراج بھی رہا اس موقع پر ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ امر بھی بطور نکتہ و لطیفہ ارشاد فرمایا کہ علامہ حلی نے اپنی سیرت میں ایک جملہ بہت معنی خیز لکھا ہے اور ممکن ہے اس سے ان کا ارادہ حنفیہ کے مسلک کی تائید بھی ہو کہ سب سے پہلے سورۃ اقرامہ نازل ہوئی اور سورۃ فاتحہ کا نزول بعد کو ہوا ہے تو جب تک اس کا نزول نہیں ہوا تھا اس زمانے کی نمازیں کس طرح درست ہوئیں؟ جب کہ فاتحہ کن صلوٰۃ ہے کہ بغیر اس کے نماز درست ہی نہیں ہو سکتی تا کلین رکعت فاتحہ جواب دیں؟

ہے سب راحت و سکون کو خیر باد کہہ کر خدا کے نافرمان بندوں کو اس کے غصے و عذاب اور کفر و معصیت کے بڑے انجام سے ڈرائے! یہاں پر دروگاہ کی بڑائی بیان کرنے کا حکم بھی اسی لیے دیا گیا کہ اس سے خدا کا خوف دل میں گھر کرتا ہے اور اس کی تعظیم و تقدیس ہی وہ فریضہ ہے جو تمام اخلاق و اعمال کی ادائیگی پر تقدم ہے چنانچہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد آپ نے دعوت الی اللہ کا فرض پوری اولوالعزمی سے انجام دیا پھر نماز وغیرہ کا حکم بھی آگیا جس کے لیے بدن کپڑوں اور جائے نماز وغیرہ کو گندگی سے پاک رکھنے کے احکام نازل ہوئے۔

اس کے بعد وحی تیزی کے ساتھ پے در پے آنے لگی اس حدیث کو یحییٰ بن بکیر کے علاوہ لیث بن سعد سے عبد اللہ بن یوسف اور ابو صالح نے بھی روایت کیا ہے جس کو متابعت تامہ کہتے ہیں اور عقیل کے علاوہ زہری سے ہلال بن رواد نے بھی روایت کیا ہے جس کو متابعت ناقصہ کہتے ہیں یونس و معمر نے فوادہ کی جگہ یوادرہ ذکر کیا ہے۔

علامہ عینی نے شرح بخاری شریف میں اس موقع پر رجال سند اصول حدیث اور معانی حدیث مذکور پر بڑی اہم علمی اسباحث لکھی ہیں جو اہل علم خصوصاً طلبہ حدیث کے لیے نہایت کارآمد ہیں علامہ ابن ابی جرہ نے بھی الطوس میں اسی ایک حدیث سے نہایت اہم و نافع اے فوائد لکھے ہیں۔ طوالت کے خوف سے یہاں صرف چند چیزیں لکھی جاتی ہیں۔

## شرح حدیث

اجھے اور سچے خواب نبوت کا ایک جزو ہیں اسی لیے انبیاء علیہم السلام کو وحی الہی کے ساتھ مشرف کرنے سے قبل سچے خواب دکھائے جاتے ہیں سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت سے قبل چھ ماہ تک ایسے خواب دکھلائے گئے اسی طویل مدت میں آپ کو منامات صادقہ کے ذریعہ علوم و حقائق نبوت اور عالم بالا سے پوری مناسبت کرا دی گئی جو بات آپ خواب میں دیکھتے جلد ہی اس کا ظہور بے کم و کاست ہو جاتا تھا گویا عالم مثال سے آپ کا رابطہ قائم کرا دیا گیا جو عالم غیب سے رابطہ کا مقدمہ ہے کیونکہ جتنی چیزیں موجود ہوتی ہیں۔

سب سے پہلے ان کا وجود عالم غیب میں ہوتا ہے پھر عالم مثال میں منتقل ہوتی ہیں اس کے بعد عالم شہادت یعنی دنیا میں آتی ہیں گویا عالم شہادت میں ظاہر ہونے والی چیزوں کا مشاہدہ قبل ظہور ہی عالم مثال میں کر لیتے تھے۔

## عالم مثال

عالم مثال کی چیزوں میں مادہ نہیں ہوتا بلکہ صرف ان کی صورتیں مع طول و عرض کے ہوتی ہیں جیسے آئینہ میں ایک چیز کی صورت کا مشاہدہ لا مادہ مگر طول و عرض کے ساتھ ہوتا ہے عالم مثال کو اسی پر قیاس کر لیجئے! بعض حضرات نے جو یہ سمجھا ہے کہ ایک صورت سے دوسری میں تبدیل ہو جانا عالم مثال سے متعلق ہے اور قرآنی آیت فتمثل لہا بشراً صوباً کو استشہاد میں پیش کیا تو یہ خیال غلط ہے ایسی صورتوں کا تعلق عالم شہادت ہی سے ہے یہ مسئلہ تجسد ارواح اور تروح اجساد کا ہے اور اس میں حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق ہم پھر کسی موقع سے بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

## عالم خواب

خواب میں چونکہ ہم مادی علائق سے ایک حد تک منقطع ہو جاتے ہیں اس لیے ایسی چیزوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ۶ ماہ تک اس طرح روحانی تربیت فرما کر حق تعالیٰ نے بیداری میں بھی خلوت گزینی آپ کے لیے محبوب بنا دی تا کہ ظاہری آنکھوں سے بھی غیبی مشاہدات کا معائنہ میسر ہو۔

## انتخاب حراء

مکہ معظمہ سے تقریباً تین میل کے فاصلہ پر عارحہ میں آپ کی خلوت گزینی غالباً اس لیے بھی زیادہ موزوں تر تھی کہ وہاں انبیاء سابقین

اور آپ کے جد امجد عبدالمطلب نے بھی خلوت اختیار فرمائی تھی دوسرے اس لیے بھی کہ اس غار کا ایک حصہ بیت اللہ کی طرف جھکا ہوا ہے جس سے بیت اللہ پر نظر پڑتی ہے جو خود بھی ایک عبادت ہے وہاں آپ نے کتنی خلوت گزینی فرمائی، بعض روایات ۴۰ دن کی بھی آتی ہیں مگر وہ زیادہ قوی نہیں ہیں اس لیے ان سے مروجہ چلہ کشی پر استدلال بھی قوی نہیں اگرچہ اس کی افادیت ظاہر ہے اور اولیاء اللہ کے طریقے پر کسی عبادت کے ادا کرنے میں برکت بھی ہے بشرطیکہ اس کو سہیت کا درجہ نہ دیا جائے۔

دوسرے ایک فرق یہ بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چند چند روز کے بعد دولت کدہ پر تشریف لاتے رہتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ضروری سامان و گوشہ لے کر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس پہنچ جاتی تھیں، مشکوٰۃ شریف باب المناقب میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس غار حرا میں تشریف لائے (یہ غالباً عہد نبوت کا واقعہ ہے) اور فرمایا کہ خدیجہ آرہی ہیں ان کو رب العالمین کا سلام کہنا اور جنت میں موتیوں کے گھر کی بشارت سنا دینا۔

### عطاء نبوت و نزول وحی

سچے خوابوں کے بعد غار حرا کی خلوت گزینی کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک نہایت عظیم و مبارک دن وہ بھی آپ پہنچا کہ آپ حق تعالیٰ کی طرف سے خلعت رسالت سے سرفراز ہوئے خدا کا فرشتہ پہلی وحی لے کر پہنچ گیا جس سے دنیا کے اس آخری دور کے زیریں لمحات کی ابتداء ہو گئی اب یہاں انبیاء سابقین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی میں فرق پر بھی نظر رکھیے پہلے جتنی وحی آتی رہی وہ سب وحی غیر مملو کے درجہ کی تھی جیسے ہمارے یہاں کی احادیث صحیحہ جن کے معانی و مطالب تو وحی خداوندی ہیں مگر الفاظ و کلمات اس طرح نہیں اور یہی شان کتب سماویہ انبیاء سابقین کی بھی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جتنی وحی نازل ہوئی اس کے دو حصے ہو گئے۔ ایک وحی مملو (جو قرآن مجید کی صورت میں ہے کہ اس کے کلمات و معانی سب خدا کی طرف سے بطریق محفوظ ہم تک پہنچے ہیں دوسرے وحی غیر مملو (جو احادیث رسول کی صورت میں ہے کہ اس کے معنی خدا کی طرف سے اور کلمات رسول خدا کے ہیں۔ اسی لیے قرآن مجید کی روایت بالمعنی درست نہیں بخلاف حدیث کے کہ اس کی روایت بالمعنی بھی جائز ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی تربیت حق تعالیٰ کی خصوصی شان ربوبیت کے تحت ہوئی ہے کیونکہ آپ کو وحی مملو کے سب سے زیادہ عظیم المرتبت درجہ وحی سے نوازا تھا جو آپ کے خاص خصوص و جبہ نبی الانبیاء اور مرتبہ خاتم النبیین کے شایان شان تھی مگر اس وحی عظیم کے لیے کتنی بڑی قوت برداشت کی ضرورت تھی اس کا اندازہ حدیث کے مذکورہ بالا جملوں سے بخوبی ہو سکتا ہے اس لیے حیرت استعجاب اس امر پر بالکل نہ ہونا چاہیے کہ آپ ایسے رسول اعظم کو ذر خوف و ہشت و گھبراہٹ کی صورت کیوں پیش آئی بلکہ حیرت اور عظیم حیرت اس پر ہونی چاہیے کہ اس دنیا کے اندر رہ کر اور ہاں جو تمام بشری تقاضوں اور کمزوریوں کے بھی کیونکر ایک بشر نے اس وحی اعظم کے نزول و اجلال کا بوجھ برداشت کر لیا جس کو بتدریج قرآن مجید ہی اگر کسی پہاڑ پر اتار دیا جاتا تو وہ خوف و خشیت خداوندی کے باعث ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا یہی وجہ ہے کہ پہلی وحی کے بعد تین سال کی طویل مدت فترت وحی کی رہی کہ اس میں نزول وحی کا سلسلہ قطعاً بند ہوا اتنی بڑی عظیم نعمت خداوندی کا نزول ہو کر دفعہ رک جانا اور وہ بھی اتنے طویل عرصہ تک یہ آپ پر جتنا شاق گزرا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے برابر کبھی کوئی دوسرا صدمہ آپ کے قلب منور نے برداشت نہیں کیا اور اتنے عظیم صدمہ کو تین سال تک صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرنا آپ کے نبی الانبیاء کی اولوالعززی کی بہت بڑی خصوصیت قرار پائی ہے درحقیقت خلعت رسالت عطا ہو جانے کے بعد کی سہ سالہ روحانی تربیت نے آپ کی روحانی ترقیات کو کمال پر پہنچا دیا تھا اسی لیے اس مدت کے گزرنے پر آپ پر نزول وحی کا سلسلہ بڑی تیزی سے جاری ہو گیا کہ باقی تین سال کی قلیل مدت میں تقریباً ۳۳ ہزار ہا آپ پر نزول وحی الہی سے شرف یاب ہوئے۔

اس موقع پر جو بعض حضرات نے آپ کی خوف دہشت وغیرہ کو عام ضعف انسانی و بشری کے سبب بتلایا، اس کا اظہار بطور سیاست جائز سمجھنا، اس کو ہم آپ کے عظیم مرتبہ رسالت کے شایان نہیں دیکھتے۔ واللہ اعلم جن لوگوں نے اس حالت کو تردیونی البتہ سمجھا، وہ تو انبیاء علیہم السلام کے ایمان و یقین کے مدارج عالیہ اور علوم و کمالات نبوت سے بالکل ہی ناواقف ہیں اللہم ارنا الحق حقاً والباطل باطلا

### دبانے کا فائدہ

صاحب ”ہیچہ النفوس“ نے لکھا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام کا مقصد آپ کو اپنے سینہ سے ملا کر دبانے سے یہ تھا کہ آپ کے اندر ایک زبردست قوت نور یہ پیدا ہو جائے، جس سے آپ وحی الہی کا تحمل فرما سکیں اور اس قسم کے تعصقات اولیاء اللہ کے یہاں بھی پائے گئے ہیں، ایک بزرگ ولی اللہ کا واقعہ نقل ہوا ہے کہ ان کے پاس چند علماء وقت نے آکر اعتراض کئے ان بزرگوں نے خود جواب دینا پسند نہ کیا اور ایک عامی جاہل چر داسے کو مجلس میں سے بلا کر اپنے سینہ سے ملایا اور فرمایا کہ تم ان کے اعتراضات کا جواب دو۔ اس نے نہایت اعلیٰ جوابات دیے، پھر ان لوگوں نے مزید اعتراضات کئے تو ان کے بھی جوابات دے کر ان سب اہل علم و فقہا کو سکت کر دیا۔

پھر ان بزرگ نے اس شخص کو بلا کر دوبارہ سینہ سے ملایا تو پھر ویسا ہی جاہل بن گیا، جیسا تھا، اس پر اس نے عرض کیا کہ جناب والا میں نے سنا ہے خاصان خدا جب کسی کو کچھ عطا کر دیتے ہیں تو اس کو واپس نہیں لیتے، بزرگ نے فرمایا کہ یہ درست ہے جو تم کہتے ہو مگر تمہارا حصہ اس علم میں نہیں ہے، پھر اس کو ایک دوسری نعمت کی بشارت دی جو اس کو حاصل ہوئی۔

صاحب ہیچہ نے اس قصہ کو نقل کر کے لکھا کہ جب ایک بشر کے لیے بشری ملامت سے یہ اثر ہو سکتا ہے تو روح القدس (جبریل علیہ السلام) کے جسد کی ملامت سے جسد اطہر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا کچھ اثرات نہ پیدا ہوئے ہوں گے، اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت شیخ الشارح خواجہ باقی باللہ (شیخ و مرشد حضرت مجدد صاحب سرہندی) کا بھی منقول ہے کہ ایک دفعہ آپ کے یہاں چند مہمان آ گئے اور اس وقت ان کی ضیافت کے لیے آپ کے یہاں کچھ موجود نہ تھا۔ آپ کچھ متردد ہوئے کہ پڑوسی نان بائی کو خبر مل گئی جو فوراً ہی ایک سنی میں کھانا لگا کر حضرت خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا آپ بہت خوش ہوئے اور اس سے فرمایا کہ جو چاہو مانگ سکتے ہو، نان بائی نے کہا میری خواہش یہ ہے کہ آپ مجھے اپنا جیسا کر دیجئے! خواجہ صاحب نے فرمایا تم اس کو برداشت نہ کر سکو گے، کوئی اور چیز طلب کرو، مگر وہ اپنے مطالبے پر مصر رہا، اس پر خواجہ صاحب اس کو اپنے حجرے میں لے گئے، اور اس پر اتحادی توجہ ڈالی، کچھ دیر کے بعد نکلے تو دونوں کی صورت بالکل ایک سی تھی، صرف اتنا فرق تھا کہ خواجہ صاحب پر اطمینان و بشارت کی کیفیت تھی، اور نان بائی پر انتہائی اضطراب گھبراہٹ و پریشانی کا عالم طاری تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس کیفیت یا حضرت خواجہ صاحب کی نسبت قویہ کو برداشت نہ کر سکا اور دو تین دن کے بعد اس کا انتقال ہو گیا۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اگر توجہ اتحادی قبول کرنے والا جو ہر قابل ہو تو اس کو نہ صرف یہ کہ کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ وہ کم سے کم وقت میں دوسرے کے کمالات اپنے اندر جذب کر لیتا ہے جیسا کہ حضرت مجدد صاحب سرہندی قدس سرہ ہی کے بارے میں منقول ہے کہ انہی حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی خدمت میں حضرت مجدد صاحب پہنچے، اور بیعت ہوئے اور چند ہی روز میں آپ قطبیت، فردیت وغیرہ مدارج عالیہ تک ترقی فرمائی اور خود خواجہ صاحب نے آپ کو قرب و نہایت وصول الی اللہ کے مرتبہ علیہ کی تحصیل و تکمیل کی بشارت سنائی۔ اور فرمادیا کہ شیخ احمد سرہندی ہمارے یہاں آئے، جو کثیر العلم قوی العمل ہیں، چند ہی روز میں ہم نے ان کے بہت سے عجائب و غرائب حالات مشاہدہ کئے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک آفتاب ہوگا، جس سے سارا جہاں روشن ہوگا۔ ایک روز یوں بھی فرمایا کہ شیخ احمد



سرہندی ایک ایسا سورج ہے جس کے سایہ میں ہم جیسے ہزاروں ستارے کم ہیں۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ توجہ قبول کرنے والا کبھی توجہ دینے والے سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ جیسا کہ یہاں حضرت خواجہ صاحب نے خود فرمایا کہ حضرت مجدد صاحب کی مثال سورج کی سی ہے، اور ہم جیسے ہزاروں ستارے اس کے سایہ میں کم ہیں۔

اب اپنے اصل موضوع کی طرف آجائے اور اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ سرور کائنات، فخر موجودات، افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و کمالات کی نسبت بھی تمام انبیاء سابقین اور ملائکہ مقررین وغیرہ کے مقابلہ میں بالکل ایسی ہی ہے، جسے ایک سورج کی نسبت ستاروں سے ہوتی ہے اور ابتدائی حالات میں جبرائیل علیہ السلام کے آپ کو دبا کر روحانی توجہات کے اقامہ فرمانے سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جبرائیل علیہ السلام آپ سے افضل ہیں یا آپ بہ نسبت ان کے علوم و کمالات میں کم درجہ رکھتے ہیں۔ دوسری مثال محض سمجھنے کے لئے ایسی ہے کہ جیسے ایک بادشاہ کے ارکان دولت و مقررین بارگاہ میں ہوتے ہیں، کچھ ایسے معتمد خاص ہوتے ہیں جو اس کے پیغامات و سروں تک پہنچاتے ہیں۔ لیکن اس بادشاہ کا ایک وزیر اعظم ہوتا ہے جو اس کا سب سے بڑا معتمد نائب و خلیفہ ہوتا ہے، وہ اگرچہ بادشاہ کی مجلس کا ہر وقت حاضر باش نہیں ہوتا بلکہ بعض اہم ضرورتوں کے باعث کافی دور دراز مسافت پر بھی رہتا ہے اور وہاں ایک طویل مدت مصالحت کی کا انتظام و انصرام میں گزار دیتا ہے، لیکن جو اعتماد، تقرب اور درجہ بادشاہ کے یہاں اس کا ہوتا ہے، وہ نہ بادشاہ کے اپنے اہل خاندان میں کسی کا ہوتا ہے، نہ کسی بڑے سے بڑے مقرب درباری کا، نہ دوسرے وزراء و ارکان دولت کا۔ اس لئے کہ بادشاہ کے ملکی مصالح اور ان کے تشییب و فرائز کو پہنچانے والا جس قدر وہ ہوتا ہے، دوسرا نہیں ہو سکتا۔

اسی لیے جب بادشاہ کو کوئی اخص خصوص مشورہ کرنا ہو گا یا کوئی خاص الخاص ہدایت دینی ہوگی تو صرف اسی سے الگ بلا کر مشورہ کرے گا، اور وہ بھی اس احتیاط سے کہ اس وقت کوئی دوسرا اس کا بڑے سے بڑا مقرب و محبوب بھی وہاں اس پاس نہیں جاسکتا، یا اگر اس کا وزیر اعظم کہیں دور ہو گا تو بادشاہ کا خاص درباری مقرب اپنی اس کا پیغام لے کر جائے گا اور با احتیاط تمام وزیر اعظم کو پہنچا دے گا۔ پھر ظاہر ہے کہ اس پیغام کے پورے مقاصد اور اس کی باریکیوں کو جس قدر بادشاہ کا وزیر اعظم سمجھ سکے گا وہ درمیانی اپنی بھی نہیں سمجھ سکتا، اس لئے وزیر اعظم پر اس پیغام کو سوچنے سمجھنے اس پر عمل درآمد کرنے کی ذمہ داریوں کا جس قدر عظیم بوجھ پڑے گا، درمیانی پیغام پر اس کا سوداں حصہ بھی نہ ہو گا اس کے ساتھ یہ بھی گزارش ہے کہ بادشاہ کی حیثیت یا وزیر اعظم کی پوزیشن اپنے دور کے حالات سے نہ قیاس کیجئے، کیونکہ اول تو اس عوامی دور کے بادشاہوں کے وہ پہلے سے اختیارات و ذمہ داریاں نہیں ہیں، پھر وزیر اعظم اور دوسرے وزراء و عوام کے رجحانات وغیرہ کے لحاظ سے بنتے ہیں، اسی لیے وہ عوام کے یا اکثریت کے رجحانات کا ساتھ دینے پر مجبور ہوتے ہیں اور ان کی تبدیلیاں بھی جلد جلد عمل میں آتی رہتی ہیں۔ مگر حق تعالیٰ کی شہنشاہیت کے اصول اس سے بالکل جدا ہیں، وہ خود عالم الغیب والسرائر ہے ایک ایک کے دلوں کے بھید سے واقف ہے اس سے کوئی چیز چھپ نہیں سکتی، اس کے بھی مقررین بارگاہ میں دین و دنیا دونوں کے نظام عالم چلانے کے لیے وزراء و نائبین ہیں، جن میں سے سب سے بڑے نائب و خلیفہ ہونے کا طرہ امتیاز انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوا۔ اس لیے ضروری تھا کہ علمی کمالات میں ان کا مرتبہ سب سے اونچا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی علمی و روحانی تربیت کو دنیا کے ظاہری وسائل سے الگ کر کے اپنے فضل خاص کے تحت رکھا، سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے وہ علوم اقامہ فرمائے، جن کے باعث ان کی برتری و افضلیت تمام ملائکہ اور جن و انس پر مسلم ہو گئی، اور اس کے عملی اعتراف کے طور پر ان کو تعظیسی سجدہ کرایا گیا، پھر ان کے بعد بھی جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے، ان سب کی بھی اسی طرح تربیت و تعلیم ہوتی رہی، اور یہ سب انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے زمانہ اور علاقہ رسالت کے لیے خدا کی طرف سے اس کے وزراء کی حیثیت رکھتے تھے۔ ان کے بعد تمام نبیوں کے سردار سب کے علوم و کمالات کے جامع، سب کی شریعتوں کے محافظ، سب کی شرائع سے زیادہ مکمل دین و شریعت کے حامل، فخر موجودات خاتم النبیین والمرسلین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے آخری دور میں حق تعالیٰ کے وزیر اعظم کی حیثیت سے تشریف

لاتے جن کا سب سے بڑا معجزہ بھی علمی معجزہ قرآن مجید ہے جو قیام قیامت تک کامل شریعت مکمل دستور العمل اور نہ منسوخ ہونے والا قانون الہی ہے۔ آپ کو وہ علوم و کمالات اور روحانی مدارج حق تعالیٰ نے عطا فرمائے جو کسی نبی مرسل یا ملک مقرب کو بھی عطا نہیں ہوئے آپ کے علمی و روحانی فیض سے تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاراں ہزار صحابہ کے قلوب جگمگا اٹھے اور ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی بھی اس مرتبہ پر فائز ہو گئے کہ بڑے سے بڑا ولی کامل وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور بعد اوقات بھی آپ کے روحانی فیض سے تمام مومنین کی ارواح طیبہ برابر سیراب ہوتی رہیں اور قیامت تک آپ کا فیض اسی طرح باقی رہے گا۔ اللھم انفعنا جميعا بنفعاته الطيبة ووفقنا لما تحب وترضی بمنک وکریمک یا ارحم الراحمین۔

صاحب نہج نے لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ”کلا واللہ لا یحزیک اللہ“ اٹخ فرماتا اس لیے تھا کہ دنیاوی تجربات سے یہ بات مشہور و معلوم تھی کہ جس شخص کے اخلاق و خصائل اس قسم کے ہوتے ہیں وہ خدا کا محبوب بندہ ہوتا ہے اور اس کو کوئی گزند نہیں پہنچتا۔ نیز حدیث میں بھی آتا ہے کہ حسن سلوک کا کردار ذلت و کسبت کی رسوائیوں سے محفوظ کرتا ہے۔ یہاں پانچ خصائل کا ذکر ہوا ہے جو اصول مکارم اخلاق ہیں دوسری روایت میں تصدیق الکلام اور تودی الامانات بھی آیا ہے کہ آپ سچ بولتے ہیں اور لمانات کی ادائیگی فرماتے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زمانہ کی عادت و تجربات کے مطابق بھی کوئی بات کہنا درست ہے بشرطیکہ اس سے اوامر و نواہی شرعیہ میں کوئی خلل واقع نہ ہوتا ہو۔

اکھتراں آخری فائدہ صاحب ہیچہ النفوس امام ابن ابی جرہ نے اس پر لکھا کہ حمی الوجی سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا مقصد ہے آپ نے لکھا ہے کہ ابتداء وحی کے بیان میں قبل رسالت کے خوابوں کے مطابق ظہور واقعات کو طلوع سپیدہ سحر سے تشبیہ دی گئی تھی لہذا جب نزول وحی کا وقت پہنچا تو وہ رسالت کا طلوع شمس تھا اور جس طرح طلوع کے بعد آفتاب کی روشنی و گرمی برابر بڑھتی رہتی ہے آفتاب رسالت نے بھی اپنے ترقی پذیر نور و حرارت سے سارے عالم امکان کو پوری طرح نور و حرارت سے فیضیاب کر دیا تھا۔

پھر اس تشبیہ سے ممکن تھا کہ کوئی سمجھے کہ جس طرح بعد نصف النہار آفتاب مساوی کی حرارت و نور میں کمی آنے لگتی ہے آفتاب رسالت کے فیض میں بھی کمی ہوگی تو حمی الوجی کے ساتھ وتالیح کا لفظ زیادہ کیا تاکہ بتلایا جاسکے کہ آفتاب رسالت کا فیضان ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ برابر بڑھتا چلا گیا اور علوم نبوت کی گرمی و حرارت روشنی و تابا کی میں کوئی زوال و انحطاط نہ آ سکا صفحہ (۱/۲۵)

بحث و نظر: قرآن مجید میں جو ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی ہوئی ہے اس کے بارے میں آئمہ محدثین و فقہاء میں یہ بحث رہی ہے کہ وہ ہر سورت کا جزو بھی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں ان کے تین مذاہب ہیں امام مالک و امام اوزاعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ وہ کسی سورت کا جزو نہیں ہے۔ نہ قرآن مجید کی آیت ہے بجز اس کے جو سورہ نحل کے وسط میں نازل ہوئی ہے (بعض حنفیہ اور بعض اصحاب امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے اور وہ لوگ خود امام احمد سے بھی ایک روایت اسی کی بیان کرتے ہیں) دوسرا بالکل اس کے مقابل امام شافعی کا قول ہے کہ وہ سورہ فاتحہ اور دوسری ہر سورت کا جزو ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ بجز سورہ فاتحہ کے اور سورتوں کا جزو نہیں ہے تیسرا مذہب اکثر فقہاء و محدثین احناف امام احمد ابن مبارک وغیرہ کا ہے کہ وہ قرآن کا جزو ہے جس طرح کہ ہر سورت کے شروع میں مکتوب ہے مگر وہ کسی سورت کا جزو نہیں ہے۔ بقول حافظ زبلی کے یہ قول وسط (درمیانی) اور محققین اہل علم کا ہے کیونکہ تمام حدیثی دلائل اور آثار کی روشنی میں یہی فیصلہ بہتر ہے۔

اس کے بعد یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ نماز میں سورت کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا کیسا ہے امام مالک کا مشہور مذہب یہ ہے کہ آہستہ و جہر دونوں طرح سے اس کا پڑھنا نماز میں مکروہ ہے امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ جب وہ سورہ فاتحہ کا جزو ہے اس کی قرأت واجب ہے حنفیہ اور اکثر محدثین کا قول یہ ہے کہ اس کی قرأت مستحب ہے۔

پھر قرأت کے قائلین میں سے امام شافعی اور ان کے بعض اصحاب فرماتے ہیں کہ جہراً قرأت مسنون ہے امام ابو حنیفہؒ جمہور اہلحدیث ورائے فقہاء امصار اور جماعت اصحاب امام شافعی کا مذہب یہ ہے کہ بسم اللہ جہراً پڑھنا مسنون نہیں ہے۔ اٹحق بن راہویہ ابن حزم وغیرہ کا قول یہ ہے کہ اختیار ہے کہ آہستہ پڑھ لے یا آواز سے۔ (نصب الراية وقفة الاحوذی)

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے درس کے وقت یہ بھی فرمایا تھا کہ شافعیہ پر اعتراض ہوا ہے کہ اگر بسم اللہ ہر سورت کا جزو ہوتی تو سورۃ اقرء کے شروع میں بھی نازل ہوتی اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ بسم اللہ کا مضمون اس سورت کے شروع میں ادا ہو گیا ہے دوسرے یہ کہ جب آیت بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوئی تو اس کے بعد سورہ مذکورہ کا جزو بن گئی ہے لیکن یہ جواب کمزور ہے کیونکہ بحث متعارف و معہود وصیغہ بسم اللہ الخ میں ہے اس کے معنی و مطلب میں نہیں ہے۔

حافظ زیلعیؒ نے نصب الراية کے مطبوعہ چالیس صفحات میں اس بحث کو نہایت کافی و شافی تفصیل سے لکھا ہے ہر مذہب کے دلائل ذکر کئے ہیں اور اعتراضات و جوابات بھی لکھ دیئے ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ احناف کا مسلک سب سے زیادہ قوی ہے اسی لیے علامہ مبارک پوری نے ہاوجود اپنے تعصب کے اقرار کیا کہ میرے نزدیک نماز میں بسم اللہ کے جہر سے احتیاط اسرار زیادہ بہتر ہے۔ امام ترمذی نے ترک جہر بسم اللہ کا باب قائم کر کے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر و عثمان سب کے ساتھ نمازیں پڑھیں میں نے کسی کو نہیں سنا کہ بسم اللہ پڑھتے ہوں اس حدیث کے رواد میں طویل القدر محدث شہیر امام شعبہؒ بھی ہیں اور مسلم کی روایت میں ہے کہ انہوں نے حضرت قتادہ سے پوچھا کہ آپ نے حضرت انسؓ سے اس کو سنا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! ہم نے ان سے سوال کر کے تحقیق کی تھی امام اوزاعی محدث شام کی روایت میں ہے کہ حضرت قتادہ نے حضرت انسؓ سے اس طرح روایت کی ہے کہ میں نے ان سب حضرات کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں وہ سب الحمد للہ رب العالمین سے قرأت شروع کرتے تھے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو نہ اول قرأت میں پڑھتے تھے نہ آخر میں بعض قائلین جہر نے کہا ہے کہ ممکن ہے ان سب حضرات نے جہراً پڑھی ہو مگر حضرت انسؓ نے نہ سنا ہوا اس کے بارے میں حافظ ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ حدیث انسؓ کو عدم سماع پر محمول کرنا تاویل نہیں بلکہ تحریف کے درجہ میں ہے (فتح الملہم صفحہ ۳۳/۲)

کیونکہ حضرت انسؓ دس سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے پھر ہر سہ خلفاء مذکورین کے ساتھ ۲۵ سال گزارے اتنے عرصہ مدید میں روزانہ کی جہری نمازوں میں یہ سب حضرات جہراً بسم اللہ پڑھتے اور آپ کو خبر نہ ہوتی یہ قطعاً محال اور دور از عقل بات ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری صفحہ ۱۵۵/۲ میں لکھا کہ حضرت انسؓ کی مختلف روایات جمع کرنے سے تو بظاہر نفی جہر ہی ثابت ہے مگر یہ امر بہت مستبعد ہے کہ حضرت انسؓ اتنی طویل مدت ان حضرات کے ساتھ گزار کر بھی کبھی جہراً بسم اللہ پڑھنے کو کسی ایک نماز میں بھی ان سے نہ سنے (یعنی سن کر بھول گئے ہوں گے) حضرت انسؓ نے ایک روایت میں خود اعتراف کیا کہ مجھے اس بارے میں یاد نہیں رہا گویا ایسا ہوا ہوگا کہ زیادہ زمانہ گزرنے کی وجہ سے وہ اس کو بھول گئے ہوں گے پھر یاد پر زور ڈالنے سے جہراً پڑھ لیا یا اور جہراً بسم اللہ کا استحضار نہ ہو سکا۔ لہذا جس روایت سے جہراً بسم اللہ کا ثبوت ہے وہ نفی جہر والی روایت پر مقدم ہوگی (خصوصاً اس لئے بھی کہ حضرت انسؓ والی نفی کی روایات میں بھی مذکورہ بالا استبعاد موجود ہے لہذا جہر والی روایت پر عمل متعین ہو گیا۔

یہاں حافظ نے اپنے مسلک شافعیہ کی تائید میں بالکل انوکھا استدلال کیا ہے اول تو حضرت انسؓ کے یاد نہ کرنے کی روایت مرویات صحاح سے کم درجہ کی ہے دوسرے غالب احتمال یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے آخری عمر میں ذہول غالب ہونے کے زمانے میں ایسا فرمایا ہوگا کہ اب مجھے اچھی طرح یاد نہیں ہے اور آخر عمر میں اس طرح اور مسائل میں بھی انہوں نے فرما دیا ہے اور دوسرے حضرات سے بھی ایسا بہ کثرت منقول ہے کہ حدیث بیان کر کے بھول گئے آخر عمر میں حافظ کمزور ہونے کی وجہ سے یاد نہ رہا مگر حافظ نے اس کے خلاف نیا طرز استدلال نکالا کہ ایک شخص کچھ

مدت گزرنے کی وجہ سے ایک واقعہ کو بھول جائے اور پھر اس کے بعد کے زمانے میں وہ اس کو یاد کر لے اور اس طرح جزم و یقین کے ساتھ حضرت انسؓ کی طرح روایت بھی کرنے لگے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت انسؓ سے سوال ان کے انکار قرأت جہری کے بعد قرأت سری کے بارے میں ہوا ہو جس پر انہوں نے فرمایا کہ تم مجھ سے ایسی بات پوچھتے ہو جو مجھے یاد نہیں۔ (چنانچہ علامہ ابن عبدالبر نے "الانصاف" صفحہ ۲۶ میں لکھا کہ میرے نزدیک جس نے حضرت انسؓ سے یاد کی بات کی وہ اس پر مقدم ہے جس نے بھول کے زمانہ میں ان سے سوال کیا) (نصب الراية صفحہ ۱/۳۳۱)

واضح ہو کہ امام ترمذی نے ترک جہر بسم اللہ کا باب قائم کر کے حدیث یزید بن عبد اللہ بن مغفلؓ روایت کی کہ میں نے نماز میں الحمد سے پہلے بسم اللہ پڑھی تو میرے والد نے فرمایا کہ بیٹا! یہ محدث و بدعت ہے اور صحابہ کرام کو سب سے زیادہ مبغوض اسلام میں تھی باتوں کا پیدا کرنا تھا پھر فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں میں نے کسی کو نہیں سنا کہ بسم اللہ پڑھتے ہوں تم بھی مت پڑھو! الحمد للہ رب العالمین سے پڑھو! امام ترمذی نے لکھا کہ یہ حدیث حسن ہے اور اسی پر اکثر اہل علم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ وغیرہم اور ان کے بعد تابعین کا عمل رہا اور اس کو سفیان ثوریؒ ابن مبارک امام احمد و اسحق نے اختیار کیا وہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لی جائے جہر سے نہ پڑھی جائے حافظ زیلعی نے لکھا ہے کہ احادیث جہر کی روایت نہ صحاح میں ہوئی نہ مسانید مشہورہ میں البتہ ان کی روایت حاکم اور دارقطنی نے کی ہے اور حاکم کا تسامع سب جانتے ہیں کہ وہ احادیث ضعیفہ بلکہ موضوعات تک کی تصحیح کر دیتے ہیں۔ دارقطنی نے اپنی کتاب کو احادیث غریبہ شاذہ اور معللہ سے بھر دیا ہے اور کتنی ہی احادیث ایسی لائے ہیں جو کسی دوسری کتاب میں نہیں ملتیں۔

حافظ زیلعی نے یہ بزرگ سنا ہے کہ بخاری باوجود اس کے کہ مذہب حنفی سے شدید تعصب رکھتے ہیں اور اس پر اعتراضات کرنے میں بہت پیش پیش ہیں ایک حدیث بھی جہر بسم اللہ کی نہیں لائے اور مسلم میں بھی ایسی کوئی حدیث نہیں ہے بلکہ دونوں حضرات نے حدیث انسؓ ہی کی روایت کی جو خفاء بسم اللہ پر دلیل ہے اگر کہا جائے کہ ان دونوں حضرات نے یہ کب التزام کیا ہے کہ ہر صحیح حدیث کو ضرور ذکر کریں گے؟ ممکن ہے کہ اور احادیث صحیحہ کی طرح حدیث جہر بسم اللہ کو بھی ترک کیا ہو تو ایسی بات کوئی جاہل یا کث حجت جھگڑالو ہی کہہ سکتا ہے کیونکہ جہر بسم اللہ کا مسئلہ نہایت مشہور اہم و مشکل مسائل فقہ میں سے ہے جس پر بڑے بڑے مناظرے ہوتے ہیں اور تصانیف کا اہم موضوع بحث رہا ہے۔ اور امام بخاری کو حدیث و سنت کے راستہ سے امام ابو حنیفہؒ پر ہونے والے اعتراضات کی بڑی تلاش و جستجو رہی ہے وہ اپنی تصحیح کے ابتداء ہی میں باب الصلوٰۃ من الایمان کا باب قائم کر کے احادیث روایت کی ہیں اور مقصد امام صاحب پر رد کرنا ہے کیونکہ امام صاحب نے فرمایا ہے ائمال جزو ایمان نہیں ہیں حالانکہ یہ مسئلہ بہت سے فقہاء کو بھی معلوم نہیں اور مسئلہ جہر کی شہرت عوام و جہلانک میں بھی ہے۔ اسی طرح بخاری بہت سی جگہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا و کذا روایت کر کے قال بعض الناس کذا و کذا لکھتے ہیں جس سے اشارہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف ہوتا ہے اور ان طرز سے امام صاحب پر طنز و تشنیع کر کے یہ دکھلاتے ہیں کہ امام صاحب حدیث کی مخالفت کرتے ہیں غرض ان کے پاس کوئی صحیح حدیث جہر بسم اللہ کی ہوتی تو کیوں نہ لاتے ایسا ناممکن تھا بلکہ محال اور میں خدائے برتر کے حلف اور پھر خدا کے حلف سے کہتا ہوں کہ اگر امام بخاری کو اپنی شرائط کے مطابق یا اس کے قریب درجہ کی ایک حدیث بھی مل جاتی تو اپنی تصحیح کو ہرگز اس سے خالی نہ چھوڑتے اور کوئی حدیث صحیح ہوتی تو امام مسلم بھی ضرور لاتے پھر امام ابو داؤد امام ترمذی امام ابن ماجہ نے بھی تو کوئی حدیث جہر بسم اللہ کی روایت نہیں کی حالانکہ ان کی کتابوں میں احادیث سقیمہ اور اسانید ضعیفہ بھی موجود ہیں۔ البتہ نسائی ایک روایت حضرت ابو ہریرہؓ کی لائے ہیں جس کا ضعف ہم بیان کر چکے ہیں۔ (نصب الراية صفحہ ۱/۳۵۵)

دارقطنی نے مصر جا کر بہت سی احادیث جہر بسم اللہ کی جمع کی تھیں لیکن جب ان کو حلف دے کر پوچھا گیا کہ ان میں کوئی صحیح مرفوع بھی ہے تو کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو کسی کا ثبوت صحیح قوی طریق سے نہیں ہے البتہ صحابہ سے کچھ صحیح ہیں کچھ ضعیف۔

۱۔ حاکم کے تہہات پر نہایت گرانقدر محدثان کلام حافظ زیلعی نے صفحہ ۱/۳۳۶ میں کیا ہے۔ جو متعین علم حدیث کے لیے بہت کارآمد ہے۔

حافظ ابن قیمؒ نے ”ہدی“ میں لکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی جہر بسم اللہ بھی ثابت ہوا ہے (جو تعلیم وغیرہ کے لیے ہوگا) مگر اخفاء کا ثبوت زیادہ ہے کیونکہ اگر آپ ہمیشہ جہر فرماتے تو خلفاء راشدین اور جمہور صحابہ سے کیونکہ نقلی رہتا۔ یہ بڑی محال بات ہے اور اس کو مجمل الفاظ یا کمزور احادیث سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جو احادیث جہر کے ثبوت میں صحیح ہو سکتی ہیں وہ صریح نہیں ہیں اور جو صریح ہیں وہ غیر صحیح ہیں۔ (فتح الملہم ص ۳۷)

حافظ ابن حجرؒ نے درایہ میں بھی اس مسئلہ پر کلام کیا ہے اور قائلین جہر کی طرف سے تین استدلال نقل کئے ہیں ایک یہ کہ جہر کی احادیث طرق کثیرہ سے مروی ہیں۔ اور ترک جہر کی صرف حضرت انس و عبد اللہ بن مظعلؓ سے مروی ہیں لہذا ترجیح کثرت کو ہونی چاہیے اس کا جواب یہ ہے کہ ترجیح کثرت کی وجہ سے جب ہوتی ہے کہ مستند صحیح ہو اور یہاں جہر میں کوئی حدیث مرفوع ثابت نہیں ہو سکی البتہ بعض صحابہ سے موقوف ثبوت ملتا ہے (جیسا کہ اس کا اعتراف خود دارقطنی سے بھی اوپر ذکر ہوا ہے)

دوسرا استدلال یہ ہے کہ احادیث جہر مثبت ہیں دوسری احادیث نافی ہیں اور مثبت کو نافی پر ترجیح ہے حافظ کا یہی استدلال اوپر فتح الباری کے حوالہ سے بھی ہم نقل کر آئے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ احادیث نافی اگرچہ بظاہر نافی ہیں مگر حقیقتاً وہ مثبت ہیں۔

تیسرا استدلال یہ ہے کہ جس راوی سے ترک جہر مروی ہے اس سے جہر بھی مروی ہوا ہے بلکہ حضرت انسؓ سے اس کا انکار بھی منقول ہوا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے آپ سے حفظ کے زمانے میں سنا وہ مقدم ہے اس سے جس نے نسیان کے زمانے میں سنا۔ (فتح الملہم ص ۳۸/۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بسم اللہ کے فاتحہ یا ہر سورت کا جزو نہ ہونے اور اس کو نماز میں بلند آواز سے نہ پڑھنے کے بارے میں امام اعظمؒ کا مسلک زیادہ قوی وسط و معتدل اور مؤید بالاحادیث الصحیحہ و مؤکد بآثار الصحابہ و التابعین ہے جس کی مکمل و مدلل محدثانہ بحث نصب الراية میں دیکھی جاسکتی ہے اس کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ محدثین احناف کے عمل بالجہر و اتباع سنت کا طریق انتق بہ نسبت دوسرے حضرات کے کس درجہ فائق اور تعصب و تنگ نظری وغیرہ سے کتنا بعید ہے۔ بحث مذکور کی مناسبت سے آخر میں ہم حضرت تھانوی قدس سرہ کی ایک ضروری مفید علمی تحقیق امداد الفتاویٰ صفحہ ۷۲/۱ سے نقل کرتے ہیں۔ ایک صاحب نے سوال کیا کہ امام عاصم کے نزدیک ہر دو صورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں تراویح کے اندر ہر سورت پر بسم اللہ نہیں پڑھی جاتی صرف ایک مرتبہ کسی غیر معین سورت کے اول میں پڑھی جاتی ہے اس صورت میں ختم کلام مجید بدوایت حفص عن العاصم کس طرح پورا ہوگا؟ اس کے جواب میں حضرت قدس سرہ نے تحریر فرمایا کہ بسم اللہ کے باب میں ایک مسئلہ قرأت سے متعلق ہے دوسرا فقہ سے اول کا حاصل یہ ہے کہ گو بسم اللہ ہر سورت کا جزو نہ ہو مگر روایت اس کا پڑھنا ہر سورت پر منقول ہے پس اگر کوئی شخص ہر سورت پر نہ پڑھے تو اس کی قرأت اس روایت کے موافق نہ ہوگی گو کوئی جزو متروک نہ ہوا ہو جب کہ کم از کم کسی ایک سورت پر پڑھے دوسرے مسئلہ کا حاصل یہ ہے کہ گو روایت ہر سورت پر بسم اللہ منقول ہو لیکن ہر سورت کا جزو نہیں ہے بلکہ جزو مطلق قرآن مجید کا ہے اگر ایک جگہ بھی پڑھے گا تو پورا قرآن مجید ختم ہو جائے گا گو اس روایت کے موافق اس کی قرأت نہ ہو پس امام عاصم اور امام اعظم کے اقوال میں کوئی مخالف نہیں یہ جب ہے کہ ہر سورت پر بسم اللہ نہ پڑھے اور اگر پڑھے تو شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور امام صاحب کے بھی خلاف نہیں کیونکہ امام صاحب بسم اللہ کو ہر سورت پر ضروری نہیں کہتے یہ نہیں کہ جائز نہیں کہتے درمختار یا رد مختار میں ہر سورت پر تسمیہ کو حسن کہا ہے۔ رہا ہر جگہ پکار کر پڑھنا یہ بلاشبہ احناف کے خلاف ہے اور امام عاصم بھی جہر کو ضروری نہیں کہتے صرف تسمیہ کو ضروری کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم و علمہ الہم۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ جہر بسم اللہ روافض و شیعہ کا شعار رہا ہے اور انہوں نے بہت سی احادیث بھی اس کی تائید کے لیے وضع کر کے عوام کو گمراہ کیا تھا چنانچہ امام سفیان ثوری وغیرہ فرمایا کرتے تھے کہ فرقہ شیعہ کے مقابلہ میں تقدیم ابی بکر و عمرؓ کی طرح ترک جہر بسم اللہ اور مسح علی الخفین اہل سنت کا شعار ہے اور اسی وجہ سے شوافع میں سے بھی بہت سے اکابر ابوی بن ابی ہریرہ وغیرہ ترک جہر کو ترجیح دیا کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تنقیحات کی روشنی میں یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ رمضان شریف کے ختم تراویح میں ہر سورت کے شروع میں بلند آواز سے بسم



اللہ پڑھنی فقہ حنفی کی رو سے درست نہیں اور روایت عامہ کی رو سے ضروری بھی نہیں اس لیے آہستہ آواز سے پڑھنی چاہیے جس طرح کہ دوسری صدی سے اب تک برابر حنفی کا معمول یہ رہا ہے پھر چونکہ سارے ائمہ مجتہدین بجز امام شافعی کے جہر بسم اللہ کو مستنون نہیں فرماتے بلکہ ایک قول میں امام شافعی بھی بسم اللہ کو بجز فاتحہ کے دوسری سورتوں کا جزو نہیں فرماتے اور وہ ایک فرقہ باطلہ کا شعار بھی ہے اس لیے ختم تراویح میں جہر بسم اللہ کا رواج دینے سے احتراز کرنا چاہیے۔ واللہ الموفق۔

۴۔ حدثنا موسى بن اسمعيل قال اخبرنا ابو عوانة قال حدثنا موسى بن ابي عائشة قال حدثنا سعيد بن جبیر عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله تعالى لا تحرك به لسانك لتعجل به قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يعالج من التنزيل شدة وكان مما يحرك شفعية فقال ابن عباس رضي الله عنهما فانا احركهما لك كما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يحركهما وقال سعيد انا احركهما كما رايت ابن عباس رضي الله تعالى عنهما يحركهما فحرك شفعية فانزل الله تعالى لا تحرك به لسانك لتعجل به ان علينا جمعه و قرأه قال جمعه لك صدرك و تقرأه فاذا قرأناه فاتبع قرأه قال فاستمع له وانصت ثم ان علينا بيا نه ثم ان علينا ان تقرأه فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم بعد ذلك اذا اتاه جبريل استمع فاذا نطق جبريل قرأه النبي صلى الله عليه وسلم كما قرأه

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کلام الہی لا تحرك کی تفسیر کے سلسلہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزول وحی کے وقت بہت مشقت برداشت فرمایا کرتے تھے اور آپ اکثر اپنے ہونٹوں کو بھی ہلاتے تھے ابن عباسؓ نے کہا میں اپنے ہونٹ ہلاتا ہوں جس طرح سے آپ ہلاتے تھے سعید کہتے ہیں میں اپنے ہونٹ ہلاتا ہوں جس طرح ابن عباسؓ کو ہلاتے ہوئے دیکھا پھر اپنے ہونٹ ہلائے (ابن عباسؓ نے کہا) پھر یہ آیت اتری کہ اے محمد قرآن کو جلد جلد یاد کرنے کے لیے اپنی زبان نہ ہلاؤ اس کا (آپ کے سینے میں) جمع و محفوظ کر دینا اور اس کو پڑھو دینا ہمارا ذمہ ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ قرآن تمہارے دل میں جمادینا اور جب آپ چاہیں اس کی تلاوت آپ کی زبان مبارک سے کر دینا ہمارا کام ہے پھر جب پڑھ لیں تو اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں (اس کا مطلب یہ ہے) کہ تم اس کو خاموشی کے ساتھ سنتے رہو اس کے بعد مطلب سمجھا دینا ہمارے ذمہ ہے پھر یقیناً یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم اس کو پڑھو (یعنی تم اس کو محفوظ کر سکو) چنانچہ اس کے بعد جب آپ کے پاس جبریل (وحی لے کر) آتے تو آپ (توجہ سے) سنتے جب وہ چلے جاتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس (تازہ وحی) کو اسی طرح (بے تکلف) پڑھتے جس طرح جبریلؑ نے پڑھا تھا۔

تشریح: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرنے کے خیال سے وحی کو جلدی جلدی دہرانے کی کوشش فرماتے تھے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ قرآن ہمارا کلام ہے جس غرض سے ہم اسے نازل کر رہے ہیں اس کا پورا کرنا ہمارے ذمہ ہے اس لیے اطمینان سے نازل ہونے والی وحی کو سینے اس کے محفوظ کرنے کی فکر نہ کیجئے قرآن کی آیتوں میں خدا نے یہ اعجاز بھی پیدا فرما دیا کہ وہ ایک معصوم بچے تک کو یاد ہو جاتی ہیں جب کہ دوسری مذہبی کتابیں مختصر ہونے کے باوجود بڑا آدمی بھی یاد نہیں کر سکتا۔

معلوم ہوا کہ خدا کے کلام عظیم کو قلب انسانی محض ظاہری اسباب کی مدد سے محفوظ نہیں کر سکتا پھر جس طرح اس کو یاد کرنے کی صلاحیت فر فرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی آپ کے صدقے میں آپ کی امت کے افراد کو بھی مرحمت ہوئی۔ واللہ ذو الفضل العظیم

۵۔ حدثنا عبد ان قال اخبرنا عبد الله قال اخبرنا يونس عن الزهري وحدثنا بشر بن محمد قال حدثنا عبد الله قال اخبرنا يونس و معمر نحوه عن الزهري اخبرني عبيد الله بن عبد الله عن ابن عباس رضي الله عنهما قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اجود الناس و كان اجود ما يكون في رمضان حين يلقاه جبريل و كان يلقاه

فی کل لیلۃ من رمضان فیدارسہ القرآن فلرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اجود بالخیر من الريح المرسلۃ.

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصف سخاوت میں تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے اور رمضان میں (دوسرے اوقات کے مقابلہ میں جب جبریلؑ آپ سے ملے تو آپ کا یہ وصف خطہ عروج پر پہنچ جاتا تھا۔ جبریلؑ رمضان کی ہر رات میں آپ سے ملاقات کرتے اور آپ کے ساتھ قرآن کا دور کرتے تھے غرض حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کی نفع رسانی میں تیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

تشریح: اس حدیث میں ذکر ہے کہ رمضان میں جبریلؑ آپ سے قرآن کا دور کرتے تھے یہ اس لیے کہ قرآن دنیا والوں کے لیے رمضان ہی کے مہینے میں نازل ہونا شروع ہوا۔ اس لحاظ سے رمضان سے قرآن کو بہت بڑی مناسبت ہے گویا یہ نزول وحی کا مہینہ ہے اور اسی کے طفیل یہ نزول رحمت کا مہینہ بن گیا اس حدیث سے بھی حکم ہوتا ہے کہ رمضان کے مہینے میں زیادہ سے زیادہ بھلائیاں کرنی چاہئیں اور زیادہ سے زیادہ صدقہ و خیرات کیا جائے۔

”سخاوت“ مال کی تقسیم کا نام ہے اور ”جود“ کا درجہ اس سے اوپر ہے کہ جو چیز جس کے لیے موزوں و مناسب ہو وہ اس کو دی جائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سخاوت مال میں تو بے مثال تھے ہی علوم و کمالات نبوت سے بھی دوسروں کو فیض یاب کرنے میں آپ کی سخاوت دو سعت قلب بے نظیر تھی ظاہر ہے کہ آپ کے روحانی کمالات و مدارج تمام اولین و آخرین سے بڑھے ہوئے تھے آپ کے پاس اتنی بڑی دولت و ثروت تھی کہ کبھی کسی کو حاصل نہ ہوئی اور نہ کسی کو آئندہ حاصل ہوگی۔ اس پر آپ کی پوری خواہش ہمیشہ یہ رہی کہ ان کمالات سے ساری انسانیت مستفید و بہرہ مند ہو۔ چنانچہ آپ کے علوم نبوت و کمالات روحانی کے سب سے پہلے فیض یاب آپ کے صحابہ کرام ہوئے (اور ان کے کمالات کا درجہ یہ ہوا کہ ادنیٰ صحابی کے درجے کو بڑے سے بڑا ولی نہیں پہنچ سکتا۔

ان صحابہ کرام کے نفوس قدسیہ کے فیض ظاہر و باطن سے تابعین و ائمہ مجتہدین مستفید ہوئے اور اسی طرح یہ سلسلہ ظاہری و باطنی علوم نبوت کا ہمارے زمانہ کے علماء اولیاء و علمہ مومنین تک پہنچا اور یہ بات بلا خوف و تردید کی جاسکتی ہے کہ آج اس گئے گزرے دور میں بھی جو ایمان و معرفت خداوندی کی نعمت ایک معمولی درجے کے مومن کو حاصل ہے وہ دنیا کے بڑے سے بڑے غیر مومن عالم و فلسفی کو بھی حاصل نہیں ہے۔

مال ہاتھ کا میل اور دنیا کی ہر دولت آتی جانی چیز ہے حدیث صحیح میں آتا ہے کہ اگر ساری دنیا کی دولت کی قدر خدا کے یہاں چھمر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ اس دنیا کی پانی جیسی بے قیمت چیز سے بھی کافرو بے دین کو ایک گھونٹ پینے کے لیے نہ دیتا۔ حق تعالیٰ کی مشیت نے فیصلہ کیا کہ ”دنیا ئے فانی“ کی ہر دولت کا زیادہ سے زیادہ حق دار وہ لوگ ہیں (کیونکہ ان کو دولت و راحت کا تمام حصہ پہلے دے دیا گیا اور مسلمانوں کو ثانوی درجے میں دنیا کی دولت و راحت سے فائدہ اٹھانے کا حق کچھ شرائط پر موقوف کر دیا گیا اس کے بعد دوسری ”دنیا ئے ابدی“ کی ہر دولت و راحت سے مستفید ہونے کا حق پوری طرح مسلمانوں کو ہوگا اور دوسرے اس سے یکسر محروم ہوں گے یہاں مسلمانوں کی اسلامی زندگی یہ ہے کہ وہ اگر دولت کمائے تو جتنی چاہئے کمائے مگر اس کی نیت صحیح ہو اور اسی کے مطابق عمل یہ ہو کہ اپنی ضروریات کے بعد دینی ضروریات و مصالح پر صرف کرے پھر مسلمانوں کی عام و خاص ضروریات و مصالح پر نظر کرے۔ پھر ملکی و ملی ضروریات و مصالح اور رفاہ عام نیز ہر انسان بلکہ ہر جاندار کی راحت و رسانی و ضروریات پر صرف کرے اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو اس کا دولت کمانا اور مال سمیٹنا اور جمع کرنا نظر شارع میں کسی طرح بھی پسندیدہ نہیں ہے۔

یہ تو اپنی کمائی ہوئی دولت کا حکم ہے۔ اور اگر ایک مسلمان کو ایک بادشاہ ایک وزیر اعظم یا صدر مملکت بننے کا موقع میسر ہو تو اس کے لیے اسوہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسوہ خلفائے راشدین کے اتباع میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی ذاتی ضروریات کو بھی نظر انداز کر کے صرف اپنے ملک و ملت کے مصالح و ضروریات پر ساری دولت کو صرف کر دے۔

چنانچہ مروی ہے کہ بحرین سے ایک لاکھ درہم آئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ مسجد کے ایک گوشہ میں ڈال دیئے جائیں۔ پھر نماز کے بعد سب اسی وقت تقسیم فرما دیئے کسی نے عرض کیا کہ حضور اپنے قرض کی ادائیگی کے لیے کچھ رکھ لیتے؟ فرمایا تم نے پہلے

سے کیوں یاد نہیں دلایا یہ ان کا دل خوش کرنے کو فرما دیا ورنہ آپ کو کیا چیز یاد نہیں تھی؟!

ایک مرتبہ نماز عصر کے بعد غلٹ کے ساتھ حجرہ شریفہ میں تشریف لے گئے اور سونے کا ایک ٹکڑا نکال کر لائے اور مستحقین کو دے دیا فرمایا کہ رسول خدا کے گھر میں ایسی چیز کا رہنا مناسب نہیں عادت مبارکہ تھی کہ کبھی کسی سائل و ضرورت مند کو محروم نہ ہونے دیتے تھے۔ غزوہ حنین کے موقع پر بہت سے دیہاتی عربوں نے آکر آپ کو گھیر لیا اور کہا کہ ہمیں مال دیجئے ہم آپ کا یا آپ کے باپ کا مال نہیں مانگتے بلکہ خدا کا مانگتے ہیں آپ نے اس بات پر کسی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا بلکہ برابر سب کو دیتے رہے مگر اڑدھام زیادہ تھا لوگوں کے ریدے کی وجہ سے آپ پیچھے ہٹتے ہٹتے کیکر کے درختوں میں الجھ گئے اور چادر مبارک پھنس گئی آپ نے فرمایا کہ تم مطمئن رہو اگر ان سب خاوردار درختوں کے برابر اونٹ ہوتے تو وہ سب بھی میں تقسیم کر دیتا۔ مجھے تم بخیل یا کم حوصلہ نہ پاؤ گے۔

غرض دنیاوی مال و متاع کی سخاوت تو روحانی و علمی کمالات کے فیضان کے اعتبار سے بہت کم درجہ کی چیز ہے حق تعالیٰ نے ہی دنیا والوں کو ساری دنیوی نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور قرآن مجید میں فرمایا: ”و ما یکم من نعمۃ فمن اللہ“ کہ جو کچھ نعمتیں تمہارے پاس ہیں وہ سب خدا کی طرف سے ہیں ایک جگہ فرمایا کہ ”وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوها“ اگر تم خدا کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو تو پورا شمار نہ کر سکو گے لیکن جس نعمت خاصہ پر حق تعالیٰ نے خاص طور پر احسان جتلیا ہے وہ رشد و ہدایت کی نعمت ہے جس کا فیضان انبیاء علیہم السلام اور ان کے تائیین علماء و اولیاء کے ذریعے ہوا فرماتے ہیں: ”لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً منهم یتلو علیہم آیاتہ و یزکیہم و یعلمہم الکتاب و الحکمۃ“ حق تعالیٰ نے ایمان کی نعمت سے سرفراز ہونے والوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لیے اپنا رسول بھیجا جو خدا کی آیات تلاوت کر کے ان کے قلوب منور کرتا ہے اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے یعنی برائیوں سے ان کو پاک کرتا ہے اور علوم کتب و سنت کے ذریعے ان کے علم و عرفان کی تکمیل فرماتا ہے۔ یہ سب سے بڑا احسان اور جتلا نے کے قابل نعمت صرف اس لیے ہے کہ اس کا حصول بغیر اس کا حصول بغیر اس خاص ذریعہ و وسیلہ کے ناممکن تھا اور اس کے علاوہ دنیا کے تمام علوم و فنون اور مادی ترقیات کے لیے انسانی عقل و فہم بھی کافی ہو سکتی ہے غرض انبیاء علیہم السلام کے خصوصی فیضان کا تعلق روحانیت سے ہے اور اس بارے میں ان کا جو دو کرم بھی بہت اعلیٰ درجے کا ہے اس لیے سردار انبیاء علیہم السلام کے جو دو سخاوت کو خاص طور سے مدح و ثنا کے موقع میں ذکر کیا گیا ہے رمضان المبارک کے ماہ مقدس کو چونکہ ”نزل وحی“ سے ربط ہے کہ ۷ رمضان سے پہلی وحی کا آغاز ہوا اور اسی ماہ کی ہر رات میں حضرت جبریل علیہم السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لا کر آپ کے ساتھ قرآن مجید کا دور کیا کرتے تھے اس لیے آپ کے جو دو سخاوت کی شان بھی اس وقت بہت بلند ہو جاتی تھی اور اس کا ذکر خاص اہتمام سے حدیث مذکور میں ہوا ہے اور باب بداء الوحی سے اس حدیث کا تعلق یوں ظاہر ہے کہ پہلے بدوحی کا مکان عار حرا بتلایا تھا تو یہاں سے بدوحی کے زمانہ کی طرف اشارہ ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب

۶- حدثنا ابو الیمان الحکم بن نافع قال اخبرنا شعب بن الزہری قال اخبر فی عبید اللہ بن عبد اللہ ابن

عتبہ بن مسعود ان عبد اللہ بن عباس اخبرہ ان ابا سفیان بن حرب اخبرہ ان ہرقل ارسل الیہ فی ركب من قریش و كانوا تجارا بالشام فی المدة التي کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما دلیہا ابا سفیان و کفار قریش فاتوه و ہم بایلیاء فدعاہم فی مجلسہ و حوله عظماء الروم ثم دعاہم دعا ترجمانہ فقال ایکم اقرب نسبا بهذا الرجل الذی یزعم انه نبی قال ابو سفیان فقلت انا اقربہم نسبا فقال اذنوہ منی و قربوا اصحابہ فاجعلواہم عند ظہرہ ثم قال لترجمانہ قل لہم انی سائل ہذا عن ہذا الرجل فان کذبنی فکذبوہ فواللہ لو لا الحیاء من ان یا ثروا علی کذبا لکذبت عنہ ثم کان اول ما سألنی عنہ ان قال کیف نسبه فیکم؟ قلت هو فینا ذو نسب قال فہل

قال هذا القول منكم احد قط قبله ؟ قلت لا قال فهل كان من ابائه من ملك ؟ قلت لا قال فاشراف الناس تبعوه ام ضعفاء هم ؟ قلت بل ضعفاء هم قال ايزيدون ام ينقصون ؟ قلت بل يزيدون قال فهل ير تداحد منهم سخطه لدينه بعد ان يدخل فيه ؟ قلت لا قال فهل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال ؟ قلت لا قال فهل يغدر ؟ قلت لا نحن منه في مدة لا ندرى ما هو فاعل فيها قال ولم يمكني كلمة ادخل فيها شيئا غير هذه الكلمة قال فهل قا تلتموه ؟ قلت نعم قال فكيف كان قالكُم اياه قلت الحرب بيننا وبينه سجال بنال منا و نال منه قال ماذا يا مكرم ؟ قلت يقول اعبد الله وحده ولا تشركوا به شيئا واتركوا ما يقول ابائكم و يا مكرم بالصلاة والصدق والعفاف فقال لترجمان قل له سالتك عن نسبه فذكرت انه فيكم ثوب نسب و كذلك الرسل تبعت في نسب قومها و سالتك هل قال احلمتكم هذا القول فذكرت ان لا قلت لو كان احد قال هذا القول قبله لقلت رجل يتاسى بقول قبله و سالتك هل كان من ابائه من ملك فذكرت ان لا فقلت فلو كان من ابائه من ملك قلت رجل يطلب ملك ابيه و سالتك هل كنتم تتهمونه بالكذب قبل ان يقول ما قال فذكرت ان لا فقد اعرف انه لم يكن ليلد الكتاب على الناس و يكذب على الله و سالتك اشراف الناس تبعوه ام ضعفاء هم فذكرت ان ضعفاءهم تبعوه وهم اتباع الرسل و سالتك ايزيدون ام ينقصون فذكرت انهم يزيدون و كذلك امر الايمان حتى يتم و سالتك اير تد احد سخطه لدينه بعد ان يدخل فيه فذكرت ان لا و كذلك الايمان حين تخالط بشاشته القلوب و سالتك هل يغدر فذكرت ان لا و كذلك الرسل لا تغدرو سالتك بما يا مكرم فذكرت انه يا مكرم ان تعبدوا الله و لا تشركوا به شيئا و يتهاكم عن عبادة الا و ثان و يا مكرم بالصلاة والصدق والعفاف فان كان ما تقول حقاً فسيملك موضع قلبي هاتين و قد كنت اعلم انه خارج و لم اكن اظن انه منكم فلما نبي اعلم اني اخلص اليه لتجشمت لقائه لو كنت عنده لفعلت عن قلبي ثم دعا بكتاب رسول الله صلى الله عليه وسلم الذي بعث به مع دحية الكلبي الى عظيم بصرى فدفعه عظيم بصرى الى هرقل فقراه فاذا فيه بسم الله الرحمن الرحيم من محمد عبدالله ورسوله الى هرقل عظيم الروم سلام على من اتبع الهدى. اما بعد فاني ادعوك بدعائه الاسلام اسلم تسلم يوتك الله اجر ك مرتين فان توليت فان عليك اليم اليسين و يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم الا نعبد الا الله و لا نشرك به شيئا و لا يتخذ بعضنا بعضا ارباباً من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا باانا مسلمون قال ابو سفيان فلما قال ما قال وفرغ من قراءة الكتاب كثر عنده الصخب فارفعت الاضواء واخرجنا فقلت لا صحابي حين اخرجنا لقد امر امر ابن ابي كبشة انه يخافه ملك بني الاصفر فلما زلت موقفاً انه سيظهر حتى ادخل الله على الاسلام وكان ابن الناطور صاحب ايلياء وهرقل سقفاً على نصارى الشام يحدث ان هرقل حين قدم ايلياء اصبح يوماً خبيث النفس فقال بعض بطارقه قد استكر ناهيتك قال ابن الناطور وكان هرقل خزاًء ينظر في النجوم فقال لهم حين سالوه اني رايت الليلة حين نظرت في النجوم ملك النخنان قد ظهر فمن يختن من هذه الامة قالوا اليس يختن الا اليهود فلا يهمنك شأنهم واكتب الى مدائن ملك فليقتلوا من فيهم من اليهود فيبينما هم على امرهم الى هرقل برجل ارسل به ملك غسان يخبر عن خير رسول الله صلى الله عليه وسلم فلما استخبره هرقل قال اذهبوا فانظروا مختن هوام لانظروا اليه فحدثوه انه مختن وساله عن العرب فقال هم يختنون فقال هرقل هذا ملك هذه الامة قد ظهر ثم كتب هرقل الى صاحب له برومية وكان نظيره في العلم وسار هرقل الى حمص فلم يرم حمص حتى اتاه كتاب من صاحبه يوافق راي هرقل على خروج النبي صلى الله عليه وسلم وآله نبي فاذن

هرقل لظماء الروم فی دسكرة له بحمص ثم امر: بوا بها فخلقت ثم اطلع فقال يا معشر الروم هل لكم فی الفلاح والرشد وان یثبت ملککم فتابعوا هذا النبی فحاصرو حصنة جمر الوحش الی الابواب فوجدوها قد غلقت فلما رای هرقل نفرتهم وایس من الایمان قال ردوهم علی وقال الی قلت مقاتلی انما اخترت بها شلتکم علی دینکم فقد رایت فسجلوا له ورضوا عنه فكان ذلك اخر شان هرقل قال ابو عبد الله رواه صالح بن کيسان ویونس ومعمار عن الزهري.

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ نے سفیان بن حرب سے نقل کیا کہ ہرقل نے ان کے پاس قریش کے قافلے میں ایک آدمی بھیجا اس وقت یہ لگ تجارت کے لیے شام گئے ہوئے تھے اور یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش اور ابوسفیان سے ایک وقتی معاہدہ کیا تھا تو ابوسفیان اور دوسرے لوگ ہرقل کے پاس ایلیا پہنچے جہاں ہرقل نے انہیں اپنے دربار میں طلب کیا تھا اس کے گرد روم کے بڑے بڑے لوگ بیٹھے تھے، ہرقل نے انہیں اور اپنے ترجمان کو بلوایا، پھر ان سے پوچھا کہ تم میں سے کون شخص مدعی رسالت کا قریشی عزیز ہے؟ ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں بول اٹھا کہ میں اس کا سب سے زیادہ قریشی رشتہ دار ہوں (یہ سن کر) ہرقل نے حکم دیا کہ اس (ابوسفیان) کو میرے قریب لاؤ اور اس کے ساتھیوں کو اس کے پس پشت بٹھادو، پھر اپنے ترجمان سے کہا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں ابوسفیان سے اس شخص (یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا حال پوچھتا ہوں، اگر یہ مجھ سے جھوٹ بولے تو تم اس کا جھوٹ ظاہر کر دینا (ابوسفیان کا قول ہے کہ، خدا کی قسم! اگر مجھے غیرت نہ آتی کہ یہ لوگ مجھے جھوٹا کہیں گے تو میں آپ کی نسبت ضرور غلط بد گوئی سے کام لیتا، خیر پہلی بات جو ہرقل نے مجھ سے پوچھی وہ یہ کہ اس شخص کا خاندان تم لوگوں میں کیسا ہے؟ میں نے کہا کہ وہ تو بڑے نسب والا ہے، کہنے لگا، اس سے پہلے بھی کسی نے تم لوگوں میں ایسی بات کہی تھی؟ میں نے کہا کہ نہیں، کہنے لگا، اچھا اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ بھی ہوا ہے؟ میں نے کہا نہیں، پھر اس نے کہا، بڑے لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی یا کمزور دن نے؟ میں نے کہا کمزوروں نے، پھر کہنے لگا کہ اس کے قبضین روز بروز بڑھتے جا رہے ہیں؟ میں نے کہا ان میں زیادتی ہو رہی ہے، کہنے لگا، اچھا اس کے دین کو برا سمجھ کر اس کا کوئی ساتھی پھر بھی جاتا ہے؟ میں نے کہا نہیں، اس نے کہا کہ کیا اس کے دعوے (نبوت) سے پہلے تم لوگ اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے تھے؟ میں نے کہا نہیں، پوچھا کیا وہ عہد شکنی کرتا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ البتہ اب ہماری اس سے (صلح کی) ایک مدت ٹھہری ہوئی ہے، معلوم نہیں وہ اس میں کیا کرتا ہے (ابوسفیان کہتے ہیں۔ بس اس بات کے سوا اور کوئی (مغالطہ آمیز) بات اس (گفتگو) میں شامل نہ کر سکا، ہرقل نے کہا کہ کیا تمہاری اس سے لڑائی بھی ہوتی ہے؟ میں نے کہا ہاں! بولا، پھر تمہاری اس کی جنگ کس طرح ہوئی ہے؟ میں نے کہا، لڑائی ذول کی طرح ہوتی ہے کبھی وہ ہم سے میدان جنگ لے لیتے ہیں اور کبھی ہم ان سے، ہرقل نے پوچھا وہ تمہیں کس بات کا حکم دیتا ہے؟ میں نے کہا کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اس کا کسی کو شریک نہ بناؤ اور اپنے باپ دادا کی (شرک کی) باتیں چھوڑ دو، اور ہمیں نماز پڑھنے سچ بولنے، پرہیزگاری اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔ (یہ سب سن کر) پھر ہرقل نے اپنے ترجمان سے کہا کہ ابوسفیان سے کہہ دو کہ میں نے تم سے اس کا نسب پوچھا تو تم نے کہا کہ وہ ہم میں عالی نسب ہے اور پیغمبر اپنی قوم میں عالی نسب ہی بھیجے جایا کرتے ہیں۔ میں نے تم سے پوچھا کہ دعویٰ (نبوت) کی یہ بات تمہارے اندر اس سے پہلے کسی اور نے بھی کہی تھی، تو تم نے جواب دیا کہ نہیں۔ تب میں نے (اپنے دل میں) یہ کہا اگر یہ بات اس سے پہلے کسی نے کہی ہوتی تو میں یہ سمجھتا کہ اس شخص نے بھی اس بات کی تقلید کی ہے جو پہلے کہی جا چکی ہے میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے بڑوں میں کوئی بادشاہ بھی گذرا ہے؟ تم نے کہا کہ نہیں تو میں نے (دل میں) کہا کہ ان کے بزرگوں میں سے کوئی بادشاہ ہوا ہوگا تو کہہ دوں کہ وہ شخص اس بہانے سے اپنے آباؤ اجداد کا ملک حاصل کرنا چاہتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس بات کے کہنے (یعنی پیغمبری کا دعویٰ کرنے سے) پہلے کبھی تم نے اس دروغ گوئی کا الزام لگایا ہے؟ تم نے کہا کہ نہیں تو میں نے سمجھ لیا کہ جو شخص آدمیوں کے ساتھ دروغ گوئی سے بچے وہ اللہ کے بارے میں کیسے جھوٹی بات کہہ سکتا ہے اور میں نے تم سے پوچھا کہ بڑے لوگ اس کے پیرو ہوتے ہیں یا کمزور

آدی؟ تم نے کہا کہ کمزوروں نے اس کا اتباع کیا تو وہ (اصل) یہی لوگ پیغمبروں کے متبعین ہوتے ہیں اور میں نے تم سے پوچھا کہ اس کے ساتھی بڑھ رہے ہیں یا کم ہو رہے ہیں تم نے کہا کہ وہ بڑھ رہے ہیں اور ایمان کی کیفیت یہی ہوتی ہے حتیٰ کہ وہ کامل ہو جاتا ہے اور میں نے پوچھا کہ کوئی شخص ناخوش ہو کر اس کے دین سے لوٹ بھی جاتا ہے تم نے کہا نہیں تو ایمان کی خاصیت بھی یہی ہے جن کے دلوں میں اس کی حلاوت اتر جاتی ہے تو پھر وہ ان سے ہرگز جدا نہیں ہو سکتا اور میں نے پوچھا کہ آیا وہ عہد شکنی کرتے ہیں تم نے کہا کہ وہ ہم کو حکم دیتے ہیں کہ اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور تمہیں بتوں کی پرستش سے روکتے ہیں بچ بولنے اور پرہیزگاری کا حکم دیتے ہیں لہذا اگر یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو سچ ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کا بھی حاکم ہو جائے گا جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں مجھے معلوم تھا کہ وہ پیغمبر آنے والا ہے مگر مجھے خیال نہیں تھا کہ وہ تمہارے اندر ہوگا اگر میں جانتا کہ اس تک پہنچ سکوں گا تو اس سے ملنے کے لیے ہر تکلیف گوارہ کرتا مگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا پھر ہر قل نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ خط منگایا جو آپ نے دجیہ بکلی کے ذریعے حاکم بصری کے پاس بھیجا تھا اور اس نے وہ ہر قل کے پاس بھیج دیا تھا ہر قل نے اس کو پڑھا تو اس میں لکھا تھا یہ اللہ کے نام کے ساتھ جو نہایت مہربان اور رحم والا ہے اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر محمد کی طرف سے ہر قل شاہ روم کے لیے اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے اس کے بعد میں تمہیں دعوت اسلام دیتا ہوں کہ اسلام لے آؤ گے تو دین و دنیا کی سلامتی نصیب ہوگی اللہ تمہیں دو ہر اواب دے گا اور اگر تم میری دعوت سے روگردانی کرو گے تو (تمہاری) رعایا کا گناہ بھی تم ہی پر ہوگا اور اہل کتاب ایک ایسی بات پر آجاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان یکساں ہے وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور نہ ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا رب بنائے پھر اگر وہ اہل کتاب (اس بات سے) منہ پھیر لیں تو (مسلمانو!) تم ان سے کہہ دو کہ (تم مانویانہ مانو) ہم تو ایک خدا کے اطاعت گزار ہیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں جب ہر قل نے یہ باتیں کہیں اور خط پڑھ کر فارغ ہوا تو اس کے ارد گرد بہت شور و غوغا ہوا بہت سی آوازیں اٹھیں اور ہمیں باہر نکال دیا گیا تب میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ابو بکرؓ کے بیٹے کا معاملہ تو بہت بڑھ گیا۔ (دیکھو تو) اس سے بنی اصغر (روم کا بادشاہ) بھی ڈرتا ہے۔ مجھے اس وقت سے اس بات کا یقین ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عنقریب غالب ہو کر رہیں گے۔ حتیٰ کہ اللہ نے مجھے مسلمان کر دیا۔ (راوی کا بیان ہے) کہ ابن ناظور ایلیم کا حاکم ہر قل کا مصاحب اور شام کے نصاریٰ کالائٹ پادری بیان کرتا تھا کہ ہر قل جب ایلیم میں آیا ایک دن صبح کو پریشان حال اٹھا اس کے درباریوں نے دریافت کیا کہ آج آپ کی صورت بدلی ہوئی پاتے ہیں (کیا وجہ ہے؟) ابن ناظور کا بیان ہے کہ ہر قل نجومی تھا علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا اس نے اپنے ہم نشینوں کے پوچھنے پر بتلایا کہ میں نے آج رات ستاروں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ختنہ کرنے والوں کا بادشاہ غالب آگیا (بتلاؤ؟) اس زمانے میں کون لوگ ختنہ کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ یہود کے سوا کوئی ختنہ نہیں کرتا سوان کی وجہ سے آپ قطعاً پریشان نہ ہوں سلطنت کے تمام شہروں میں یہ حکم لکھ بھیجے کہ وہاں جتنے یہودی ہوں سب قتل کر دیئے جائیں وہ لوگ ان ہی باتوں میں مشغول تھے کہ ہر قل کے پاس ایک شخص لایا گیا جسے شاہ عمان نے بھیجا تھا اس نے رسول اللہ کے حالات بیان کئے جب ہر قل نے سارے حالات ان سے سن لیے تو کہا کہ اس کو لے جاؤ اور دیکھو کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہے یا نہیں؟ انہوں نے اسے دیکھا تو بتلایا کہ وہ ختنہ کیا ہوا ہے ہر قل نے جب اس شخص سے عرب کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتلایا کہ وہ ختنہ کرتے ہیں۔ تب ہر قل نے کہا کہ یہ یہی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) اس امت کے بادشاہ ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں پھر اس نے اپنے ایک دوست کو رومیہ لکھا اور وہ علم نجوم میں ہر قل کی فکر کا تھا۔ پھر خود ہر قل جمع چلا گیا ابھی جمع سے نکلا نہیں تھا کہ اس کے دوست کا خط (اس کے جواب میں) آگیا اس کی رائے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں ہر قل کے موافق تھی کہ محمدؐ (واقعی) پیغمبر ہیں اس کے بعد ہر قل نے روم کے بڑے آدمیوں کو اپنے جمع کے محل میں طلب کیا اس کے حکم سے محل کے دروازے بند کر لیے گئے پھر اپنے محل سے یوں گویا ہوا۔ ”اے روم والو! اگر تم ہدایت و کامرانی کے طلب کار ہو اور اپنی



سلطنت و حکمرانی کی بقاء چاہتے ہو تو پھر اس نبی کی بیعت کر لو۔“ (یہ سننا تھا کہ) وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف دوڑے مگر انہیں بند پایا (آخر جب ہرقل نے (اس بات سے) ان کی یہ نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو کہنے لگا کہ ان لوگوں کو پھر میرے پاس لاؤ جب وہ دوبارہ آئے تو اس نے کہا میں نے جو بات کہی تھی اس سے تمہاری دینی پختگی کی آزمائش مقصود تھی سو وہ میں نے دیکھ لی (یہ بات سن کر) سب کے سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑے اور اس سے خوش ہو گئے بس یہ ہرقل کا آخری حال ہے ابو عبد اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کو صالح بن کیسان یونس اور معمر نے بھی زہری سے روایت کیا ہے۔

**تشریح: قریب واقعات:** اس حدیث میں کئی واقعات کی طرف اشارہ ہے اور ترتیب واقعات اس طرح صحیح معلوم ہوتی ہے کہ ہرقل نے اولاً بیت المقدس میں علم نجوم کے ذریعہ معلوم کیا کہ ملک النحان کا غلبہ ہوگا۔ ان ہی ایام میں ملک غسان نے ہرقل کے پاس قاصد بھیجا جس سے اس کو ملک عرب کے حالات معلوم ہوئے پھر ہرقل نے رومیہ کے عالم نجوم ضفاطرنامی کے پاس خط بھیج کر اس کی رائے دریافت کی وہاں سے جواب نہیں آیا تھا کہ اسی اثنا میں اس کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی دعوت اسلام کے لیے پہنچ گیا اور آپ کے ذاتی حالات کی تحقیق کے لیے اس نے عربوں کا پانگایا تو بیت المقدس سے قریب ہی ایک مقام غزہ میں حضرت ابوسفیان کی امارت میں تیس شتر سوار تاجران مکہ معظمہ کا قافلہ مقیم تھا ان سب کو بلا کر ہرقل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دس سوالات کئے جن کے جوابات حضرت ابوسفیان نے دیئے اور ہرقل نے متاثر ہو کر اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا۔ جس پر حاضرین و رہبر نے شور و شغب کیا اس کے بعد جب ہرقل بیت المقدس سے حمص واپس ہوا اور وہاں اس کو ضفاطرا کا جواب بھی ملا تو ملک کے بڑے لوگوں کو اپنے محل میں بلا کر دوبارہ اپنی عقیدت مندی کا مظاہرہ کیا مگر ان سب لوگوں نے مخالفت کی اور اس کے بعد ہرقل کا رویہ بھی تبدیل ہو گیا۔ واللہ یہودی من یشاء الی صراط مستقیم۔

ان سب واقعات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے ابتدائی اسلامی تاریخ کے چند ورق پڑھئے! جن سے آپ کو اپنی زندگی کے لیے بھی روشنی ملے گی۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا۔ (احزاب)

## عہد نبوت کا ایک زریں باب

در بار رسالت کی طرف سے شاہان دنیا کو دعوت اسلام حروب روم و فارس کی فتح و شکست کے بار میں قرآن مجید کی پیش گوئی۔ سب سے پہلے آیات قرآنیہ الم غلبت الروم فی ادنی الارض کا ترجمہ پھر اس کی تفسیر میں حضرت علامہ عثمانی کا بصیرت افروز تفسیری نوٹ ملاحظہ کیجئے:- حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ترجمہ:- الم رومی قریب والے ملک میں مغلوب و شکست خوردہ ہو گئے ہیں اور وہ شکست کے بعد نو سال کے اندر ہی غالب و فاتح ہو جائیں گے (در حقیقت) پہلے پچھلے سارے کام اللہ تعالیٰ ہی کے حکم و اختیار سے ہوتے ہیں اس (فتح کے) دن مسلمان خدا کی نصرت کی وجہ سے خوش ہوں گے خدا جس کی چاہے مدد کرتا ہے وہ بڑے اختیار و قدرت اور رحم و کرم والا ہے خدا کا وعدہ ہو چکا کہ ”وہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا مگر اکثر لوگ صحیح علم سے بے بہرہ ہیں وہ دنیاوی زندگی کی کچھ سطحی باتوں سے واقفیت رکھتے ہیں (جس سے کمانے کھانے اور ظاہر و پاریشی شپ ٹاپ کے ڈھنگ اچھے بنالیے ہیں لیکن (اس زندگی کے بعد شروع ہونے والی) آخرت کی زندگی سے بے خبر ہیں۔

تفسیری نوٹ:- ”ادنی الارض“ ملتے ہوئے ملک یا پاس والے ملک سے مراد اذرعات و بھری کے درمیان کا خطہ ہے جو شام کی سرحد پر حجاز سے ملتا ہوا مکہ کے قریب واقع ہے یا فلسطین مراد ہو جو رومیوں کے ملک سے نزدیک تھا یا جزیرہ ابن عمر جو فارس سے زیادہ قریب ہے ان آیات میں قرآن مجید نے ایک عجیب و غریب پیشین گوئی کی جو اس کی صداقت کی عظیم الشان دلیل ہے واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے کی سب سے بڑی دو سلطنتیں فارس و روم مدت دراز سے آپس میں لگراتی چلی آ رہی تھیں ۶۰۲ء و ۶۱۴ء کے بعد تک ان کی سخت لڑائیاں رہیں (انسکلو پیڈیا برٹانیکا)

## حروب روم و فارس

۵۷۰ء میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریفہ اور چالیس سال بعد ۶۱۰ء آپ کی بعثت ہوئی، مکہ والوں کو جنگ روم و فارس کے متعلق خبریں پہنچتی رہتی تھیں اسی دوران میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت اور اسلامی تحریک نے ان لوگوں کے لیے ان جنگی خبروں میں ایک خاص دلچسپی پیدا کر دی فارس (ایران) کے آتش پرست مجوسی کو مشرکین مکہ اپنے سے نزدیک سمجھتے تھے اور روم کے نصاریٰ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے مسلمانوں سے قریب تر قرار پاتے تھے اس لیے جب فارس کے غلبہ کی خبر آتی مشرکین مکہ خوش ہوتے اس سے مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنے غلبہ کی قال لیتے خوش آئندہ توقعات باندھتے تھے اور مسلمانوں کو طبعاً اس سے صدمہ ہوتا کہ عیسائی اہل کتاب آتش پرست مجوسیوں سے مغلوب ہوں اور اس وقت ان کو مشرکین مکہ کی ثنات کا بھی ہدف بننا پڑتا تھا۔

آخر ۶۱۴ء کے بعد (جب کہ ولادت مجوسی کو قمری حساب سے تقریباً پینتالیس سال ہوئے اور بعثت کے پانچ سال گزر چکے) خسرو پرویز (کی خسرو ثانی) کے عہد میں فارس نے روم کو ایک نہایت زبردست و فیصلہ کن شکست دی کہ شام، مصر، ایشیائے کوچک وغیرہ سب ممالک رومیوں کے ہاتھ سے نکل گئے ہرقل (قیصر روم) کو ایرانی لشکر نے قسطنطنیہ میں پناہ گزین ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور رومیوں کا دار السلطنت بھی خطرہ میں پڑ گیا بڑے بڑے پادری قتل یا قید ہو گئے بیت المقدس سے عیسائیوں کی سب سے زیادہ مقدس صلیب بھی ایرانی فاتحین لے گئے قیصر روم کا اقتدار بالکل فنا ہو گیا اور بظاہر اسباب کوئی صورت روم کے ابھرنے اور فارس کے تسلط سے نکلنے کی باقی نہ رہی۔

## فارس کی فتح اور روم کی شکست کے اثرات

یہ حالات دیکھ کر مشرکین مکہ نے خوب خوشیاں منائیں، مسلمانوں کو چھیڑنا شروع کیا بڑے بڑے حوصلوں کے ساتھ اپنے سیاسی تفوق کی توقعات قائم کرنے لگے، حتیٰ کہ بعض مشرکین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آج ہمارے بھائی ایرانیوں نے تمہارے بھائی رومیوں کو مٹا دیا ہے، کل ہم بھی تمہیں اسی طرح مٹا ڈالیں گے اس وقت قرآن مجید نے سلسلہ اسباب ظاہری کے بالکل خلاف عام اعلان کر دیا کہ بیشک اس وقت رومی فارسیوں سے مغلوب ہو گئے ہیں۔ لیکن نو سال کے اندر اندر وہ پھر غالب و فاتح بن جائیں گے حضرت ابوبکر صدیق کو چونکہ وحی الہی پر کامل بھروسہ و یقین تھا انہوں نے بھی بعض مشرکین سے شرط باندھ لی کہ اگر اتنی مدت کے اندر رومی غالب نہ ہوئے تو میں ایک سواونٹ تم کو دوں گا ورنہ اسی قدر اونٹ تم سے لوں گا۔ (اس وقت تک ایسی شرط لگانا جائز تھا) یا دارالحرب کی وجہ سے اس کی گنجائش تھی جیسا کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک ہے پہلے یہ شرط تین سال کے لیے اور کم مقدار اونٹوں پر ہوئی تھی جب حضرت ابوبکرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید میں ضح کا لفظ ہے جس کا اطلاق تو تک ہوتا ہے تو پھر یہ شرط نو سال کے لیے اور ایک سواونٹ پر ہوئی۔

ادھر یہ معاہدہ ہو رہا تھا ادھر ہرقل ان تمام مایوس کن و حوصلہ شکن حالات سے قطعاً بے ہراس اور خدا کی نصرت پر بھروسہ کر کے پوری حوصلہ مندی سے زائل شدہ اقتدار کو واپس لینے کی تدبیر میں سرگرم ہو گیا اس نے منت مانی کہ اگر خدا نے مجھ کو ایران والوں پر فتح دی تو جمہور سے پیدل چل کر بیت المقدس پہنچوں گا۔

## غلبہ روم و شکست فارس

خدا کی قدرت دیکھو کہ قرآن مجید کی پیش گوئی کے مطابق ٹھیک نو سال کے اندر (یعنی ہجرت کا ایک سال گزرنے پر) عین بدر کے دن جب کہ مسلمان اللہ کے فضل سے مشرکین پر نمایاں فتح و نصرت ہونے کی خوشیاں منا رہے تھے۔ یہ خبر سن کر اور زیادہ سرور ہوئے کہ رومی اہل کتاب کو خدا نے ایران کے مجوسیوں پر غالب کر دیا اور مشرکین مکہ کو اپنی شکست کے ساتھ ایران کی بھی ذلت نصیب ہوئی۔

ظاہری اسباب کے بالکل خلاف قرآن مجید کی اس محیر العقول صداقت پیشگوئی کا مشاہدہ کر کے بہت سے لولوں نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ سے ایک سوانح حاصل کئے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق صدقہ کر دیے گئے۔ حضرت عثمان کے مذکورہ بالا تفسیری نوٹ سے واضح ہوا کہ دم کے قلب و فتح کی خبر غزوہ بدر کے موقع پر مل چکی تھی پھر ۶ھ کی صلح حدیبیہ کے بعد ابو سفیان کا تجارتی قافلہ شام گیا ہے اور بیت المقدس میں ہرقل کے دربار میں جا کر وہ سب گفتگو ہوئی ہے جو مذکورہ حدیث میں نقل ہوئی، بعض حضرات کی رائے ہے کہ صلح حدیبیہ کے سال ہی میں روم کو فارس کے مقابلہ میں فتح و غلبہ حاصل ہوا ہے اور حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں یہ دونوں قول نقل کئے ہیں مگر ہمارے نزدیک قوی راجح قول وہی ہے کہ فتح روم کے اہم گوشے غزوہ بدر ہی کے موقع پر ظاہر ہو چکے تھے جن کے ساتھ غلبہ فارس کا سلسلہ ختم ہو کر غلبہ روم کا آغاز پوری گرم جوشی کے ساتھ ہو چکا تھا مگر چونکہ پھر فتح و نصرت کا سلسلہ اور قدیم و جدید بلاد و ممالک مفتوحہ کے انتظام و استحکام کا کام بعد کے چند سالوں تک ہوتا رہا ہے تو ان سب مہمات سے پوری طرح فارغ ہو کر ہی ہرقل (قیصر روم) کو بیت المقدس حاضری کا موقع ملا ہوگا۔

### فتوحات اسلامیہ و صلح حدیبیہ

اتنے عرصہ میں غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق وغیرہ میں اسلامی فتوحات و داخلہ کا سلسلہ چلتا رہا اور ۶ھ میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۲-۱۵ صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ اور زیارت کعبہ معظمہ کی نیت سے مکہ معظمہ کا سفر فرمایا، مکہ معظمہ کے قریب پہنچے ایک منزل ورے مقام حدیبیہ پر سب ٹھہر گئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پہلے مکہ معظمہ بھیجا اور اہل مکہ کو اطلاع دی کہ ہم سب عمرہ کے لیے آ رہے ہیں اور کوئی ارادہ نہیں ہے کفار مکہ نے حضرت عثمان کو روک لیا اور یہ خبر کسی طرح مشہور ہو گئی کہ ان کو قتل کر دیا گیا ہے اس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بول کے درخت کے نیچے تمام صحابہ سے جہاد پر بیعت لی جس کو بیت رضوان کہا جاتا ہے (کیونکہ ان تمام بیعت کرنے والے صحابہ سے رضا مندی کا اعلان حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمادیا تھا) بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی بلکہ قریش نے سہیل بن عمرو کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلح کے لیے بھیجا تھا چنانچہ دس سال کے لیے ہا ہی جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو گیا اس میں ایک شرط کفار کی طرف سے یہ بھی تھی کہ اس سال آپ سب حضرات اسی طرح بغیر عمرہ کے واپس ہوں اور اگلے سال پھر آ کر عمرہ کریں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی منظور فرمایا معاہدہ کی تحریر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کی تھی اس میں انہوں نے من محمد رسول اللہ لکھا تو اس پر بھی کفار مکہ نے اعتراض کیا کہ اگر ہم رسول مانتے تو جھگڑا ہی کیا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی قبول فرمایا اور اپنے دست مبارک سے اس کو منادیا پھر من محمد عبد اللہ لکھا گیا۔

ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ معظمہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ جائے تو اس کو وہاں سے مکہ معظمہ کو واپس کر دیا جائے اور مدینہ طیبہ سے کوئی مکہ معظمہ آئے تو اس کو واپس نہ کیا جائے گا۔

### صلح حدیبیہ کے فوائد و نتائج

غرض اس شان سے یہ نا جنگی معاہدہ لکھا گیا۔ جب کہ صحابہ کرام کی ڈیڑھ ہزار سرفروشنوں کی جماعت جہاد و موت و عدم فرار پر بیعت کرنے کے بعد نہایت بے تاب تھی کہ آج ایک فیصلہ کن جنگ اور ہو جانی چاہیے اور وہ سب حضرات کسی طرح آمادہ نہ تھے کہ بغیر عمرہ کئے ہوئے مکہ معظمہ سے ایسی گری ہوئی شرطوں پر صلح کر کے واپس لوٹ جائیں، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ان سب سے بلند تھی، آپ کی نظر خدا کی مشیت، اس کی وحی و اشارہ پر تھی وہاں یہ سوال ہی نہیں تھا کہ ظاہری حالات کا تقاضہ کیا ہے اور کیوں ہے، اور آپ کی اسی شان نبوت، اولوالعزمی اور بے نظیر وسعت قلب و حوصلہ مندی کا مظاہرہ ایسے مواقع پر حق تعالیٰ کو کرانا تھا دوسری طرف حرم کعبہ کی پاسداری تھی کہ اس کی حدود میں جدال و قتال کسی طرح موزوں نہیں اگر اس کی رعایت خدا کا محبوب ترین پیغمبر اور افضل الرسل ہی نہ کرتا تو دوسرا کون کر سکتا تھا اسی کے ساتھ صحابہ کرام کی بے نظیر

اطاعت شعاری کو بھی دیکھئے کہ جوں ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے ہدی کا جانور ذبح فرما کر اور حلق راس سے احرام عمرہ ختم کیا تو تمام صحابہ نے بھی فوراً حلق و قصر کرا کر اپنے اپنے احرام کھول دیئے اور حضور کے فیصلہ سے مطمئن ہو کر مدینہ طیبہ کو اٹھے پیروں واپس ہو گئے۔

## فتح مبین

راستہ میں سورہ فتح نازل ہوئی جس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو ”فتح مبین“ عطا فرمائی، بعض صحابہ حیرت سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا یہ فتح ہے؟ مطلب یہ کہ غزوہ بدر، احد و خندق وغیرہ میں فیصلہ کن شکستیں دینے والے ڈیڑھ ہزار مجاہدین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت مبارکہ میں اتنا دور دراز کا سفر کر کے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تک جاتے ہیں اور قریب پہنچ کر بھی داخلہ حرم سے محروم عمرہ کے بغیر اور بظاہر نہایت گری ہوئی شرطوں پر معاہدہ کر کے واپس ہو رہے ہیں اور اس کو حق تعالیٰ فتح مبین فرماتے ہیں یہ کیا معاملہ ہے؟

یہ واقعہ آخر ۶ کا ہے اور اوائل ۷ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ”خیبر“ کو فتح کیا جو مدینہ کی جانب شمال و شام چار منزل پر یہودیوں کا ایک شہر تھا اور اس حملہ میں کوئی شخص ان صحابہ کے سوا شریک نہ تھا جو آپ کے ساتھ حدیبیہ میں تھے پھر ۷ھ میں آپ نے حسب معاہدہ عمرہ القضاء کے لیے مکہ معظمہ کا سفر فرمایا اور امن و امان کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ ادا فرمایا۔ اس کے بعد قریش نے نقص عہد کیا اس طرح کہ قریش نے اپنے حلیفوں کا ساتھ دینے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں پر حملہ کر دیا۔ جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان فرمایا کہ معاہدہ ختم ہو گیا اور دس ہزار مجاہدین صحابہ کو لے کر ۸ھ میں مکہ معظمہ کو فتح کر لیا۔

## فتح مکہ معظمہ کے حالات

جس رات میں آپ فاتحانہ مکہ معظمہ میں داخل ہونے والے تھے ابوسفیان، حکیم بن حزام اور ہذیل بن ورقہ اسلامی لشکر کے تجسس حال کے لیے نکلے اور جہاں لشکر اسلام کا پڑاؤ تھا اس کے قریب ایک ٹیلہ پر بیٹھ کر حالات کا جائزہ لینے لگے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے ارشاد فرمایا کہ ”سب لوگ اپنے چوہے الگ الگ جلائیں۔“ (جس سے دشمن کے جاسوسوں کی نظر میں لشکر اسلام کی تعداد زیادہ معلوم ہو دوسری طرف حضرت عباس رضی اللہ عنہ ایسے جاسوسوں کی خبر گیری کرتے ہوئے پھر رہے تھے اور ابوسفیان کو گرفتار کر کے حصور کی خدمت میں لے گئے) قل ہے کہ آپ نے ابوسفیان کا دامن جھٹک کر ارشاد فرمایا ”کیا تم اب بھی ایمان نہیں لاؤ گے؟“ یہ سن کر ابوسفیان کلمہ پڑھ کر داخل اسلام ہو گئے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو لے کر فلانی گھاٹی پر کھڑے ہو جاؤ اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ سب قبائل کے لوگ حربی ترانے پڑھتے ہوئے اس گھاٹی سے گزریں چنانچہ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔

## سیاسی تدابیر کے فوائد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی سیاسی تدابیر اس لیے اختیار فرمائیں کہ اہل مکہ مرعوب ہو کر خود ہی ہتھیار ڈال دیں اور مکہ معظمہ کے اندر جلال و قتال کی نوبت نہ آئے سب سے آخر میں جب مجاہدین کا گردہ اس گھاٹی سے گزرنے لگا جس میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے تو آپ نے فرمایا۔ اے ابوسفیان! ہم تمہارا اکرام کرتے ہیں اور اعلان کر دیا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کو امن دیا گیا جو شخص اپنے گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائے گا اس کو امن ہے جو شخص بیت اللہ کے جوار میں پہنچ جائے گا اس کو امن دیا گیا جو شخص اپنا ہتھیار رکھ دے گا اس کو بھی ہم نے امن دیا۔

## ابوسفیان پر مکارم اخلاق کا اثر

حضرت ابوسفیان جو غزوہ احد و غزوہ خندق میں لشکر کفار کے سپہ سالار اعظم رہے تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کی بدخواہی میں پیش پیش رہا

کرتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس برتاؤ پر سخت حیرت زدہ تھے اور ان کے دل میں اسلام کی حقانیت و صداقت اترتی جا رہی تھی مگر ان کی بیوی ہندہ ان کے مسلمان ہونے پر سخت برہم ہوئی اور خوب لڑی حتیٰ کہ ان کے منہ پر تھوک بھی دیا وہ مسلمانوں کی سخت ترین دشمن تھی اور اس قدر سخت دل کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت شفیق چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ چبا ڈالا تھا۔

## اسلامی حکومت رحمت عالم تھی

غرض یہاں اس مختصر تاریخ کے ذکر سے یہ دکھانا تھا کہ بعثت نبوی سے قبل دنیا کی دو بڑی سلطنتوں کا اقتدار اعلیٰ تھا بعثت نبوی کی برکات سے پہلے روم کی فتوحات بالکل غیر متوقع طرز پر ہوئیں جن سے فارس (ایران) کی شہنشاہی سامراجی و اجارہ داری کا خاتمہ ہوا اور آدمی دنیا کو ظلم و قہر سے نجات ملی پھر روم (ال کتاب) کے جبر و ستم اور استعماری شکنڈوں سے نجات دلائی باقی آدمی دنیا کو اسلام کے دامن رحمت میں پناہ گزیں کیا گیا۔ اور اسلام نے پوری دنیا کو وہ دستور و قانون دے دیا جس کے مطابق زندگی گزار کر اس جہنم صفت دنیا کو نمودہ جنت بنایا جاسکتا ہے۔

اسلام کمزوروں، غریبوں، ناداروں، اور متواضع و منکر مزاج لوگوں میں پھیلا اس نے عدل و انصاف، رواداری و مساوات، رحم و کرم ادب و تہذیب، خدا ترسی، نصرت مظلوم، اعانت فقیر و معذور، راست بازی و حق گوئی کی اعلیٰ قد ریں سکھائیں تمام اخلاقی و سیاسی گراؤٹوں سے نفرت دلائی، صبر و استقلال، شکر و احسان، مہربانی پر تعاون، ہر برائی کے خلاف جہاد کرنے کی تلقین کی، غرض تمام مکارم اخلاق اور حکمت و دانائی کی بات کو اختیار کرنا ایک مسلمان کا شیوہ و شعار قرار دیا۔

اسی لیے اسلام کا ابتدائی دور یعنی بعثت نبوی سے ہجرت نبوی تک کے ۱۳ سال جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے بظاہر سخت ترین دور ابتلاء و پریشانی تھا وہ ان کی فتح و کامرانی کا زریں باب تھا جس میں لغزش کے امکانات بہت کم تھے ہجرت کے بعد جب دنیاوی فتوحات کے دروازے کھلے تھے تو ان کو ہر قدم احتیاط سے اٹھانا پڑا اور پہلے سے زیادہ آزمائش سامنے تھی مگر کی دھڑا اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض تربیت سے مکارم اخلاق و اعلیٰ کردار کی بلند یوں کی فتح تھی تو مدنی دور آپ کے صدقہ میں ان کی فتح مبین قرار پائی۔ وذلک من فضل اللہ علینا و علی الناس۔

## حدیث ہرقل

اب حدیث ہرقل کی طرف آجائے! ہرقل علم نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا، لکھتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سال علوی ستاروں کا اجتماع ہوا تھا اور پھر ہر بیس سال پر ہوتا رہا، آخری بار صلح حدیبیہ کے سال میں ہوا، علم نجوم والے کہتے ہیں کہ اس اجتماع سے عالم میں بڑے بڑے تغیرات رونما ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ہرقل بھی اسی کا قائل تھا اس نے ایک رات زائچہ کھینچ کر دیکھا تھا کہ ختنہ کرانے والے لوگوں کے بادشاہ کا غلبہ ہو گیا۔ اس کے بارے میں اس نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ عرب کے لوگ ختنہ کراتے ہیں، اور اس سے اس کو غلبہ ظن ہو گیا کہ وہ بادشاہ عرب بنی کا ہو گا۔ حرید اطمینان کے لیے اپنے دوست ضفاطر کو خط لکھا وہ بھی علم نجوم کا بڑا ماہر تھا اور اس نے بھی ہرقل کی تائید کی، بلکہ اپنی قوم کو جمع کر کے سمجھایا بھی کہ تم لوگ نبی آخر الزماں پر ایمان لے آؤ وہ سچے نبی ہیں لیکن انہوں نے انکار کیا اور ضفاطر کو قتل کر ڈالا۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ہرقل کو پہنچا تو بحیثیت نبوت و رسالت آپ کے حالات کی تحقیق ابوسلیمان سے کی۔

لہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے درس بخاری شریف میں فرمایا کہ نجوم کے اثرات طبعیہ حرارت و برودت وغیرہ قائل انکار ہیں لیکن جمہور علماء ان کی تاثیرات سعد و شمس کے قائل نہیں۔

## ایمان ہر قل

امام بخاری نے حدیث کے آخری جملہ میں اشارہ کیا ہے کہ ہر قل ایمان و تصدیق کی نعمت سے محروم رہا اور جو کچھ اس نے رومیوں سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کیا تھا وہ صرف معرفت کے درجے میں تھا، تصدیق قلبی نہ تھی، جو شرط ایمان ہے۔ اسی لیے اس نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لیے غزوہ موتہ میں ایک لاکھ فوج بھیجی اور آپ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی برابر مسلمانوں پر حملے کرتا رہا۔

## مکاتیب رسالت

کتب سیر و تاریخ میں ہے کہ سرور دو عالم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ کے علاوہ شاہان حبش، مصر، ہندو چین وغیرہ کو بھی دعوت اسلام کے مکاتیب ارسال فرمائے تھے سب میں آپ نے اپنا نام پہلے لکھا ہے جس کا اثر دوسرے شاہان دنیا نے تو کچھ نہیں لیا مگر ہردیز (شہنشاہ ایران) کو سخت ناگوار ہوا کہ شروع میں میرا نام کیوں نہیں لکھا گیا اور پیش میں آ کر آپ کا گرامی نامہ پھاڑ کر پرزہ پرزہ کر دیا۔

## زوال کسریٰ و عروج حکومت اسلام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ملی تو فرمایا کہ ”اس کے بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے چنانچہ ظاہری اسباب میں یہ صورت ہوئی کہ شیریہ اپنے باپ پردیز (شہنشاہ ایران) کی بیوی شیریں پر عاشق ہو گیا (جو اس کی سوتیلی ماں تھی) اور جب کسی طرح وہ اس کو رام نہ کر سکا تو باپ کو قتل کر دیا کہ شاید اس کے بعد وہ حاصل ہو سکے۔ نہ معلوم کس وجہ سے خسرو پردیز نے اپنے شاہی دواخانہ کی الماری میں ایک ڈبیہ میں زہر رکھا تھا اور اس کے لیبل پر لکھ دیا تھا کہ یہ دوا قوت باہ کے لیے اکسیر ہے، شیریہ مالک سلطنت ہوا تو چونکہ انتہائی شہوت پرست تھا اس کو ایسی ادویہ کی تلاش تھی اس ڈبیہ کو پا کر بہت خوش ہوا اور زہر کھا کر مر گیا اس کے بعد اس کی بیٹی بوران تخت نشین ہوئی، مگر وہ عورت ذات اور کم عمر تھی اس لیے حکومت نہ سنبھال سکی آخر کار ایران کے تخت و تاج پر مسلمان قابض ہوئے۔ اور اب تک وہ ایک اسلامی سلطنت ہے۔ حفظہا اللہ و ادامہا۔ اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق کسریٰ کی حکومت اور اس کا خاندان صرف ۱۴ سال کے اندر تباہ ہو گیا۔ و تلک الایام لدا ولہا بین الناس۔

حدیث میں ذکر شدہ ہر قل کے دس سوالات ذکر ہوئے جو مبادی و حوالی اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا بین ثبوت ہیں لہذا اس حدیث سے وحی و رسالت کی عصمت و عظمت معلوم ہوئی، امام بخاری کا مقصد بھی یہی ہے اور ان چھ حدیثوں کا ہدالوحی کے باب میں ذکر کر کے امام بخاری نے یہ بھی سمجھایا ہے کہ آگے کتاب میں جتنی باتیں آئیں گی وہ سب وحی کی باتیں ہیں جو معصوم و محفوظ اور نہایت عظیم الشان ہیں اس کے بعد سب سے پہلے کتاب الایمان لائے ہیں کہ وہ اسلامیات کی اولین بنیاد ہے۔



## بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### کتاب الایمان

باب الایمان و قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس وهو قول وفعل ویزید وینقص قال اللہ تعالیٰ لیزدادوا ایماناً مع ایمانهم. وزدناهم ہدی. ویزید اللہ الذین اہتدوا ہدی. والذین اہتدوا زادهم ہدی واتاہم تقواہم ویزداد الذین امنوا ایماناً وقولہ عزوجل ایکم زادته ہدیہ ایماناً فاما الذین امنوا فزادتهم ایماناً وقولہ فاخشوہم فزادہم ایماناً وقولہ وما زادہم الا ایماناً وتسلیماً والحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان وکتب عمر بن عبدالعزیز الی عدی بن عدی ان للایمان فرأض وشرائع وحدوداً وسنناً فمن استكملها استكمل الایمان ومن لم يستكملها لم يستكمل الایمان فان اعش فسابینہا لکم حتی تعملوا بہا وان امت فمآ انا علی صحتکم بحریص وقال ابراہیم علیہ السلام ولكن لیطمئن قلبی وقال معاذ اجلس بناؤ من ساعة وقال ابن مسعود یقین الایمان کلہ وقال ابن عمر لا یبلغ العبد حقیقت التقریر حتی یدع ما حاک فی الصدر وقال مجاہد شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحاً او سیناک یا محمد وایاہ دیناً واحداً وقال ابن عباس شرعة ومنها جاً سبیلاً وسنة ودعاء کم ایمانکم.

ترجمہ:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اور اس بات کا بیان کہ اسلام قول بھی ہے اور فعل بھی اور وہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے ترجمہ آیات تاکہ مومنین کے (پہلے) ایمان پر ایمان کی اور زیادتی ہو اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں اللہ انہیں مزید ہدایت عطا کرتا ہے اور جو لوگ سیدھی راہ پر ہیں انہیں اللہ نے اور زیادہ ہدایت دے دی اور پرہیزگاری عنایت کی اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کس کے ایمان کو اس سورۃ نے بڑھا دیا (یہ وہ لوگ ہیں) جو ایمان لائے اس سورت نے ان کے یقین میں اضافہ کر دیا (سورہ آل عمران میں ہے) جب انہیں ڈرایا تو ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور (سورہ احزاب میں ہے) ان کے یقین و اطاعت ہی میں اضافہ ہوا اور اللہ کے لئے دوستی اور دشمنی ایمان ہی میں ہیں اور عمر بن عبدالعزیزؒ نے عدی بن عدی کو لکھا تھا کہ ایمان کے کچھ فرائض کچھ ضابطے کچھ حدیں اور کچھ سنن ہیں (یعنی ایمان کے لوازمات میں کچھ اوامر کچھ نواہی اور کچھ سنتیں داخل ہیں) پھر جس نے ان چیزوں کی تکمیل کر لی اس نے ایمان کامل کر لیا اور جس نے ان میں کوتاہی کی اس نے نامکمل رکھا اور اگر میں زندہ رہا تو میں ان سب کو تم سے کھول کر بیان کروں گا تاکہ تم ان پر عمل پیرا ہو سکو اور اگر میں مر گیا تو (پھر واقعہ یہ ہے کہ) میں تمہاری ہم نشینی کا خواہاں نہیں ہوں۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا (سورہ بقرہ میں) لیکن (اس لئے کہ) میرے دل کو اطمینان حاصل ہو اور حضرت معاذ بن جبلؓ نے (اسود بن ہلال سے) فرمایا کہ ہمارے پاس بیٹھو (تاکہ) کچھ دیر ہم مومن رہیں (یعنی ایمان تازہ کریں)

حضرت ابن مسعودؓ کا ارشاد ہے ”یقین پورا کا پورا ایمان ہے“ اور حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا ہے کہ بعد اس وقت تک تقویٰ کی حقیقت نہیں پاسکتا جب تک دل کی کھٹک (یعنی شرک و بدعت کے شبہات) کو دور نہ کر دے اور حضرت مجاہدؓ نے اس آیت کی تفسیر میں (کہ تمہارے لئے وہی دین ہے جس کی تعلیم ہم نے نوح کو دی ہے) کہا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اے محمد! ہم نے تمہیں اور نوح کو ایک ہی دین کی تعلیم دی ہے اور حضرت ابن عباسؓ نے شرعاً و منہاجاً کا مطلب راستہ اور طریقہ بتلایا ہے اور قرآن کی اس آیت قل ما یعبؤا بکم دہی لولا دعاؤکم کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ (تمہاری دعا سے مراد تمہارا ایمان ہے۔

تشریح: ”ایمان“ کا لفظ ”امن“ سے مشتق ہے جس کے معنی سکون و اطمینان کے ہیں کسی کی بات پر ایمان لانا بھی یہی ہوتا ہے کہ ہم اس کو اپنی تکذیب سے مطمئن کر دیتے ہیں گویا اس کی امانت و دیانت پر ہمیں پورا وثوق و اعتماد حاصل ہے۔ یہاں تک کہ اگر وہ ہماری ان دیکھی چیزوں کے بارے میں بھی کچھ بتلائے تو ہم اس کے اعتماد پر اس کو مان لیں۔

ایمان شرعی: اسی سے ”ایمان شرعی“ کی اصطلاح حاصل ہوئی کہ ہم خدا کے وجود و وحدانیت کی تصدیق کریں اور خدا کے آخری نبی کی تصدیق کے ساتھ ان سب باتوں کے بھی حق ہونے کا یقین کریں جو آپ کے ذریعہ ہم تک ضروری طور سے پہنچ گئیں۔ ضروری طور سے پہنچنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا ”دین محمدی“ میں ہونا سب پر روشن و واضح ہو مثلاً وجود انبیاء کتب سماوی ملائکہ جن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین (آخری نبی) ہونا تقدیر خداوندی عذاب قبر قیامت فرضیت نماز روزہ حج و زکوٰۃ وغیرہ غرض ایسی تمام چیزوں پر ایمان ضروری ہے جن کا علم ضروری ہم کو حاصل ہو چکا ہے اسی لئے ان کو ”ضروریات دین“ بھی کہا جاتا ہے اور ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار یا تحریفی تاویل اسی طرح کفر ہوگی جس طرح توحید و رسالت کا انکار یا ان میں تحریفی تاویل کفر ہے۔

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنی محققانہ تصنیف ”اکفار الملحدین فی شئی من ضروریات الدین“ میں ضروریات دین اور ایمان و کفر کی بحث کا حق ادا فرما دیا ہے جس کا مطالعہ ہر عالم دین کے لئے نہایت ضروری ہے۔

## حقیقت ایمان

ایمان کی تعریف میں عام طور سے تصدیق کا لفظ آتا ہے جو اصطلاح حکما میں اذعان و یقین کا ہم معنی ہے پھر یہ اختلاف ہوا ہے کہ تصدیق علم و ادراک ہے یا لواحق علم میں سے ہے تحقیقی بات یہ ہے کہ تصدیق محض علم نہیں ہے (جو اختیاری و غیر اختیاری دونوں کو عام ہے) بلکہ تصدیق لواحق علم سے اور ایک ارادی چیز ہے یعنی جانتا نہیں بلکہ جاننے کے ساتھ مان بھی لینا جیسا کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ کی تحقیق ہے ورنہ فرعون ابولہب ابو طالب ہر قل وغیرہ بھی مومن ہوتے کیونکہ علم کی حد تک ان کو بھی صداقت رسول پر یقین تھا حالانکہ ان سب کے کفر پر امت کا اتفاق ہے۔

غرض تصدیق بمعنی عرفی کافی نہیں بلکہ ماننا ضروری ہے جس کے لازمی اثرات انقیاد قلبی و التزام طاعت ہیں اور جو عہد و میثاق اطاعت و وفاداری کے ہم معنی ہے یہ علم تصدیقی ایسی صفت نفس بن جانی چاہئے کہ قلب اور قلب کے ماتحت لسان و جوارح سب ہی سرانقیاد جھکا دیں۔ اس کی تعبیر بعض ضعیف الاسناد روایات اور عبارات سلف میں عقد بالقلب سے بھی منقول ہے کیونکہ دل میں مضبوطی کے ساتھ گروہ ہانڈ ہننے کا یہی مطلب ہو سکتا ہے اور اسی لئے ایمان کو عقیدہ سے بھی تعبیر کرتے ہیں اگر زبان و جوارح تصدیق قلبی کی موافقت نہیں کرتے تو اس کو عقدہ و عقیدہ کیونکر کہہ سکتے ہیں؟

## ایمان و اسلام کا فرق

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ جس طرح ایمان انقیاد باطن کا نام ہے اسی طرح اسلام انقیاد ظاہر سے عبارت ہے۔ سورہ حجرات میں ہے۔

قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولكن قولوا اسلمنا ولما يدخل الایمان فی قلوبکم۔

(کچھ دیہاتی لوگ آپ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں آپ فرمادیجئے کہ ابھی تم ایمان نہیں لائے ہاں یہ کہو کہ اسلام لے آئے اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں نہیں پہنچا۔ امام احمدؒ سے ایک مرفوع حدیث بھی تفسیر ابن کثیر میں مروی ہے کہ اسلام علانیہ کھلی ہوئی چیز ہے اور ایمان قلب میں ہے اور مشہور حدیث جبریلؑ میں بھی ایمان کے سوال پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے 'خدا ملائکہ کتب رسل' یوم آخر اور قدر خیر و شر پر ایمان و تصدیق کا ذکر فرمایا پھر اسلام کے سوال پر شہادت تو حید و رسالت اور ادائیگی فرائض اربعہ کا ذکر فرمایا۔

## ایمان و اعمال کا رابطہ

لہذا محققین نے فیصلہ کیا کہ ایمان و عقیدہ دین کی اصل بنیاد ہے اور اعمال جو اس کی فروغ اور شاخیں ہیں یا ایمان بمنزلہ روح ہے اور اسلام اس کا بدن یا ایمان حقیقت ہے اور اسلام اس کی صورت یہ ہمارے آئمہ و محدثین کی تعبیر ہے دوسرے آئمہ و محدثین نے اعمال جو اس کو اجزاء مکملہ ایمان کے درجہ میں سمجھا ہے جس سے اعمال کا درجہ کچھ اوپر ہو جاتا ہے اور ایمان کا درجہ کچھ کمتر ہو جاتا ہے جیسا کہ تکمیل کی تعبیر سے واضح ہے اس لئے ہماری تعبیر زیادہ بہتر صحیح احوط اور حقیقت سے قریب تر ہے۔ والعلم عند اللہ۔

## ایمان کا درجہ

یہاں سے یہ بات بھی سمجھنی چاہئے کہ دین اسلام میں ایمان کا درجہ اتنا اونچا ہے جس سے خدا کی وحی اور پیغمبر پر اس درجہ وثوق و اعتماد ہو کہ اس کی بتائی ہوئی مغیبات اور نظروں سے غائب چیزوں پر بھی ہمیں بے دلیل و حجت یقین و اطمینان حاصل ہونا چاہئے اسی لئے مسلمانوں کی بڑی صفت یومنون بالغیب قرار پائی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ رسالت کی مکمل تصدیق اور انقیاد باطن حاصل ہو جانے کے بعد دلیل و حجت بازی کا کوئی موقعہ ہائی نہیں رہتا چنانچہ شاعرہ اور امام ابو منصور ہاتریدی نے بھی تصریح کی ہے کہ ایمان اسی بے دلیل انقیاد و اطاعت کا نام ہے۔

## حضرت نانوتویؒ کی تحقیق

ایمان کی تشریح ہی کے سلسلہ میں یہاں ایک نہایت قابل قدر اور آب زر سے لکھنے کے قابل تحقیق ہمارے شیخ الشیوخ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی ہے جو آب حیات میں پوری تفصیل سے درج ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیت قرآنی النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسہم و ازواجه امہاتہم میں ازواج مطہرات کا امہات المؤمنین والمومنات ہونا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت کی فرع ہے بلکہ ایک قرأت میں و هو اب لہم بھی وارد ہے لہذا یہ دعوے درست ہو گا کہ ارواح مؤمنین آپ کی روح مقدس کے آثار ہیں اس طور سے آپ ابو المؤمنین یعنی تمام مؤمنین کے روحانی باپ ہیں گویا مؤمنین کے اجزاء ایمانیہ کا روحانی وجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (ارواح فائدہ) کی روح معظمہ کے وجود ایمانی کا فیض ہے اور یہ اتنی بڑی نعمت و منقبت عظیمہ ہے کہ ہر مومن و مسلم بریں مژدہ گر جاں فشاند رواست۔

## حضرت مجدد صاحبؒ کی تحقیق

اس سے اوپر چلئے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکاتیب شریفہ میں سرور دو عالم نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات محبوب رب العلمین۔ حقیقۃ الحقائق افضل الخلائق۔ نور الانوار روح الارواح منبع البرکات و مجمع الکملات کی شان میں جلوہ گرے گی۔ اس سے بھی یہی مستفاد ہوا کہ اللہ نور السموات والارض کے نور عظیم کا کل و پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نور معظم ہے جس سے تمام عالم و عالمیان نے اکتساب نور کیا اور نور ایمان تو روح الانوار و مدارجاء عالم ہے۔

## شیخ دباغ کے ارشادات

اسی کے ساتھ چند ارشادات غوث العارفین حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ قدس سرہ کے بھی ”امریز“ سے نقل کئے جاتے ہیں فرمایا کہ (بقا وجود کا) مادہ ساری مخلوق کی طرف ذات محمدی سے نور کے ذوروں میں چلا ہے کہ نور محمدی سے نکل کر انبیاء طائفہ اور دیگر مخلوقات تک جا پہنچا ہے اور اہل کشف کو اس استغاضہ نور سے عجائب و غرائب کا مشاہدہ ہوتا ہے حق تعالیٰ نے نور ایمان بلکہ ہر نعمت کے نور کو نور محمدی کے ساتھ وابستہ کیا ہے جہاں یہ تعلق عیاذ باللہ قطع ہوا نور اہی نور ایمان سلب ہوا۔ سامعین میں سے ایک بد نصیب شکی مزاج نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صرف ایمان کی رہبری ہوئی ہے کہ حق کا راستہ دکھا دیا باقی رہا ایمان سودہ اللہ کی طرف سے ہے (ذات محمدی کو اس سے کوئی تعلق نہیں) شیخ موصوف نے فرمایا اچھا اس تعلق کو جو تمہارے نور ایمان اور نور محمدی میں قائم ہے اگر ہم قطع کر دیں اور محض راستہ دکھانا جو ہم کہہ رہے ہو باقی رہنے دیں تو کیا تم اس پر راضی ہو؟ اس نے کہا ہاں! میں اس پر راضی ہوں! ابھی بات ختم نہ کرنے پایا تھا کہ صلیب کو سجدہ کیا اور اللہ و رسول کا انکار کیا اور اسی پر دم نکل گیا۔

اس ارشاد کی روشنی میں معلوم ہوا کہ قلوب مومنین میں ایمانوں کی مثال چراغوں کی ہے جو سب چراغ رسالت سے روشن و مستفید ہیں یا اس طرح سمجھو کہ ہر قلب مومن میں نور نبوت کا ایک ایک روحانی برقی قعر روشن ہے جس کے تاریقۃ الحقائق نبی الانبیاء نور الانوار صلی اللہ علیہ وسلم کے نور معظم سے وابستہ ہیں اور تمام روحانی انوار و کمالات کا فیضان اسی مرکز انوار سے ہو رہا ہے اگر اس کنکشن یا تعلق میں کسی طرح کی کمی یا خرابی رونما ہوگی تو وہ بڑی محرومی و خسران کا موجب ہوگی۔

بمصلطہ برساں خویش را کہ دیں ہمہ دوست اگر باد نہ رسیدی تمام یوہی است

حدیث صحیح میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے ۳ فرقے ہو جائیں گے جن میں سے ۲ غلط راستوں پر ہوں گے اور صرف ایک فرقہ ناجی ہوگا صحابہ نے عرض کیا وہ کون سا ہوگا فرمایا جو ٹھیک میرے اور میرے صحابہ کے طریقہ پر چلے گا۔ اس لئے بڑی ہی احتیاط اور علم و فہم صحیح سے کام لینے کی ضرورت ہے کہ ہمارا کنکشن آپ کی سنت و اسوہ سے ہٹ کر دوسرے غلط مراکز شرک و بدعت وغیرہ سے نہ جڑ جائے۔ وما تو فیقنا الا باللہ العلی العظیم علیہ تو کلا والیہ البنا۔

نیز فرمایا کہ ایمان ایک نور ہے جس کی روشنی میں چلنے والے کو راستہ کا نشیب و فراز اور منزل مقصود کا مہد و منہا سب نظر آ رہا ہے اس لئے اس کا ہر قدم دلی اطمینان کے ساتھ اٹھنا اور قلبی سکون کے ساتھ پڑنا ہے۔ لہذا اس کا پورا سفر لطف و بشارت کا ہے اور اس کی زندگی پر لطف گزرتی ہے جس کو ”ولنحییہ حیوۃ طیبہ“ میں بیان فرمایا ہے اس کے برخلاف کفر ایک ظلمت ہے جس کی تاریکی میں چلنے والے کی حالت اندھے کی

۱۔ شرح مواقف کے آخر میں ان سب فرقوں کی تفصیلات ذکر کی گئی ہیں جن میں سے ۸ بڑے فرقوں کے نام و مختصر عقائد درج ذیل ہیں۔

۱۔ معتزلہ و قدریہ جن میں اختلاف ہو کر میں شائیں ہو گئیں (مرکب کبیرہ ایمان سے خارج) قلندی النار ہے قرآن کلام اللہ مخلوق ہے بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے آخرت میں بھی رویت الہیہ نہ ہوگی حسن و قبح عقلی ہے وغیرہ۔

۲۔ شیعہ جن میں اختلاف ہو کر بائیس شاخیں ہو گئیں (ان کے عقائد مشہور خاص و عام ہیں)

۳۔ خوارج جن میں اختلاف ہو کر سات شاخیں ہو گئیں (مرکب کبیرہ کافر قلندی النار ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر وغیرہ)

۴۔ مرجئہ جن میں اختلاف ہو کر پانچ شاخیں ہو گئیں (ایمان کے ساتھ کوئی معصیت معتزلہ کے ساتھ نہیں مگر ہیں)

۵۔ جازبیہ جن میں اختلاف ہو کر تین شاخیں ہو گئیں (خلق افعال میں الہی منت کے ساتھ نفی صفات وغیرہ میں معتزلہ کے ساتھ ہیں)

۶۔ جبریہ جن میں اختلاف ہو کر چار شاخیں ہو گئیں (بندہ اپنے افعال میں مجبور محض ہے الہی رویت و خلق قرآن میں معتزلہ کے ساتھ ہیں)

۷۔ مشبہ جن میں اختلاف ہو کر گیارہ شاخیں ہو گئیں (حق تعالیٰ کو مخلوقات کے ساتھ تشبیہ دینے اور اس کے لئے جہت و جسم وغیرہ ثابت کرتے ہیں)

۸۔ ناجیہ (اہل سنت و الجماعت یا جماعت اہل حق) جو سوا را معظم امت محمدیہ کا ہے۔ واللہ اعلم۔

ی ہے کہ نہ اس کو سرائے کا پتہ ہے نہ منزل مقصود کا نہ اسے دریا کا علم ہے نہ جنگل کا بہاقتضائے حرارت غریبیا نجن کے پہیوں کی طرح چلتا اور بے اختیار چکر کھارہا ہے اس کے قلب پر ہر وقت نگہ دار و وساوس و خطرات کا بوجھ رہتا ہے جس سے اس کی زندگی باوجود دولت و عیش دنیوی و بال جان بنی رہتی ہے اسی کو حق تعالیٰ نے فرمایا ومن اعرض عن ذکرى فان له معيشة ضنكا ونحشره يوم القيامة اعمى

## بخاری کا ترجمہ الباب

یہاں تک ہم نے بقدر ضرورت ایمان کی تشریح و توضیح کی۔ اس کے بعد امام بخاری کے ترجمہ الباب کو سمجھنے امام بخاری چونکہ ایمان کو قول و فعل سے مرکب مانتے ہیں اور اسی لئے اس میں زیادتی و کمی کے بھی قائل ہیں اسی لئے ایسی آیات احادیث و اقوال عنوان باب ہی میں جمع کر دیئے ہیں جن سے یہ دونوں دعوے ثابت ہو سکیں اس کے بعد بڑی تسلیح کے آٹھ صفحات میں بہت سے ابواب اور ان کے جلی عنوانات کے تحت احادیث کی تخریج فرما کر اپنے اسی دعوے کو پختہ کرتے چلے گئے ہیں۔

## امام بخاری کی شدت

عنوانات کی ایک جہتی شدت اور دلائل کی کثرت سے یہی تاثر ملتا ہے کہ جب یہ سب اعمال ظاہری جزو و حقیقت ایمان ہیں تو کسی عمل میں بھی کمی آ جانے سے ایمان جاتا رہے گا جو معتزلہ کا مذہب ہے یا حکم کفر بھی عائد ہو جائے گا جو خوارج کا مسلک ہے پھر خارج سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام بخاری ایمان کو قول و فعل کا مجموعہ ماننے پر سخت مصر تھے فرماتے تھے کہ میں نے اپنی صحیح میں کسی ایسے شخص کی روایت نہیں لی جو کہتا ہے کہ ”ایمان قول و فعل سے مرکب نہیں اور اس میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی“۔ حالانکہ امام موصوف نے غالی خوارج تک سے بھی احادیث کی روایات لی ہیں تاہم ہم اس کو امام بخاری کا تشدد ہی سمجھتے ہیں اور نہ مذہب اعتزال یا مسلک خوارج کے وہ بھی ایسے ہی مخالف تھے جیسے دوسرے تمام اہل سنت والجماعت یہی وجہ ہے کہ خود امام بخاری نے بھی گویا ہاں پہلے پارے میں تو عمل کو جزو ایمان دکھلانے پر پورا زور لگایا حتیٰ کہ ایک باب کفر و کفر کا بھی قائم کیا اور کوئی اعتدال کی صورت نہیں اختیار کی مگر ۷۲ ویں پارہ میں پہنچ کر ”باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر“ قائم کیا جس کا حاصل یہ ہے کہ عقیدہ درست ہو تو کبیرہ گناہوں شرب خمر وغیرہ کے ارتکاب سے بھی ملت سے خارج نہ ہوگا اور اس پر لعنت نہ کرنی چاہئے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں امام بخاری کا اس قدر تشدد بے محل ہے اور اگر احناف سے تکرر یا جذبہ مخالفت کے تحت ہے تو آپ کی جلالت قدر کے بھی خلاف ہے خصوصاً جب کہ اہل حق کے دونوں مسلک میں زیادہ فرق بھی نہیں ہے بلکہ بہت سے لوگوں نے تو اس اختلاف کو صرف نزاع لفظی بھی کہا ہے اگرچہ وہ خلاف تحقیق ہے اور ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی رائے بھی یہ ہے کہ دونوں کے نظریات جدا جدا ہیں۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بحث و نظر: ایمان کے بارے میں مختلف مذاہب و نظریات کی تنقیح و تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ حضرت امام اعظم شیخ ابو منصور ماتریدی شیخ ابوالحسن اشعری امام نسفی محدثین و فقہا احناف اور اکثر متکلمین فرماتے ہیں کہ۔

ایمان بسیط ہے جس کی حقیقت تصدیق قلبی ہے تصدیق لسانی (نفاذ احکام اسلامی کے لئے یا بوقت مطالبہ) شرط یا رکن زائد ہے اعمال جو ارج خلود نار سے نچنے کے واسطے نیز ترقی ایمان و دخول اولیٰ جنت کے لئے ضروری ہیں ان کی حیثیت وہ ہے جو فروع کی اصل کے ساتھ ہوتی ہے مثل کلمۃ طیبۃ کسجۃ طیبۃ اصلہا ثابت و فرعہا فی السماء اور حدیث شعب ایمان بھی بظاہر اسی طرف مشیر ہے تصدیق لسانی کو شرط متکلمین نے اور رکن زائد فقہا حنفیہ نے کہا ہے ملا علی قاری حنفی کا قول ہے کہ عند المطالبہ رکن ہے اجراء احکام کے لئے شرط مسایہ میں ہے کہ اقرار بالشہادتین کو رکن ایمان قرار دینا زیادہ احوط ہے بہ نسبت شرط ماننے کے اقرار شہادت اور التزام طاعت کی قید سے

ابو طالب اور ہر قل جیسے لوگوں کا ایمان ایمان شرعی سے خارج رہا۔

نفس تصدیق کے معنی چونکہ اعتقاد شک کے ہیں اس لئے امام اعظم وغیرہ ایمان کو بسیط اور غیر مرکب کہتے ہیں کیونکہ یہ ایمان کا وہ مخصوص و محفوظ مرتبہ ہے کہ اس سے گر کر سارے مراتب کفر کے ہیں اور اس ایمان کا اطلاق بطور کلی متواہلی تمام افراد مومنین پر یکساں ہوتا ہے اسی لئے اس ادنیٰ درجہ ایمان میں کمی و زیادتی کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ اس مرتبہ تصدیق کے بعد جو مراتب کمال ایمان انشراح صدر خشیت الہی و تقویٰ و طہارت کثرت طاعات و عبادات وغیرہ سے حاصل ہوتے ہیں ان کی کیت و کیفیت کی کمی و زیادتی ناقابل انکار ہے۔ نفس بساطت ایمان کی وجہ مذکور کے علاوہ دوسری وجہ انکار زیادت و نقصان کی باعتبار مومن بہ کے ہے پہلے بتایا جا چکا ہے کہ تصدیق جاننا نہیں بلکہ ماننا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی پوری شریعت کو ماننا ایمان ہے جو ادنیٰ و اعلیٰ مومن سب کے لئے برابر ہے جو مطالبہ ایمان کا بڑے سے بڑے پیغمبر صحابی دلی سے ہے کہ پوری شریعت الہیہ کا التزام طاعت کریں وہی کم سے کم درجہ کے مومن سے بھی ہے جن آیات قرآنیہ سے ایمان کی زیادتی ثابت کی جاتی ہے وہ نزول قرآن مجید کے دور کی ہیں کہ اس وقت تدریجی طور سے مومن بہ یا شریعت مصطفویہ کی تکمیل ہو رہی تھی۔ تکمیل شریعت کے بعد کمی و زیادتی کا مرحلہ ختم ہو چکا۔ یا ایہا الذین امنوا ادخلوا فی السلم کافہ۔ اس کے بعد جو فرق مراتب ہو گا وہ خشیت الہی تقویٰ مخالفت ہوائے نفس وغیرہ کے اعتبار سے ہو گا اور یہ فرق اس قدر ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے مراتب عالیہ کا تو کہنا ہی کیا ہے ایک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کا ایمان اتنا بھاری ہے کہ تمام امت محمدیہ کے ایمانوں سے بھی اس کا وزن زیادہ ہے۔ تارک عمل اور مرتکب کبیرہ مومن فاسق ہے فسق کے باعث عذاب جہنم کا سزاوار اور ایمان کی وجہ سے دخول جنت کا مستحق اور خلود نار سے محفوظ ہو گا۔

۲۔ ائمہ ثلاثہ امام بخاری و دیگر محدثین فرماتے ہیں کہ:-

ایمان مرکب ہے جس کے اجزاء تصدیق قلبی تصدیق لسانی اور اعمال جوارح ہیں لیکن سب اجزاء کی رکیت یکساں نہیں ہے۔ تصدیق قلبی اصل اصول ہے کہ وہ نہیں تو ایمان حقی محض اور اعمال کا درجہ بخیر و اجبات صلوٰۃ ہے۔ ارکان صلوٰۃ کی طرح نہیں گویا اقرار و عمل اجزاء مکملہ ہیں مقدمہ نہیں اور صرف اعمال کے نہ ہونے سے ایمان کی نفی نہ ہوگی البتہ تارک عمل اور مرتکب کبیرہ کو مومن فاسق کہیں گے جو ترک عمل و ارتکاب کبیرہ کی وجہ سے عذاب نار کا سزاوار ایمان کی وجہ سے دخول جنت کا مستحق اور خلود نار سے محفوظ ہو گا۔

چونکہ یہ حضرات اعمال کو حقیقت ایمان میں داخل مانتے ہیں اس لئے باعتبار کیت کے ایمان میں کمی و زیادتی کے قائل ہیں۔ گویا ان کے نزدیک ایمان بطور کلی مشکلک کے ہے۔

۳..... فرقہ خوارج کے نزدیک ایمان مرکب ہے اور تینوں اجزاء مذکورہ برابر درجہ کے اجزاء مقومہ و ارکان ایمان ہیں اس لئے صرف اعمال کا تارک یا مرتکب کبیرہ ایمان سے خارج اور کافر ہو جاتا ہے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

۴..... فرقہ معتزلہ کے نزدیک بھی ایمان مرکب ہے اور تینوں اجزاء ارکان ایمان ہیں تارک اعمال یا مرتکب کبیرہ ایمان سے نکل جاتا ہے مگر کافر نہیں ہو جاتا اس کو فاسق کہیں گے اور ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

۱۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تفسیر کشاف میں بھی جواب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا گیا ہے مگر یہ بھی فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہ نے امام صاحب کے قول لا یزید ولا ینقص کو بدعہ الالفاظ سے شمار کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ امام صاحب کے ارشاد کی صحت سے ان کو بھی انکار نہیں البتہ الفاظ سے اختلاف ہے مگر یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ امام صاحب کے زمانہ میں معتزلہ و خوارج کا بڑا زور تھا اور وہ ترک عمل یا ارتکاب کبیرہ پر ایمان سے خارج اور مخلد فی النار قرار دینے میں سخت تشدد کر رہے تھے اس لیے امام صاحب نے ان کے غلط عقائد کے رد میں پوری شدت سے کام کیا اور ان کے مقابلہ میں اعمال کے خارج از ایمان ہونے پر زور دیا جس کو حافظ ابن تیمیہ نے بدعہ الالفاظ سے تعبیر کیا اس کے برخلاف سلف کے دور میں چونکہ مرجع کا زور تھا جو صرف تصدیق کو کافی سمجھتے تھے اور اعمال کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتے تھے اس لیے انہوں نے قول و عمل کے نظریہ کو بھار اور مرجع کی وجہ سے اس کو نال منت کا شمار بنالیا۔



۵۔ فرقہ مرجہ کا مذہب ہے کہ ایمان بسیط ہے۔ جس کی حقیقت صرف تصدیق قلبی ہے، اقرار لسانی اور اعمال نہ مدار نجات ہیں نہ رکن و شرط، تصدیق قلبی کے بعد کوئی معصیت یا ترک فرض و واجب معز نہیں۔ نہ ان پر عتاب ہوگا، ایمان میں زیادتی ہو سکتی ہے کی نہیں، خدا کا علم اور دوسری صفات اس سے الگ اور غیر ہیں۔ خدا کی صورت انسان کی سی ہے، ضروریات دین کا علم اجمالاً کافی ہے۔ تفصیل کی ضرورت نہیں مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ حج فرض ہے مگر میں نہیں جانتا کہ کعبہ کہاں ہے اور ہو سکتا ہے کہ علاوہ مکہ معظمہ کے کہیں اور ہو یا کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعث ہوئی مگر میں نہیں جانتا کہ وہ وہی ہیں جو مدینہ طیبہ میں ہیں یا اور کوئی ہیں یا کہے کہ خنزیر حرام ہے لیکن میں نہیں جانتا کہ وہ یہ بکری ہے یا کوئی دوسرا جانور اس قسم کی باتیں کہنے والے سب مومن ہیں کیونکہ یہ سب تفصیلات حقیقت ایمان میں داخل نہیں ہیں، غسان مرتجی اس بات کو مستحکم کرنے اور رواج دینے کے لئے امام اعظم کی طرف بھی نسبت کرتا تھا کہ امام صاحب کی بھی یہی رائے ہے حالانکہ یہ افتراء محض تھا، اس کے علاوہ معتزلہ کا طریقہ تھا کہ جو شخص مسئلہ قدر میں ان کی مخالفت کرتا تھا اس کو مرتجی مشہور کرتے تھے، امام اعظم اور آپ کے اصحاب نے تو معتزلہ کی ہر طرح مخالفت کی ہے اور ان کے دلائل کا ضعف آشکارا کیا ہے اس لئے وہ ان کے تائید بالالاقاب سے کیسے بچ سکتے تھے۔

فرقہ مرجہ میں سے صرف غیلان قدری تھا، باقی سب جبری عقیدہ رکھتے تھے۔

۶۔ فرقہ حمیہ کے نزدیک ایمان بسیط ہے، جس کی حقیقت صرف معرفت قلب ہے، تصدیق ضروری نہیں، حمیہ کے اور بھی بہت سے عقائد خراب ہیں۔

۷۔ ... کرامیہ کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے، جس کی حقیقت صرف اقرار لسانی ہے بشرطیکہ دل میں انکار نہ ہو، تصدیق قلبی اور اعمال ایمان کے اجزاء نہیں، نہ ان کی ضرورت ہے۔

## اہل حق کا اختلاف

امام اعظم و متکلمین وغیرہ کا اختلاف دوسرے ائمہ و محدثین سے نہ کوئی بڑا اہم اختلاف ہے اور نہ اس کو صرف نزاع لفظی ہی کہنا درست ہے کیونکہ بہر حال انظار کا اختلاف موجود ہے ان کا نظریہ یہ ہے کہ ایمان تینوں اجزاء کے مجموعہ کا نام ہے اور ہم اس کو بسیط مانتے ہیں لیکن ظاہر یہ ہے کہ تصدیق قلبی تمام مقاصد میں سے بلند مرتبہ اور سب سے بڑی نیکی ہے اور تمام اعمال کی صحت کے لئے بطور شرط و بنیاد ہے لہذا اس کا مرتبہ بھی اعمال جوارج کے اعتبار سے الگ اور بہت اونچا ہونا چاہئے پس اعمال کو رکن و جز کی حیثیت دینا ایمان کی حیثیت کو گرانا ہے اور جس طرح کہ ہم اس کو الگ کر کے اور اعمال کے مقابلہ میں بلند مرتبہ قرار دے کر صحیح پوزیشن دیتے ہیں تو وہ بسیط ہی ثابت ہوگا۔

## حضرت شاہ صاحب کا ارشاد

ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ اختلاف ایسا ہی ہے جیسا کہ صلوٰۃ کے بارے میں حنفیہ و شافعیہ کا ہے کہ شافعیہ فرماتے ہیں نماز پوری حقیقت معہودہ (خریمہ سے تسلیم تک) کا نام ہے جس میں ارکان سنن و مستحبات سب داخل ہیں، پھر بعض اجزاء ان کے نزدیک بھی وہ ہیں جن کے نہ ہونے پر بھی نماز درست ہو جاتی ہے حنفیہ میں سے شیخ ابن ہمام نے فرمایا کہ نماز ارکان کا نام ہے اور باقی اجزاء سب مکملات ہیں۔ لہذا صرف ارکان میں کمی سے نماز نادرست ہونے کا حکم لگائیں گے یہی صورت ایمان کے بارے میں بھی ہے کہ ایمان کی حقیقت تو صرف تصدیق قلبی ہے اور باقی اجزاء اس کی تکمیل کرنے والے ہیں اور یہی بات ان آیات قرآنیہ سے بھی مفہوم ہوتی ہے جن میں ایمان کے بعد اعمال کا ذکر الگ کیا ہے کیونکہ اعمال اگر ایمان میں داخل تھے تو ان کو حرف عطف کے ساتھ الگ کیوں ذکر کیا گیا؟ جو مغایرت کو چاہتا ہے حافظ ابن تیمیہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں عطف مغایرت کے لئے نہیں ہے بلکہ اعمال کو اہتمام شان اور استیفاء بیان کے لئے الگ ذکر کیا ہے تاکہ اعمال کی طرف سے غفلت نہ ہو۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حافظ ابن تیمیہ کی یہ توجیہ اگرچہ کسی قدر مضبوط اور ان کی ذہانت کی دلیل ہے مگر آیات قرآنی من

عمل صالحاً من ذکر او انشیٰ و هو مومن۔ کا وہ کیا جواب دیں گے جس میں ایمان کو بطور قید و شرط ذکر کیا ہے اعمال کے لئے۔

اس کے بعد ہمارے ذمہ اس امر کا جواب ہے کہ بہت سی احادیث میں ایمان کا اطلاق اعمال پر ہوا ہے اور یہی سب سے بڑا استدلال امام بخاری وغیرہ کا ہے اول تو یہ کہ جس طرح کل کا اطلاق جزو پر ہوا کرتا ہے اسی طرح اطلاق مبداء کا بھی اثر پر ہوا کرتا ہے جیسا کہ ہم نے سمجھا ہے کہ مبداء ایمان اور عمل اس کا اثر ہے اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیں کہ ان احادیث میں صرف پہلا ہی اطلاق متعین ہے تو ظاہر قرآن مجید نے اعمال کو ایمان سے الگ اور مغایر قرار دیا ہے تو یہی بہتر ہوگا کہ قرآن کا اتباع کریں اور حدیث میں تاویل کی جائے اور حقیقت حال بھی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ حقیقت نفس الامری کو تو قرآن مجید سے بتلایا ہے اور حدیث میں امور خارجہ کا لحاظ ہے جیسا کہ دوسرے معاملات میں بھی یہی صورت ہوئی ہے کہ قرآن مجید حقیقت حال کو بے کم و کاست ادا کرتا ہے اور حدیث میں مصالح کی رعایت کی جاتی ہے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ یہاں بھی قرآن مجید نے تو یہی فیصلہ کیا کہ اعمال ایمان کا جزو نہیں ہیں پھر چونکہ اندیشہ تھا کہ لوگ اعمال میں کوتاہی کریں گے اس کو حدیث سے دفع کیا جس میں ایمان کا اطلاق اعمال پر کیا ہے تاکہ اعمال کی اہمیت بھی زیادہ سے زیادہ معلوم ہو قرآن مجید کے عطف اعمال سے جو بالکل مغایرت مفہوم ہوئی تھی اس کی بھی تلافی ہو جائے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ محدثین نے سلف کی تقلید کی ہے کہ وہ ایمان کو قول و عمل کا مجموعہ فرماتے تھے اور احادیث میں بھی ایسا ہی ہے تو امام عظیم وغیرہ نے اگر سلف کی اس تعبیر کو بدل دیا اور یہ کہہ دیا کہ اعمال حقیقت ایمان سے خارج ہیں تو انہوں نے اس تغایر کو قرآن مجید کے اتباع میں لیا ہے اس کی وجہ سے امام صاحب وغیرہ پر طعن کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ غرض جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں سلف کا ارشاد قول و عمل اپنے زمانہ کے مقتضائے حال کے لیے موزوں تھا اور امام عظیم وغیرہ کا ارشاد اپنے وقت کے لیے مناسب تھا۔ ایمان و اعمال کے بارے میں اہل حق کے بھی دونوں مسلک پوری وضاحت سے بیان ہو چکے۔ اور دوسرے فرقوں کے مذاہب بھی۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ کو مر جئی قرار دینا کسی طرح درست نہیں۔

### امام بخاری کا امام صاحب کو مر جی بتلانا

اور امام بخاری نے جو آپ کو مر جی کہا ہے اگر وہ ارجاء سنت کے اعتبار سے ہے تو کوئی عیب نہیں اور اگر ارجاء بدعت کے لحاظ سے ہے تو اس سے زیادہ غلط بات کیا ہو سکتی ہے۔ پھر اگر یزیدوں کی طرف کوئی بات غلطی سے منسوب بھی ہو گئی تو اس کا طریقہ یہ رہا ہے کہ محتاط طریقہ پر اتنا کہہ دیا گیا فلاں بات آپ کی طرف منسوب کی گئی یا فلاں امر کے ساتھ آپ کو متعمم کیا گیا ہے جیسا کہ کتب رجال میں کسی کے متعلق رمی بالقدر کسی کے متعلق رمی بالارجاء کسی کے متعلق یسب الی الرض وغیرہ لکھتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ امام بخاری نے تحقیق کے طور پر لکھ دیا کہ امام صاحب مر جی تھے امام محمد کو بھی لکھ دیا امام ابو یوسف کا ترجمہ یک سطر اپنی تاریخ کبیر کے صفحہ ۳۹ میں لکھا تو کیا لکھا کہ ”شیبانی سے حدیث سنی ان کے صاحب ابو حنیفہ تھے جن کو لوگوں نے چھوڑ دیا۔“ (یعنی روایت کرنے والوں نے ان سے حدیث کی روایت نہیں کی امام ابو یوسف کے حالات میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ کتنے بڑے محدث تھے بہ کثرت محدثین سے خود بھی روایت حدیث کی اور ان سے بھی روایت کرنے والے بہ کثرت ہیں مگر امام بخاری نے ان کا ذکر نہیں کیا۔ پھر امام صاحب کا ذکر یہاں بھی ترک روایت کی خوش خبری سننے کے لیے فرمایا ہے جب کہ خود امام ابو یوسف نے بھی مستقل حدیثی تصنیف کتاب الآثار میں امام صاحب سے روایات کثیرہ جمع کی ہیں اور وہ کتاب اس وقت شائع شدہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔ قال الحمد لله والمنة۔

دوسرا احتمال لفظ ترکوہ میں یہ ہے کہ امام بخاری خود امام ابو یوسف کو متروک الحدیث بتلا رہے ہیں تو یہ بھی درست نہیں جیسا کہ امام ابو یوسف کے حالات میں ان کے حدیثی علم و شغف و ثقاہت وغیرہ کا ذکر پوری تفصیل سے ہو چکا ہے غرض امام عظیم یا امام ابو یوسف میں سے خدا کے فضل و

انعام سے کوئی بھی متروک الحدیث نہیں ہے نہ امام محمد ہی خدا خواستہ جمعی تھے ان کے بھی صحیح حالات ہم مفصل لکھ آئے ہیں۔ واللہ المستعان۔

## طعن ارجاء کے جوابات

طعن ارجاء کے جواب میں شیخ معین سندھی نے بھی دراسات الملیب میں بڑی تفصیل سے اور بہت اچھا کلام کیا ہے، ہم بھی امام صاحب کے حالات میں کچھ لکھ آئے ہیں، خود فقہ اکبر میں بھی امام صاحب سے ایسی تصریحات ملتی ہیں۔ کہ ان کے بعد ارجاء بدعت سے مہتم کرنا کسی طرح درست نہیں، صفحہ ۱۰ میں ہے کہ ایمان اقرار و تصدیق ہے صفحہ ۱۱ میں اسلام کے بارے میں فرمایا کہ وہ تسلیم و انقیاد ہے خدا کے اوامر و احکام کا، ایمان بغیر اسلام کے نہیں ہوتا، نہ اسلام بغیر ایمان کے دونوں کا علاقہ ظہر و ظن کا ہے اور دین کا اطلاق ایمان، اسلام اور شرائع کے مجموعہ پر ہوتا ہے، مناقب کی صفحہ ۱۳۵ تا ۱۳۸/۱ تک جہم بن صفوان اور امام اعظم کا پورا مکالمہ درج ہے جس میں امام صاحب نے قرآن و حدیث کے دلائل سے اس کو ایمان و اسلام کی حقیقت سمجھائی، جس کے بعد وہ یہ کہہ کر اٹھا کہ آپ کی باتوں سے میرا دل متاثر ہوا اور میں پھر بھی حاضر ہوں گا، علامہ ابن عبد البر مالکی نے بھی الانتقاء میں صفحہ ۱۶۸ پر امام صاحب سے ایمان کے بارے میں وہی باتیں نقل کی ہیں جو تمام اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے، اب اگر وہ ارجاء تھا تو بقول استاذ ابو ہریرہ مصری کے صرف امام صاحب کو ارجاء سے مطعون کرنا صحیح نہیں کیونکہ پھر تو سب ہی فقہاء و محدثین اس کی زد میں آجائیں گے، ہاں کوئی معتزلی ہو تو وہ اس کی زد سے بچ سکے گا۔ دیکھئے ابو ہریرہ کی کتاب ابو حنیفہ صفحہ ۷۷ (۷۸)

استاذ موصوف نے امام صاحب کے حالات و مناقب میں نئے طرز و اسلوب سے نہایت تحقیق و کاوش کے ساتھ کتاب مذکور مرتب کی ہے جس کا دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۵۵ء ہم نے دیکھا ہے اور کتاب کی قدر و قیمت اس لئے بھی بڑھ گئی کہ تالیف کے زمانہ میں موصوف نے علامہ کوثری سے بھی استفادہ کیا ہے چونکہ امام صاحب کے زمانہ میں بھی معتزلہ نے اپنے خلاف کی وجہ سے اور عثمان مرجئی نے اپنی تائید کے لئے امام صاحب کو مرجئی مشہور کیا اس لئے اس وقت کے مشہور محدث عثمان بن عقی نے امام صاحب کو خط لکھا کہ لوگ آپ کو مرجئی کہتے ہیں اس سے مجھے نہایت رنج ہوتا ہے جو باتیں وہ آپ کی طرف منسوب کرتے ہیں کیا ان کی کوئی اصل ہے؟ امام صاحب نے جواب میں ایک طویل خط تحریر فرمایا، جس کی تمہید میں ایمان و اسلام، عقیدہ و اعمال کے بارے میں کچھ اصولی باتیں تحریر فرمائیں اور آخر میں لکھا کہ ”میرا قول یہ ہے کہ اہل قبلہ سب مومن ہیں اور فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتے جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے وہ مومن اور جنتی ہے جو ایمان و اعمال کا تارک ہے وہ کافر اور دوزخی ہے جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں وہ مسلمان ضرور ہے مگر گناہ گار مسلمان ہے، خدا کو اختیار ہے اس پر عذاب کرے یا معاف کر دے۔“

## امام صاحب کی تائید دوسرے اکابر سے

یہاں چند اقوال دوسرے حضرات کے بھی فتح المصلح شرح مسلم صفحہ ۱۵۸ سے لکھے جاتے ہیں جو امام صاحب وغیرہ کی تائید میں ہیں، امام الحرمین شافعیؒ نے فرمایا کہ ایمان میں زیادتی و کمی نہیں ہوتی، کیونکہ وہ تو اس تصدیق کا نام ہے جو مرتبہ جرم و یقین تک پہنچی ہوئی ہو پھر اس میں کمی و زیادتی کیسی؟ ایسی تصدیق والا خواہ طاعات کرے یا ارتکاب معاصی اس کی تصدیق تو بحالہ ہے اس میں کیا تغیر ہوا؟ البتہ اگر تصدیق کے ساتھ طاعات کو بھی ایمان کا جزو مان لیں تب ضرور اس کے ایمان میں بھی طاعات کی کمی و زیادتی سے تغیرات رونما ہوں گے، امام رازی شافعیؒ نے فرمایا کہ جن دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان میں تفاوت نہیں ہوتا اس سے مراد اصل ایمان ہے اور جن سے تفاوت ثابت ہوتا ہے وہاں کامل ایمان مراد ہے۔

شارح حاصیہ نے لکھا کہ ایمان کا اطلاق اس چیز پر بھی ہوتا ہے جو اساس و بنیاد ہے نجات کے لئے اور اس پر بھی ہوتا ہے جو ایمان کامل اور پوری نجات کا ضامن ہے اور اس بات میں بھی کسی کا خلاف نہیں ہے۔

حضرت شیخ اکبر نے فتوحات میں فرمایا کہ ایمان اصلی جو زیادہ کم نہیں ہوتا وہ فطرت ہے جس پر خدا نے تمام لوگوں کو پیدا کیا تھا یعنی خدا کی وحدانیت کی شہادت جس کا عہد و میثاق ہم سب سے لیا گیا تھا پس ہر بچہ اسی میثاق پر پیدا ہوتا ہے مگر اس کی روح اس جسم خاکی میں مجبوس ہو کر اپنے رب کی معرفت کو بھلا دیتی ہے لہذا دلائل فطرت میں نظر و فکر کر کے اس معرفت خداوندی و شہادت وحدانیت کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہوئی اگر اس کو سابق حالت کی طرف لوٹا لیا تو مومن ہے ورنہ کافر جس طرح ایک مسافر گھر سے چلا اس وقت آسمان صاف تھا اور اس کو سمت قبلہ اور اپنی منزل مقصود اچھی طرح معلوم تھی جب بیابان میں پہنچا تو آسمان پر بادل چھا گئے اب نہ وہ سمت قبلہ کو پہچانتا ہے نہ منزل مقصود کی جانب کو اس لئے نظر و اجتہاد سے کام چلائے گا۔

## علامہ شعرانی سے تشریح ایمان

علامہ شعرانی شافعی نے فرمایا کہ ”ایمان فطرت“ تو وہی ہے جو آدمی کے ساتھ مرتے وقت ہوتا ہے وہ نہ زیادہ ہوتا ہے نہ کم ہوتا ہے البتہ اس میں زیادتی و کمی ان احوال کے اعتبار سے کہی جاسکتی ہے جو اس کو مرنے سے پہلے تک کی زندگی میں پیش آتے ہیں۔“

## ابن حزم

ابن حزم ظاہری (جو امام صاحب وغیرہ کے سخت مخالفین میں ہیں) اپنی کتاب ”المختصر“ میں لکھتے ہیں کہ کوئی بھی تصدیق خواہ وہ توحید و نبوت کی ہو یا کسی اور امر کی اس میں زیادتی و کمی ممکن ہی نہیں کیونکہ کسی چیز کی دل سے تصدیق یا اقرار کرنے والا یا تو اس کی تصدیق کرے گا یا تکذیب یا تردد و شک آئے گا۔ اس کے علاوہ چوتھی صورت نہیں ہے۔ پس یہ تو محال ہے کہ ایک شخص اسی چیز کی تکذیب بھی کرے جس کی تصدیق کر رہا ہے اور یہ بھی محال ہے کہ تصدیق کے باوجود شک بھی کرے لہذا ایک ہی صورت درست ہے کہ وہ اپنے اعتقاد کے مطابق بے شک و شبہ تصدیق کرے اسی کے ساتھ یہ بھی جائز نہیں کہ ایک کی تصدیق زیادہ ہو دوسرے کی تصدیق سے کیونکہ دونوں میں سے ایک کی تصدیق میں کوئی رخنہ پڑ گیا تو ظاہر ہے کہ اس کی تصدیق میں شک داخل ہو گیا تصدیق تو مصدق بہ کے وجود پر یقین و جزم کا نام ہے اور اس صفت میں کمی و بیشی ہوتی ہی نہیں جزم و یقین میں کمی تو شک ہے جب شک آ گیا تو تصدیق گئی لہذا ایمان بھی نہ رہا۔ پس ثابت ہو گیا کہ جس زیادتی ایمان کا ذکر خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ تصدیق و اعتقاد میں ہرگز نہیں ہے بلکہ بھینا غیر تصدیق میں ہے جو یہاں فقط اعمال ہیں۔“

## امام غزالی

امام غزالی شافعی نے فرمایا کہ ”سلف کے قول“ الایمان قول و عمل یزید و ینقص“ سے خود ہی ثابت ہے کہ عمل اجزاء ایمان و ارکان سے نہیں ہے کیونکہ کوئی چیز خود اپنی ذات سے زیادہ نہیں ہوتی کوئی یہ نہیں کہے گا کہ انسان اپنے سر کی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے ہاں! یہ کہتے ہیں کہ اپنی دائرہ میٹھے وغیرہ سے زیادہ ہوتا ہے جس طرح یہ نہیں کہہ سکتے کہ نماز میں رکوع و سجود سے زیادتی ہوتی ہے بلکہ آداب و سنن سے زیادتی ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ایمان کافی ذات ایک وجود ہے پھر وجود کے بعد اس کا حال مختلف ہوتا ہے زیادتی بھی ہوتی ہے کمی بھی۔“ آپ نے دیکھا کہ امام غزالی نے سلف کے قول کو بھی امام صاحب وغیرہ کی تائید میں قرار دیا اور یہ فرما کر قرار دیا کہ سلف شہود عدول ہیں لہذا ان کے قول سے عدول مناسب نہیں انہوں نے جو کچھ فرمایا وہ حق ہے مگر اس کو صحیح طور سے سمجھنے کی ضرورت ہے پھر مذکورہ بالا تشریح فرمائی۔

## قاضی عیاض

آپ نے فرمایا کہ ”مجرد ایمان جو تصدیق ہے اس کے اجزاء نہیں ہیں اور جو کچھ زیادتی اس میں کمی جاتی ہے وہ اس سے الگ شئی زائد“

عمل صالح ذکر خفی یا کسی عمل قلب (شفقت مسکین، حسن نیت، یا خوف خداوندی وغیرہ) کے سبب ہوتی ہے۔

## نواب صاحب

محترم علامہ نواب صدیق حسن خان صاحب نے ”انتقاد الترجیح“ میں لکھا کہ ”جمہور محققین“ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان صرف تصدیق قلبی ہے اور زبان سے اقرار کرنا دنیاوی احکام جاری کرنے کی شرط ہے کیونکہ تصدیق قلبی ایک پوشیدہ امر ہے اس کی کوئی علامت ہونی چاہئے پس جو شخص اپنے دل سے تصدیق کرے اور اپنی زبان سے اقرار نہ کرے تو وہ عند اللہ مومن ہے اگرچہ احکام دنیا میں مومن نہیں۔ یہ چند اقوال صرف اس لئے نقل کئے گئے کہ امام صاحب کی اصابت رائے وقت فہم اور اتباع کتاب و سنت کی شان پوری طرح معلوم ہو جائے اور آئندہ بھی آپ دیکھیں گے کہ تمام اختلافی مسائل میں امام صاحب ہی دوسرے ائمہ و محدثین کے مقابلہ میں روایت و درایت کی رو سے غالب رہیں گے ان شاء اللہ۔

## امام بخاری اور دوسرے محدثین

لیکن اسی کے ساتھ نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے اور پہلے بھی کچھ لکھ آیا ہوں کہ امام بخاریؒ نے شیخ حمیدی، اسحاق بن راہویہ وغیرہ سے متاثر ہو کر امام صاحب کے بارے میں بے بنیاد باتوں کے الزامات لگائے ہیں جبکہ دوسرے اصحاب صحاح کا رویہ اس قسم کا نہیں ہے امام مسلم و ابن ماجہ تو خاموش ہیں نہ ان سے مدح منقول ہے نہ مذمت امام ابو داؤد پوری طرح مداح ہیں امام ترمذی و نسائی نے امام صاحب سے روایت حدیث بھی کی ہے امام نسائی سے کچھ تصعیف کے الفاظ بھی منقول ہیں مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلی بات ہے۔ پھر جب وہ امام طحاوی سے ملے اور امام عظیم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق زیادہ صحیح حالات معلوم کئے تو امام صاحب کی تصعیف سے رجوع فرمایا جس کی دلیل یہ ہے کہ امام صاحب سے اپنی صحیح میں روایت بھی کی جو اصل نسائی میں ہے اس وقت جو نسائی شریف مطبوعہ ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے وہ امام نسائی کے تلمیذ ابن اسنی کا اختصار ہے (کما صرح بہ الذہبی فی کتاب ”الملاء“) اور صحاح ستہ میں جس کتاب کا شمار ہے وہ بھی اصل کتاب نسائی کی ہے یہ اختصار نہیں ہے (کما صرح بہ الحافظان ابن الملقن و الحمیری) اور وہی عام اطلاقات محدثین میں بھی مراد ہوتی ہے (ذہب الذہبات صفحہ ۷۳۳/۷۳۴)

## اساتذہ امام بخاری

ان کے علاوہ خود امام بخاریؒ کے تین بڑے اساتذہ و شیوخ امام احمد، امام حنبل بن معین اور علی ابن المدینی بھی امام صاحب کی توثیق و مدح فرماتے ہیں جن کے بارے میں خود امام بخاریؒ نے جزء رفع الیدین میں فرمایا کہ یہ حضرات اپنے زمانے کے بڑے اہل علم تھے۔

## امام بخاریؒ کے چھ اعتراض

لیکن پھر بھی امام بخاریؒ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں اپنی تینوں کتب تاریخ (مغیر اوسط و کبیر) اور کتاب ”الضعفاء و المتروکین“ میں آپ کو مرجئی لکھا۔ اور جامع صحیح میں تعریضات سے کام لیا پھر اپنے دونوں رسالوں جزء القرات خلف الامام اور جزء رفع الیدین میں تو بقول حضرت شاہ صاحبؒ کے تیز لسانی تک پہنچ گئے جو شدت تعصب اور سخت برہمی پر وال ہے مثلاً ایک جگہ اپنے رسالہ جزء القراءۃ خلف الامام میں امام صاحب کے بارے میں لکھا کہ ”مدت رضاعت ڈھائی سال قرار دی۔ حالانکہ یہ نص قرآنی حوالین کاملین لعن ارادان یتیم الرضاعۃ کے خلاف ہے اور انہوں نے کہا کہ امام صاحب کے نزدیک خنزیر بری میں کچھ حرج نہیں اور امت میں قتال و خون ریزی جائز سمجھتے تھے ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ اگلے پچھلے واقعات کے بارے میں حکم خداوندی مخلوق و حادث ہے پس وہ نماز کو بھی بندوں پر دین (فریضہ) نہیں سمجھتے۔“

ان چھ بڑے اعتراضات میں سے بعض کے بارے میں کچھ حضرات نے حسن تاویل کی گنجائش پیدا کی اور کہا کہ امام بخاریؒ نے ار جاء سے مراد ار جاست لیا ہوگا اور اس کے بعد جو فرمایا کہ محدثین نے امام صاحب کی رائے اور حدیث سے سکوت کیا تو اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ انہوں نے آپ کی رائے و حدیث پر کوئی جرح نہیں اگر یہ مطلب نہیں لیتے تو امام بخاری پر صریح جھوٹ کا الزام آئے گا۔ کیونکہ اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ امام صاحب سے روایت حدیث کرنے والے اور ان کی رائے پر عمل کرنے والے بڑی کثرت سے محدثین ہیں۔ یہی رائے محدث شہیر محقق بے نظیر حافظ حدیث شیخ محمد ہاشم سندھیؒ کی بھی ہے (ملاحظہ ہو ذبابة الدراسات صفحہ ۷۳۰/۲) مگر محقق عصر علامہ عبدالرشید نعمانی دام فیضہم نے اس غلط فہمی کی تصحیح بھی اسی صفحہ کے حواشی میں فرمادی ہے آپ نے لکھا کہ مصنف کی یہ توجیہ غالباً اس لئے ہے کہ انہوں نے امام بخاری کی اصطلاحات کی طرف توجہ نہیں فرمائی چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ نے ”الباعث الخبیث الی معرفۃ علوم الحدیث“ صفحہ ۲۴ میں لکھا ”کچھ اشخاص کی اصطلاحات پر بھی وقوف ضروری ہے۔ مثلاً بخاری جب کسی کے بارے میں سکتوا عنہ یا فیہ نظر کہیں تو اس سے ادنیٰ واداء مرتبہ کی طرف اشارہ ہوتا ہے کیونکہ وہ لطیف عبادت سے جرح کرنا چاہتے ہیں اس کو اچھی طرح جان لینا چاہئے۔“ حافظ سیوطیؒ نے تدریب الروی صفحہ ۱۲۷ میں لکھا ”بخاری جن لوگوں کو ”مترک الحدیث“ قرار دیتے ہیں ان کیلئے فیہ نظر اور سکتوا عنہ لکھتے ہیں۔“

حافظ حدیث ابن رشید کا قول علامہ زبیدیؒ نے شرح احیاء العلوم صفحہ ۹۴/۴ میں نقل کیا کہ ”بخاری حنفیہ کی بہت زیادہ مخالفت کرنے والے ہیں“ حافظ زبیلیؒ کو مخالفین نے بھی کثیر الانصاف تسلیم کیا ہے اور نہایت نرم خو ہیں مگر انہوں نے بھی جو کچھ نقد امام بخاری کی شدت عصبيت و مخالفت حنفیت کے بارے میں کیا وہ ہم بسم اللہ کی بحث میں نقل کر آئے ہیں۔ حافظ سخاویؒ نے اپنی کتاب ”الاعلان بالتوبخ“ صفحہ ۶۵ میں جو کچھ امام بخاری اور دوسرے حضرات کے تعصب ائمہ حنفیہ کے متعلق لکھا وہ ہم مقدمہ کتاب ہذا کے صفحہ ۲/۵۹ میں نقل کر چکے ہیں۔

پھر بقول علامہ نعمانیؒ یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر واقعی امام صاحب ایسی ہی کم مرتبہ تھے کہ لوگوں نے ان کی رائے و حدیث کو کوئی وقعت نہیں دی تو امام بخاری کو اتنے اہتمام و کاوش کی کیا ضرورت تھی کہ ”جامع صحیح“ میں بھی جگہ جگہ بعض الناس کی طرف تعریض فرما رہے ہیں اور دوسری تصانیف میں بھی ہاں! ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے اس سے امام بخاری کی بات بھی جھوٹ نہیں بنتی جس سے محدث سندھی بچنا چاہتے ہیں وہ یہ کہ امام بخاریؒ نے اپنے بہت سے شیوخ حدیث اور متقدمین و معاصرین کو دیکھا کہ انہوں نے امام صاحب کی رائے و حدیث پر کوئی جرح نہیں کی تو وہ اپنے نزدیک حق بات کا اظہار ضروری سمجھ رہے ہیں اور بتلا رہے ہیں کہ امام صاحب ان کی تحقیق میں مرجئی ہیں اور دوسرے عیوب مندرجہ بالا بھی ان میں موجود ہیں اس پر بھی ان لوگوں کا سکوت اور عدم جرح لاعلمی یا کسی اور وجہ سے ہے چنانچہ ہم امام بخاریؒ کے حالات میں نقل کر آئے ہیں کہ انہوں نے بعض مسائل کی بحث کے ضمن میں یہ بھی فرمادیا کہ عجیب بات ہے کہ لوگوں نے بے علم لوگوں کی تقلید کی اس سے تو وہ اگر عبداللہ بن مبارک ہی کی تقلید کرتے تو اچھا تھا کیونکہ وہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے اور ہم نے وہاں لکھا تھا کہ خود عبداللہ بن مبارک کا اعتراف یہ ہے کہ میں جاہل تھا جو کچھ علم کی دولت ملی وہ امام صاحب سے ملی اور لوگوں نے بہت کوشش کی کہ میں امام صاحب تک نہ پہنچوں اور مجھے غلط باتیں سنا کر متاثر کرنا چاہا۔ مگر خدا کے فضل نے دیکھیری کی یہ بھی منقول ہوا کہ جب وہ امام صاحب سے وابستہ ہو گئے تو لوگوں نے پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا اور آپ کے پاس آ کر امام صاحب کی برائیاں کرتے تھے آپ امام صاحب کی طرف سے برابر مدافعت کرتے اور جب وہ کسی طرح باز نہ آتے تو فرماتے کہ یا تو میرا پیچھا چھوڑ دیا ایسا بڑے علم و فضل تقویٰ و طہارت کا پیکر مجسم کوئی دوسرا مجھے بتا دو۔

غرض اس قسم کے حالات ہم نے کافی لکھے تھے اور بہت کچھ باقی ہیں امام صاحب اتنے بڑے تھے کہ بڑے بڑوں سے ان کی سیرت نگاری کا فرض پورا نہ ہو سکا یہ عاجز کس شمار میں ہے! یہاں تھوڑی سی جوابدہی اور صفائی امام بخاریؒ کے لئے کہہ بالا اعتراضات کی کر دی جائے تو مناسب ہے۔

امام بخاریؒ نے ان اتہامات و اعتراضات کی کوئی سند نہیں بیان کی حالانکہ انہوں نے امام صاحب کا زمانہ نہیں پایا یہ بات ان کی



جلالت قدر کے لیے موزوں نہیں تھی؛ لیکن تاریخی پس منظر سے واقف جانتے ہیں کہ یہ سب وہی باتیں ہیں جو امام صاحب کے مخالفین نے چلائی تھیں اور خطیب بغدادی نے ان کو مع دوسرے بہت سے اتہامات کے اپنی تاریخ بغداد میں جمع کر دیا ہے اور علامہ کوثریؒ نے ”تانیب الخطیب“ میں ایک ایک روایت پر مفصل نقد کیا ہے راویوں کا غیر معتد اور جھوٹا ہونا کتب رجال و تاریخ سے ثابت کر دیا ہے۔ امام بخاری چونکہ مسئلہ لفظ بالقرآن کے سلسلہ میں اپنے زمانہ کے علماء احناف سے کبیدہ خاطر ہو گئے تھے اور اپنے بعض شیوخ و اساتذہ مثلاً امام حمیدی، اسحاق بن راہویہ، نصر بن شہیل، احمد بن زہیر، عبدالرحمن بن مہدی، نعیم بن حماد، خزاعی، اسماعیل بن عرعرة وغیرہ سے بہت متاثر ہو گئے تھے جن میں سے بعض تو امام صاحب کے سخت مخالفین میں سے تھے اور بعض وہ تھے جنہوں نے فرط تعصب و مخالفت کی وجہ سے امام صاحب کی کتابوں کو دریا میں بہا کرنا بود کرنے کی سعی کی تھی۔ اسحاق بن راہویہ بھی باوجود اپنی جلالت قدر کے اسی گروہ میں تھے جن کے مشورہ و ایما سے امام بخاری نے جامع صحیح مرتب کی اور اس میں اپنی یاد کردہ ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ۱۲۳۵۳ احادیث جمع کیں جو ان کے اپنے اجتہاد کے موافق مسائل سے مطابق تھیں دوسرے کبار ائمہ مجتہدین کے اجتہاد کے موافق احادیث جمع کرنے کا کوئی التزام و اہتمام نہیں فرمایا۔

غرض امام بخاریؒ میں تاثر اور یکطرفہ غیر معمولی رجحان کا مادہ بہت تھا اس لئے امام صاحب کے بارے میں غلط نظریات پر جم گئے اور جہاں وہ جامع صحیح میں رواۃ کی صداقت و دیانت وغیرہ کی حتی الامکان بڑی چھان بین فرماتے ہیں جامع صحیح کے باہر اپنی تاریخ اور دوسری تصانیف میں وہ بلند معیار باقی نہیں رکھا اس وقت اس کی ایک دوسری مثال بھی ذکر کرتا ہوں رسالہ رفع یدین میں دعویٰ فرما دیا کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک صحابی سے بھی رفع یدین نہ کرنا ثابت نہیں ہے حالانکہ یہ بات کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی امام ترمذی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث نفی رفع یدین ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ بہت سے اہل علم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین میں سے اسی کے قائل ہیں اور مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ شرح معانی الآثار امام طحاوی اور شروع صحیح بخاری وغیرہ سے بھی۔ امام ترمذی ہی کی بات صحیح معلوم ہوئی ہے۔ اب امام بخاریؒ کی جلالت قدر کے پیش نظر ان کے قول کی تاویل کرنی پڑی کسی نے کہا کہ ثبوت عدم رفع کا ایک اخص خصوص درجہ مراد ہوگا جو مہیا نہیں ہو سکا کسی نے کہا مطلب یہ ہے کہ ہر صحابی رفع یدین تو کرتا ہی تھا خواہ صرف تکبیر تحریر کے وقت ہو اس لئے عدم رفع کا ثبوت بالکلیہ نہیں ہوا وغیرہ لیکن ظاہر ہے کہ محل نزاع میں ایسی تاویلات کا کوئی موقع نہیں اس کے بعد ہم ان اعتراضات کے مختصر جوابات تحریر کرتے ہیں۔

۱۔ ار جاء کے بارے میں پہلے بھی لکھا گیا ہے کہ امام صاحب کا ار جاء ار جاء سنت تھا جو تمام اہل حق کا مسلک ہے خود امام صاحب نے اپنے مکتوب گرامی میں شیخ عثمان عقی کو یہ الفاظ تحریر فرمائے تھے کہ آپ نے جو ہمارے مرجع کہے جانے کے بارے میں لکھا ہے تو آپ ہی سوچئے کہ جن لوگوں نے عدل و اعتدال کی بات کہی انہوں نے کیا جرم کیا کہ اہل بدعت نے ان کو مرجع کہنا شروع کر دیا۔ درحقیقت ہمارے اصحاب اہل عدل و اہل سنت ہیں اور ان کو مرجع کا لقب ان کے دشمنوں نے دیا ہے۔“

علامہ کوثریؒ نے اس پر ایک نوٹ بھی دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو گرامی کی طرف منسوب کرنا جو مرتکب کبیرہ کو خدا کی مشیت پر محمول کرتے ہیں کہ وہ چاہے تو معاف فرما دے گا چاہے گا عذاب دے گا۔ معتزلہ خوارج یا ایسے لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو سمجھے بے سمجھے ان ہی کے نقش قدم پر چلنا پسند کریں حافظ ابن ابی العوام نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ”میں اور علقمہ بن مرہد حضرت عطاء بن ابی رباح کے پاس گئے اور بتلایا کہ ہمارے بلاد میں کچھ ہیں جو ہمارے اس قول کو ناپسند کرتے ہیں کہ ”ہم مومن ہیں“ انہوں نے پوچھا اس کی کیا وجہ؟ ہم نے کہا کہ وہ کہتے ہیں کہ اگر تم یہ کہو کہ ہم مومن ہیں تو یہ بھی کہو کہ ہم جنتی ہیں“ (گویا ہمارے دعوائے ایمان کو

۱۔ جس طرح محض دشمنی کی وجہ سے بریلوی اہل بدعت فرقہ نے دیوبندیوں کو ”وہابی“ کا لقب دے دیا۔ جس پر حضرت تھانویؒ کو لکھنا پڑا کہ ہمارے اور ابن عبد الوہاب کے عقائد میں بڑا فرق ہے اور ان بریلویوں سے قیامت کے دن اس بہتان پر مواخذہ ہوگا۔ (اشرف الجواب)

دعائے اہل جنت ہونے کے مرادف قرار دے کر ناپسند کرتے ہیں، حضرت عطاء نے فرمایا کہ نحن مومنون کہنا چاہئے اس میں کچھ حرج نہیں، البتہ نحن من اہل الجہنم نہیں کہنا چاہئے کیونکہ کوئی ملک مقرب یا نبی مرسل بھی ایسا نہیں جس پر حق تعالیٰ کی حجت نہ ہو پھر وہ چاہے گا عذاب دے گا چاہے گا بخش دے گا۔ پھر حضرت عطاء نے فرمایا اے علقمہ! تمہارے اصحاب اہل جماعت کے نام سے مشہور تھے پھر نافع بن ازرق نے ان کو مرجہ کہنا شروع کیا۔ اور اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ نافع نے ایک شخص اہل سنت سے پوچھا کہ آخرت میں کفار کس جگہ جائیں گے؟ اس نے کہا دوزخ میں۔ پوچھا مومن کہاں جائیں گے؟ کہاں ان کی دو قسم ہیں، نیک جنت میں جائیں گے اور مومن فاسق فاجر کو خدا چاہے گا تو گناہوں کی وجہ سے عذاب دے گا اور چاہے گا تو ایمان کی وجہ سے اس کی بخشش فرما دے گا۔ اس نے پھر کہا کہ آخرت میں اس کے لئے کون سی جگہ متعین کی؟ اس نے کہا مجھے اس کے لئے کوئی ایک جگہ ملے کرنے کا کوئی حق نہیں بلکہ اس کے فیصلے کو خدا کی طرف مؤخر کرتا ہوں اس پر نافع بولا کہ اچھا تم مرجئی ہو۔ (مرجئی کے معنی ہیں کسی چیز کو مؤخر کرنے والا)

تو جو لوگ اہل سنت کو مرجئی کہتے ہیں وہ نافع خارجی کے پیرو ہیں جس کے نزدیک مرتکب کبیرہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ علامہ کوثری نے یہ بھی لکھا کہ ”علامہ مقبلی نے کسی ایسے شخص کا نام مرجئی رکھنا اور اس پر احادیث مذمت مرجہ کا چسپاں کرنا جو مرتکب کبیرہ کو توبہ نہ کرنے کی صورت میں تحت المشیۃ کہے اغلاط خواص میں سے گنایا ہے کیونکہ اس کے مصداق تو وہ لوگ ہیں جو تارکین صلوٰۃ کے لئے بھی کسی وعید کے قائل نہیں اور ان کو وعید کی زد سے ہٹا کر بالکل مؤخر کر دیا ہے رہا ان کا مشیت خداوندی کے تحت داخل ہونا تو یہ کتاب وسنت میں پوری طرح اور بطریق تو اتر معلوم ہے۔ لہذا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ارجمند بھی خالص سنت ہے اس کو ارجمند بدعت کہنا محض اتہام ہے۔“

سید الحفاظ المتاخرین علامہ زبیدی نے ”عقود الجواہر المہدیہ“ کے مقدمہ میں لکھا ”امام صاحب کی طرف ارجمند کی نسبت ہرگز صحیح نہیں کیونکہ آپ کے تمام اصحاب کی رائے مرجمین کے خلاف ہے پس اگر امام صاحب مرجئی ہوتے تو آپ کے اصحاب بھی اسی خیال پر ہوتے دوسرے یہ کہ امام صاحب تو مرجئی کے پیچھے اقتداء نماز کو بھی ناجائز فرماتے تھے پھر جس کے بارے میں اجماع و اتفاق ہو۔ کہ وہ ائمہ اربعہ میں سے ایک جلیل القدر امام ہیں اس کے بارے میں کسی ناواقف کی جرح بے اثر و بے محل ہے (اصحاب صحاح ستہ کے شیخ الشیوخ) حماد بن زید (جن کا تذکرہ مقدمہ انوار الباری صفحہ ۲۱۳/۱ میں ہو چکا ہے) اور ابن معین کا قول تہذیب ہی میں ان کے بارے میں ہے کہ حضرت ایوب سختیانی سے روایت میں ان سے زیادہ باوثوق دوسرا نہیں ہے اور تمام لوگ بھی کوئی بات ایوب سے خلاف نقل کریں تو حماد بن زید ہی کا قول معتبر ہوگا اور ابو زرعد نے فرمایا کہ حماد بن زید حماد بن سلمہ سے زیادہ اثبت، اتقن اور اصح حدیث ہیں۔ وغیرہ)

یہ حماد حضرت ایوب سختیانی کی خدمت میں طویل مدت تک رہے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کسی شخص نے آ کر امام صاحب کا ذکر

۱۔ جلیل القدر تابعی اور مشہور محدث ہیں، حضرت انسؓ کو دیکھا، حضرت نافعؓ عظمیٰ عمر بن دینار وغیرہ سے روایت حدیث کی۔ آپ سے اعش حماد بن زید حماد بن سلمہ سفیان بن عیینہ سفیان ثوری شعبہ امام مالک وغیرہ نے روایت کی، علی بن المدینی کا قول ہے کہ آٹھ سو حدیث آپ سے مروی ہیں (معلوم ہوا کہ ہمارے امام صاحب بہ نسبت ان کے کثیر الحدیث ہیں، امیر المومنین فی الحدیث شعبہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم سے سیدنا ایوب نے اس طرح روایت کی، حماد بن زید کا قول ہے کہ جن لوگوں کی صحبت میں میں رہا ان سب سے زیادہ افضل اور نہایت شدت سے قبیح سنت ایوب ہی کو پایا شیخ حمیدی نے حضرت سفیان بن عیینہ سے نقل کیا ہے کہ ایوب جیسا میں نے نہیں دیکھا ابن مدینی سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت نافع سے روایت میں کون زیادہ اثبت ہے؟ فرمایا ایوب فضل و کمال میں امام مالک التقان میں اور عبید اللہ حفظ میں ممتاز ہیں، ابن سعد نے کہا کہ ”ایوب ثقہ ثبت جامع الفضائل کثیر العلم مجتہد و عدل تھے امام مالک نے فرمایا کہ ایوب علماء عالمین خاشعین عباد و خيار تاس میں سے تھے میں نے بھی ان سے علم حاصل کیا جب دیکھا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہایت اجلال و تعظیم کا معاملہ کرتے ہیں“ امام احمد سے پوچھا گیا کہ کیا ایوب کو امام مالک پر بھی تقدم ہے؟ تو فرمایا ہاں! آپ کی ولادت ۶۶ھ یا ۶۸ھ میں ہوئی۔ اور وفات ۱۳۱ھ میں رحمتہ اللہ رحمۃ واسعہ (تہذیب صفحہ ۳۹۷) محدث خوازی نے لکھا کہ زہاد و کبار تابعین میں سے ہیں۔ آپ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی روایت حدیث کی ہے (جامع المسانید صفحہ ۳۸۳)

برائی سے کیا تو آپ نے یہ آیت پڑھی یویدون ان یطفوا نورا اللہ بافوا ہم ویابی اللہ الان یتم نورہ پھر فرمایا کہ ہم نے بہت سے مذاہب ان حضرات کے دیکھے ہیں جنہوں نے امام ابوحنیفہ پر جرح کی کہ وہ سارے مذاہب ختم ہو گئے! اور امام صاحب کا مذہب قیامت تک باقی رہنے والا ہے اور انشاء اللہ جتنا وہ پرانا ہوگا اس کے انوار و برکات میں زیادتی ہوگی اب تمام لوگوں کا اس امر پر اتفاق ہو چکا ہے کہ اہل سنت والجماعت اہل مذاہب اربعہ ہیں جو شخص امام ابوحنیفہ کے مذہب میں کلام کرے گا اس کا مذہب صفحہ ہستی سے نابود ہو جائے گا اور امام صاحب کا مذہب شرق سے غرب تک پھیلنا رہے گا اور اکثر لوگ اسی پر ہوں گے۔ (صفحہ ۱۴-۱۵ طبع اسکندریہ ۱۳۹۲ھ)

علامہ کوثری نے تانیب الخطیب میں ایک دوسرے نبج سے بھی ار جاء پر کلام کیا ہے وہ یہ کہ امام صاحب اور ان کے بعد کے زمانے میں کچھ سادہ لوح نیک نیت لوگ ایسے بھی تھے جو ایمان کے مجموعہ قول و فعل ہونے اور اس کی زیادتی و نقص کے متعلق بہت زیادہ یقین رکھتے تھے اور اپنے ایک طرف رجحان و غلو کے باعث وہ ان لوگوں کو مرجئی کہنے لگے تھے جو ایمان کو مجموعہ عقد و کلمہ (تصدیق قلبی و شہادت لفظی) سمجھتے تھے حالانکہ نبج شرعیہ کی رو سے حق وہی تھا جو وہ سمجھتے تھے کیونکہ قرآن مجید میں ہے ”ولما یدخل الایمان فی قلوبہم“ (یعنی ابھی ایمان ان کے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔ معلوم ہوا کہ ایمان دل کے اندر کی چیز ہے اور حدیث مسلم میں ہے کہ ایمان خدا ملائکہ کتب رسل یوم آخرت قدر خیر و شر پر یقین رکھنا ہے اور یہی جمہور اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ مگر یہ نیک بزرگ اگر واقعی اپنے اعتقاد مذکور کے خلاف کو بدعت و ضلالت سمجھتے تھے تو معتزلہ و خوارج کی پوری موافقت کر گئے وہی یہ کہتے ہیں کہ اعمال رکن ایمان ہیں جو ان میں کی و کوتاہی کرے گا وہ دائرہ ایمان سے خارج ہو جائے گا اور مخلد فی النار ہوگا۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ نیک بزرگ بھی ان دونوں فرقوں اور ان کے عقائد سے قطعاً بیزار تھے لیکن یہ نہ سوچا کہ جب ہم ان فرق باطلہ کے عقائد سے برات کرتے ہیں اور دوسری طرف امام اعظم اور ان کے اصحاب اور دوسرے حضرات سے بھی برات کا اظہار کریں گے تو یہ کس قدر بے معنی بات ہوگی اور اگر واقعی طور سے یہ لوگ اپنے خلاف کو بدعت و ضلالت نہیں سمجھتے تھے اور اعمال کو صرف کمال ایمان کے لئے ضروری سمجھتے تھے تو پھر امام صاحب وغیرہ سے اختلاف ہی کیا رہا کہ ان کو معطل کیا جائے۔ لیکن ان کے ظاہری تشدد نے یہی بات باور کرائی کہ وہ عمل کو مکمل کے درجہ میں نہیں بلکہ ایمان کا رکن اصلی قرار دیتے ہیں جس کا نتیجہ ظاہر ہے سب سے زیادہ تعجب امیر المومنین فی الحدیث سے ہے کہ وہ بڑی خوشی کا اظہار کر کے فرماتے ہیں میں نے اپنی کتاب میں کسی ایسے شخص سے روایت نہیں لی جو ”الایمان قول و عمل یزید و ینقص“ کا قائل نہیں تھا حالانکہ انہوں نے غالی خارجیوں تک سے روایتیں لی ہیں اور وہ یہ بھی خوب جانتے ہوں گے کہ ”الایمان قول و عمل یزید و ینقص“ کا بطور حدیث رسول ناقدین حدیث کے نزدیک کوئی ثبوت نہیں ہے پھر اس قدر وضاحت و اتمام حجت کے بعد ان لوگوں پر طعن و تشنیع کا کیا جواز ہے جو عمل کو اگرچہ ایمان کا رکن اصلی نہیں قرار دیتے لیکن جتنی اہمیت اعمال کی قرآن و سنت سے ثابت ہے اس کے قائل بھی ہیں اور یہی مذہب جمہور صحابہ اور جمہور اہل سنت کا ہے جو خوارج و معتزلہ کے عقیدوں سے بیزار ہیں اور جو ار جاء بدعت فرقہ باطلہ مرجعہ کا مذہب ہے کہ سرے سے اعمال کی کوئی ضرورت و اہمیت ہی نہیں اور ایمان کے ساتھ کوئی معصیت بھی معتز نہیں اس قول و عقیدہ سے بھی امام صاحب وغیرہ بری ہیں حتیٰ کہ مرجئی کے پیچھے ان کے نزدیک نماز بھی صحیح نہیں۔ (تانیب صفحہ ۴۴)

اسی طرح ار جاء بدعت کے بارے میں شیخ معین سندھی نے بھی آخر در اسات میں امام صاحب کی طرف سے نہایت عمدگی کے ساتھ دفاع کیا ہے اور شیخ جزری نے جامع الاصول کی دسویں جلد میں بھی نہایت زوردار الفاظ میں لکھا کہ ”امام صاحب کی طرف جو ار جاء خلق قرآن اور قدر وغیرہ کی نسبتیں کی گئی ہیں خواہ وہ کسی نے بھی کی ہوں وہ گھڑی ہوئی جھوٹی باتیں ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ امام صاحب کی ذات ان سب سے منزہ تھی جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے مسلک کو مشرق سے مغرب تک غیر محصور علماء و صلحا نے اختیار کیا اگر اس میں سرالہی اور رضاء خداوندی نہ ہوتی جس سے امام صاحب مشرف ہوئے تو دنیا کے آدمی مسلمان ان کی تقلید پر جمع ہوتے اور اس وقت تک ساڑھے چار سو سال

گزر گئے ان کی رائے و مذہب پر عمل ہو رہا ہے یہ آپ کے مذہب و عقیدہ کی صحت پر سب سے بڑی دلیل ہے امام جزری شافعی کا تذکرہ مقدمہ انوار الباری صفحہ ۱۱۴ میں ہو چکا ہے ان کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی اور انہوں نے امام صاحب کی وفات سے اپنے زمانے تک کا حال ذکر کیا ہے چونکہ یہ بحث ایمان کی چل رہی ہے اور امام صاحب کے بارے میں ارجاء کی نسبت ایک بہت بڑا مغالطہ تھا بالفرض اگر امام صاحب ایمان کی حقیقت پوری طرح نہ سمجھ سکے تھے تو بنیادی غلط فہمی تھی اور آگے کی ساری عمارت ہی بے بنیاد ہو جاتی ہے اس لئے اس مسئلہ کی وضاحت مختلف پیرایوں سے ضروری ہوئی اور یوں بھی ایمان اصل دین ہے اس کی حقیقت اور اطراف و جوانب سے جتنی زیادہ واقفیت ہو سکے بہتر ہے اس لئے طوالت کا خیال نہیں کیا گیا۔

یہاں سے یہ بات بھی سمجھ میں آتی ہے کہ امام صاحب کے مدارک اجتہاد کس قدر دقیق اور وقت نظر کتنی زیادہ تھی کہ جو فیصلہ فرما گئے وہ عقل و نقل کی کسوٹی پر پور اتری تا تھا بقول امام حدیث عبد اللہ بن مبارک کے امام صاحب ”محیط العلم“ علم کا مغز تھے علوم نبوت کے لب لباب اور ان کے انتہائی مقاصد تک رسائی حاصل تھی مسائل کی ارواح و حقائق پر مطلع تھے ان کے اصول و مبادی سے واقف اور ان کی فروغ نکالنے میں ماہر کامل تھے بہت جلد اپنی جودت فکر و وسعت علم اور مناظروں کی شوکت سے سارے زمانہ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ایک وقت متکلمین کی مجلس میں بیٹھے ان سے مناقشات کر رہے ہیں دوسرے وقت اہل ہوا کی معرتوں کو دفع کر رہے ہیں تیسرے وقت فرق باطلہ سے بحث و مجادلہ کر رہے ہیں۔ مسائل علم کلام میں آپ کی آراء کی بڑی اہمیت ہے۔ علم حدیث میں آپ کی طرف ۲۲-۲۳ مسانید منسوب ہیں لہذا حدیث میں بھی آپ کا خاص مقام ہے اور فقہ حنفی، فہم معنی حدیث، علم تاریخ و منسوخ احادیث، استنباط علل احکام وغیرہ میں تو سب مجتہدین سے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوئے حتیٰ کہ آپ کے معاصرین نے بھی اعتراف کیا کہ ہم نے آپ سے اچھا حدیث کو سمجھنے والا نہیں دیکھا یہ صرف اسی لئے تھا کہ آپ حدیث کے ظاہری الفاظ کے فہم پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ ان الفاظ کے گہرے معانی و مطالب پر غور کر کے ان کے مناسبات علل، ملازمات و حکم دریافت کرتے تھے اور ان ہی پر بنا کر کے اصول منضبط اور فروغ متفرع کرتے تھے یہ اتنا بڑا محیر العقول فضل و امتیاز امام صاحب کو کیسے حاصل ہوا خود امام صاحب کے فطری ملکات و کمالات کس قسم کے تھے اور کن اساتذہ اور کس ماحول سے ایسی عظیم شخصیت کھل ہوئی ان سب امور مہمہ کی کما حقہ تنقیح و تشریح استاذ الیوز ہرہ مصری نے اپنی تالیف ”ابو حنیفہ“ کے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت کی ہے۔

علی ابی حنیفہ و مصادره صفات ابی حنیفہ شیوخہ۔ در اساتذہ الخلفاء و تجار بہ۔ پھر عنوان ”السند“ کے تحت صفحہ ۳۶۸ سے ۲۹۸ تک امام صاحب کے عمل بالحدیث اور عمل بالقیاس پر اتنا کافی و شافی لکھ دیا ہے کہ اس کو پڑھ کر ہر شخص امام صاحب کو اہل حدیث اور ان کے مقابلہ پر دوسروں کو اہل رائے و قیاس کہنے پر مجبور ہو گا اور حقیقت بھی یہی ہے حنفیہ میں سے جن محدثین نے ائمہ احناف کے عمل بالحدیث کی شان زیادہ نمایاں کی ان میں سے چند اکابر نمایاں یہ ہیں۔

امام طحاوی حافظ ابو بکر حاص، محدث خوارزمی، حافظ زلیسی، حافظ مغلطائی، حافظ عینی، شیخ ابن ہمام، حافظ قاسم بن قطلوبغا، ملا علی قاری، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ الاسلام دہلوی، شیخ محمد حیات سندھی، شیخ محمد ہاشم سندھی، علامہ زبیدی، شیخ محمد عابد سندھی، الشیخ الکلکونی، شیخ خلیل احمد سہارنپوری، شیخ الاسلام مولانا محمد انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، شیخ التفسیر علامہ شبیر احمد عثمانی، شیخ محمد زاہد الکوثری، شیخ نبوی، شیخ محمد اشرف علی و الشیخ ظفر احمد التھانوی رحمۃ اللہ تعالیٰ و شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا المہاجر مدنی۔

۱۔ اس سلسلہ میں یہ امر خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ تاریخ یہ نے حق تعالیٰ کی آفتوں میں مفت مکون کا اثبات کیا ہے وہ امام اعظم ہی کی دینی فکری و کلامی منقبت کی دین ہے جس کی عظمت و اہمیت کا اعتراف حافظ ابن حجر مکی نے بھی فتح الباری میں کیا اور کہا کہ اس کلامی مسئلہ میں امام بخاری نے امام صاحب کی رائے کا اجماع کیا ہے یہ نہایت اسلم صورت ہے کیونکہ اس کو مان لینے کے بعد وہ اعتراضات وارد نہیں ہوتے جو اشاعرہ پر کئے گئے ہیں زیادہ تفصیل اپنے موقع پر آئیگی انشاء اللہ (مؤلف)

## ایمان کے ساتھ استثناء کی بحث

ایمان کے متعلق یہ بحث ہو چکی کہ اس کی اصل کیا ہے اور فروغ کیا ہیں؟ اور یہ بھی واضح ہو چکا کہ نفس ایمان میں کمی و زیادتی ہوتی ہے یا نہیں؟ اب ایک تیسری بحث باقی ہے اس کو بھی مختصراً پڑھ لیجئے۔

سلف میں سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ابراہیم نخعیؓ علقمہ سفیان ثوریؓ ابن عیینہؓ، امام مالکؒ شافعیؒ و احمدؒ سے منقول ہے کہ وہ ”انا مومن انشاء اللہ“ کہتے تھے اور صرف انا مومن کہنے کو پسند نہیں کرتے تھے ہمارے متکلمین میں سے بھی بعض اصحاب کا یہی مسلک نقل ہوا ہے امام اوزاعیؒ وغیرہ دونوں صورتوں کو برابر سمجھتے تھے لیکن امام اعظمؒ اور دوسرے متکلمین انا مومن کے ساتھ انشاء اللہ کہنے کو پسند نہ کرتے تھے لیکن باوجود اس کے امام صاحب سے اس قسم کا تشدد بھی منقول نہیں جو متاخرین حنفیہ نے اختیار کیا کہ انا مومن کے ساتھ انشاء اللہ کہنے والوں کو مشتمیہؒ کہتے تھے اور بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ لوگ چونکہ اپنے ایمان میں شک کرتے ہیں ان کے پیچھے نماز بھی درست نہیں اس کو تشدد بیجا ہی کہنا چاہئے۔ اگر سلف سے بھی اس قسم کے تشدد کی مثال ملتی ہے۔ علامہ کوثریؒ نے سند کے ساتھ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بکری لائے اور ایک شخص سے کہا کہ اس کو ذبح کرو اس نے ذبح کرنے کے لئے چھری اٹھائی آپ نے پوچھا کیا تم مومن ہو؟ اس نے کہا میں مومن ہوں انشاء اللہ تعالیٰ حضرت ابن عمر نے فرمایا لاؤ مجھے چھری دو اور وہیں چلے جاؤ جہاں کے لئے خدا نے تمہارا مومن ہونا چاہا ہے دوسرا شخص گزرا بلا کر فرمایا ہماری بکری ذبح کرو اس نے بھی چھری لے کر ذبح کرنے کا ابرادہ کیا آپ نے پوچھا کیا تم مومن ہو؟ اس نے بھی کہا ”میں مومن ہوں انشاء اللہ تعالیٰ“ اس سے بھی آپ نے چھری لے لی اور فرمایا جاؤ اپنا کام کرو پھر تیسرے شخص سے کہا کہ ہماری بکری ذبح کرو اس نے بھی چھری اٹھائی آپ نے پوچھا کیا تم مومن ہو؟ اس نے کہا کہ ”میں ظاہر و باطن سے مومن ہوں“ آپ نے فرمایا اچھا ذبح کرو ذبح کرو۔ پھر فرمایا کہ ”خدا کا شکر ہے کہ ہماری بکری کو ایسے شخص سے ذبح نہیں کرایا جس کو اپنے خدا پر ایمان میں بھی شک تھا۔“

اس روایت میں ایک راوی کو مجھول کیا گیا ہے مگر علامہ کوثریؒ نے اس کی جہالت رفع کر دی ہے (تانیب صفحہ ۳۵) عامہ سلف کے قول مذکور کی توجیہ کس طرح کی گئی ہے ایک یہ کہ انشاء اللہ باعتبار ایمان موافقہ ہے یعنی وقت وقات کا ایمان چونکہ مدار نجات وہی ایمان ہے جو آخر وقت تک رہے۔ اس لئے اسی کا لحاظ و اعتبار کر کے انشاء اللہ کہتے تھے کیونکہ کل کے ہر کام کو خدا کی مشیت پر معلق کرنا چاہئے حافظ ابن تیمیہؒ نے اس توجیہ کو پسند نہیں کیا اور کہا کہ خود آئمہ سلف سے اس کی توجیہ اس طرح منقول ہے کہ ایمان مکمل اعتقاد ظاہری اور تمام واجبات کی بجا آوری اور ترک جمیع ممنوعات کو مقتضی ہے تو انا مومن کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ اپنے لئے کمال ایمان کا دعویٰ کیا اس سے بچنے کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ کہتے تھے جس طرح کوئی مومن اپنے لئے بر وقویٰ اور تزکیہ نفس کی شہادت نہیں دے سکتا۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی توجیہ مذکور کا مدار چونکہ اعمال کو ایمان کے اجزاء جو ہری ماننے پر ہے اور اس کو ہم خلاف تحقیق بتلا چکے ہیں اس لئے وہ بھی صرف ایک سطحی تاویل کا درجہ رکھتی ہے امام صاحب کی نظر چونکہ ٹھوس حقائق پر ہوتی ہے اس لئے وہ ایمان کو اس کے ٹھیک مقام میں اور اعمال کو ان کے صحیح مرتبہ میں رکھتے ہیں جہاں سلف سے قول و عمل اور یزید و مقص کا قول حسب تحقیق حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے کے مقتضیات احوال کے تحت تھا اور اس کو حقیقت نفس الامری نہیں قرار دے سکتے۔ (جس کی تفصیل اوپر گزر چکی اسی طرح سلف سے انا مومن کے ساتھ انشاء اللہ کا اضافہ بھی ان کے بلند مقامات و مراتب تواضع و کسری شان موافقہ یا حسن خاتمہ کو خدا کی مشیت سے وابستہ کرنے یا اعمال کی غایت اہمیت کے لحاظ سے ضروران حضرات کے لئے حسب حال تھا مگر اس کو حقیقت و شریعت قرار نہیں دیا جاسکتا جو سب کے لئے ایک اصول کا کام دے سکے اسی لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ذبح شاة کے قصہ میں پہلے دوا دیوں پر نکیر کی اور تیسرے کی تقویت فرمائی۔

حسب تحقیق حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ امام صاحب نے ایک دقیق امر کی طرف توجہ کی جس سے سلف نے تعرض نہیں کیا تھا، یعنی ایمان کے اس مرتبہ محفوظ خاصہ سے بحث کی جو مدار نجات ہے اور اس کے بعد کفر عری ہو سکتا ہے اور وہ مرتبہ ایسا جزم و یقین ہے کہ اس کے ساتھ کسی ادنیٰ شک کی بھی گنجائش نہیں جب ایمان کی یہ حقیقت متعین ہوگئی تو ظاہر ہے کہ امام صاحب انا مومن کے ساتھ انشاء اللہ کا اضافہ بطور تبرک بھی پسند نہیں کریں گے کیونکہ اس کے لئے جہاں بہتر توجیہات نکل سکتی ہیں ایک شق شک والی بھی ہے جس کا وجود ایمان کے ساتھ کسی طرح بھی گوارہ نہیں کیا جاسکتا جیسا کہ حضرت ابن عمرؓ نے بکری ذبح کرانے کے لئے پہلے دو شخصوں کے انشاء اللہ کہنے کو پسند نہیں کیا۔

امام صاحب کی یہ بہت بڑی خصوصیت ہے کہ وہ ایک صحیح فیصلہ کرنے کے بعد کسی کے سخت سے سخت طعن و ملامت کی وجہ سے بھی مدہمت کو ہرگز روا نہیں رکھتے ہیں تانیب میں ہے ایک شخص شراب کے نشہ میں چور امام صاحب کے پاس آیا اور امام صاحب کو یا مرجئی کہہ کر خطاب کرنے لگا 'امام صاحب نے برجستہ فرمایا "اگر میں تم جیسوں کے لئے ایمان ثابت نہ کرتا تو آج تم مجھے مرجئی نہ کہتے" اور اگر ارجماء بدعت نہ ہوتا تو مجھے اس کی بھی پروا نہ ہوتی کہ مجھے اس کی طرف منسوب کیا جائے" معلوم ہوا کہ امام صاحب بدعت سے سخت نفرت کرتے تھے اور اس کی طرف نسبت بھی آپ کو گوارہ نہ تھی۔

امام صاحب کی جس طرح ظاہر کی آنکھیں کھلی تھیں باطن کی آنکھیں بھی روشن تھیں اس لئے ان سے کوئی حقیقت کیونکر محجوب رہ سکتی تھی امام شعرادی شافعیؒ نے "انجیح السہین" میں لکھا کہ "چاروں مذاہب سنت مجھ سے ماخوذ اور شریعت حقہ سے مستطب ہیں خصوصاً امام اعظم کا مذہب لیکن اس کے استنباطات بہت دقیق ہیں ان تک بعض لوگوں کی سمجھ نہیں پہنچ سکتی اور ان کی محنت کا حال کشف صحیح والے ہی پر منکشف ہو سکتا ہے۔ پھر انہوں نے اپنی کتاب "طبقات الاولیاء الکلیار" میں اور علامہ منادی شافعیؒ نے اپنی طبقات میں ائمہ اربعہ کو اولیاء کبار میں شمار کیا ہے اور ان کے مناقب جلیلہ لکھے ہیں اور عارف باللہ شعیب الحرمیشیؒ یعنی شافعیؒ نے "الروض الفائق" میں امام صاحب کے مناقب اور علم باطن کے کمالات کا ذکر کیا ہے۔ (ذب صفحہ ۶۸۰/۲)

۲۔ دوسرا اعتراض یہ تھا کہ امام صاحب نماز کو خدا کا فریضہ و دین نہیں سمجھتے اگر کوئی ادا نہ کرے تو کسی وعید کا مستوجب نہیں تو یہ قول مرجعہ اہل بدعت کا ہے (مرجعہ اہل سنت کا نہیں) امام صاحب اس اتہام سے قطعاً بری ہیں جس کی تفصیل ہو چکی ہے۔

۳۔ تیسرا اعتراض امام بخاریؒ نے امام صاحب پر رضاع کی مدت کے بارے میں کیا ہے اور ڈھائی سال کی مدت کو خلاف نص قرآنی بتلایا ہے لیکن جس آیت کا حوالہ امام بخاریؒ نے دیا ہے وہ اجرت رضاعت سے متعلق ہے کہ دو سال تک اجرت رضاعت مطلقہ بیوی کو دی جانی چاہیے۔ فان اراد الفصلا سے بتلایا کہ مشورہ کے بعد شوہر و بیوی دودھ چھڑا سکتے ہیں کوئی حرج نہیں اور وان تسترو ضعوا سے یہ بتلایا کہ اس کے بعد بھی دودھ پلانا چاہو تو کوئی حرج نہیں اس اختیار دینے سے واضح ہوا کہ یہاں مدت رضاعت کی تعیین و تحدید مقصود نہیں ہے (تفسیر احکام القرآن للجصاص) دوسری جگہ سورۃ احقاف میں ارشاد ہوا وحملہ و فصلالہ ثلاثون شہرا جس کا مطلب زحشری نے یہ بتلایا کہ ہاتھوں میں اٹھانے اور دودھ چھڑانے کا زمانہ ۱۱/۲ سال کا ہے۔ لہذا یہ کل مدت رضاعت ہوئی۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلی آیت سورۃ بقرہ میں دو سال دودھ پلانے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ دو سال پر فوراً دودھ چھڑانے اور دوسری غذا میں دینے سے فوراً صحت بگڑ جائے گی۔ اس لیے دو سال کے بعد کچھ زمانہ غذاؤں کی عادت ڈالنے کے لیے بھی ہونا چاہیے تاکہ رفتہ رفتہ دودھ پلانے کے ساتھ تمرین غذا بھی ہو پھر دو سال کے بعد کتنی مدت اور اس کے لیے لی جائے اس میں اختلاف ہے (جس کی تفصیل آگے آئی ہے) غرض دو سال کی مدت ایسی نہیں ہے کہ اس کے بعد دودھ پلانا حرام ہو اگر ایسا ہوتا تو احادیث میں اس کی تشریح آتی جو مدار احکام ہفتی بلکہ ایک حدیث میں الرضاۃ من اللبائۃ وارد ہے یعنی دودھ پلانا بھوک کے لیے ہے کہ جب تک دودھ کی خواہش و ضرورت ہو پی



سکتا ہے اس سے بھی ظاہر یہی مفہوم ہوتا ہے کہ دو سال پر مبنی نہیں ہے البتہ دو سال کے بعد ترین غذا ضروری ہے تاکہ جلد چھڑایا جاسکے۔  
 شیخ ابوبکر صاں نے یہ بھی لکھا کہ لمن اراد ان يتم الرضاعة في تمام کے لفظ سے یہ ضروری نہیں کہ اس پر زیادتی ممنوع ہو جیسے حدیث میں آتا ہے کہ جو دوق عرفہ کر لے اس کا حج تمام ہو گیا حالانکہ ابھی دوسرے فرض و واجب باقی ہیں جو دوق عرفہ کے بعد ادا کئے جاتے ہیں۔  
 مدت رضاعت میں بہت سے اقوال ہیں۔

۱۔ دو سال کے اندر دودھ پینے سے حرمت رضاعت ثابت ہوگی جس کے قائل یہ ہیں:- حضرت عمر ابن عباس، ابن مسعود، امام اعظم (ایک روایت میں) امام مالک، امام شافعی، ابو یوسف، محمد زفر وغیرہ۔  
 ۲۔ رضاع مقتضی حرمت وہ ہے جو دودھ چھڑانے سے قبل ہو۔ اس کے قائل ابن عباس، ام سلمہ، اوزاعی، عکرمہ وغیرہ ہیں۔  
 ۳۔ حالت صغر میں موجب حرمت ہے اس کی کوئی حد مقرر نہیں کی یہ رائے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ دیگر ازواج مطہرات اور ابن عمر وغیرہ کی ہے۔

۴۔ ڈھائی سال یہ ایک روایت حضرت امام اعظم وزفر سے ہے۔

۵۔ دو سال اور اس سے کچھ زیادہ یہ امام مالک کا قول ہے۔

۶۔ تین سال یہ قول ایک جماعت اہل کوفہ اور حسن بن صالح کا ہے۔

۷۔ سات سال یہ قول حضرت عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے۔

۸۔ دو سال اور بارہ دن حضرت ربیعہ کا قول ہے۔

۹۔ رضاعت میں چھوٹی عمر کا اعتبار ہے مگر خاص حالات میں رضاع کبیر میں معتبر ہے جیسے کوئی بڑی عمر کا لڑکا کسی مجبوری سے کسی عورت کے پاس آتا جاتا ہو اور اس سے حجاب بھی دشوار ہو یہ حافظ ابن تیمیہ کی رائے ہے (بذل المجہود ملخصا من النیل صفحہ ۱۱/۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اول تو نص قرآنی کا خلاف ہی نہیں ہے اور اگر ہے تو صرف امام صاحب کو ہدف طعن بنانا درست نہیں۔

۱۰۔ چوتھا اعتراض یہ ہے کہ امام صاحب نے خنزیری کو حلال و جائز قرار دیا یہ بات بھی فرقہ مرجعہ سے تعلق رکھتی ہے جیسا کہ ہم ان کا مذہب بتلا آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ما جاء به الرسول کی معرفت اجمالی کافی ہے۔ تفصیل ضروری نہیں بس اتنا جانتا ہو کہ کعبہ معظمہ کہیں ہے مکہ معظمہ میں ہونے کی معرفت ضروری نہیں صرف اتنا جانتا ضروری ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے۔ یہ جانتا ضروری نہیں کہ وہ وہی تھے جن کی پیدائش و بعثت مکہ معظمہ میں اور وفات مدینہ طیبہ میں ہوئی یا کوئی اور تھے سور کو حرام جانتا ہو خواہ یہ نہ جانتا ہو کہ وہ بکری ہے یا کوئی دوسرا جانور چونکہ امام بخاری کے خیال میں امام صاحب مرجئی تھے لہذا وہ اسی مذکورہ بالا اجمال و تفصیل کے تحت خنزیر و بکری میں فرق نہ کر سکنے والے کے لئے گویا خنزیری کو حلال کہتے تھے (نعوذ باللہ منہ) اگرچہ امام بخاری نے ان اہتمامات کے لیے کوئی سند ضروری نہیں سمجھی مگر اس بات کا کچھ سراغ اس امر سے مل جاتا ہے کہ خطیب نے سند کے ساتھ امام صاحب کی طرف اس قسم کی بات منسوب کر دی ہے۔ علامہ کوثری نے خطیب کی یہ روایت تانیب کے صفحہ ۳۶ میں ذکر کی ہے اس کی روایت کا شرف بھی علامہ حمیدی شیخ بخاری کو حاصل ہے جنہوں نے امام بخاری کو امام صاحب وغیرہ سے بدظن کرنے میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں علامہ کوثری نے اس روایت کے رواد کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ طبقات سبکی شافعی صفحہ ۲۲۳/۱ میں ہے کہ شیخ محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم نے کہا کہ حمیدی لوگوں کے حالات بیان کرنے میں کذب و غلط بیانی سے کام لیتے ہیں (ان کے تعصب وغیرہ کا حال مقدمہ انوار الباری صفحہ ۲۲۳/۱ میں لکھا جا چکا ہے) دوسرے راوی۔ حارث بن عمیر ہیں جن کو ذہبی نے بن المصنف ابن حبان نے اثبات سے گھڑی ہوئی باتیں نقل کرنے والا حاکم نے موضوع احادیث نقل کرنے والا از دی

نے ضعیف، منکر الحدیث، ابن خزیمہ نے کذاب لکھا، پھر از روئے درایت بھی یہ کیونکر ممکن ہے کہ امام اعظم ایسی کفر صریح بات اور وہ بھی مسجد حرام میں بیٹھ کر فرمائیں، ہاں جھوٹوں کو کوئی الزام نہیں دے سکتا جو چاہیں جس کے بارے میں کہہ سکتے ہیں، مشہور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بد زبانوں سے نہایت تنگ ہو کر خدا کی بارگاہ میں عرض کیا کہ ”ان کی لسانی دل آزار یوں سے مجھے بچا دیجئے“ حق تعالیٰ نے فرمایا ”اے موسیٰ! لوگوں کی زبان کو اپنے ہی بارے میں نہیں روکا تو تمہارے بارے میں کیا روکوں گا۔“

امام صاحب سے تو امام ابو یوسف صاحب نے مسئلہ نقل کیا ہے کہ اگر کوئی شخص جان بوجھ کر غیر کعبہ کی طرف نماز پڑھے اور اتفاق سے اپنی غلطی سے وہ کعبہ ہی کی طرف پڑھ لے تو اس کی نماز تو کیا ہوگی وہ اپنی اس کافرانہ حرکت سے جان بوجھ کر کعبہ کی سمت سے اعتراض کیا اور غیر کعبہ کی طرف نماز کا ارادہ کر کے نماز پڑھی۔ کافر ہو جائے گا۔

ہاں! یہ ممکن ہے کہ امام صاحب نے کسی نو مسلم کے لیے اجمالی ایمان کو ابتداء میں کافی فرمایا ہو تا کہ پھر وہ تدریجاً ایمان تفصیل حاصل کر لے اور اسی کو روایت بالمعنی کی آڑ لے کر رادیوں نے مسخ کر کے پیش کیا ہو علامہ ابن حزم نے ”فصل“ میں لکھا ہے کہ ایک جاہل ان پڑھ کے لیے ابتداء میں ایمان اجمالی بھی کافی ہے مثلاً یہ کہ محمد رسول ہیں خدا کے اور بھی وہ نہیں جانتا کہ آپ قریشی تھے یا تمیمی یا فارسی، حجاز میں تھے یا خراسان میں وغیرہ البتہ اس کو علم ضروری تفصیلی حاصل کرنا چاہیے اگر جاننے کے بعد بھی عناد سے ایسی بات کہے تو کافر ہے۔

خنزیر بری کے اتہام کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ نے بھی ”منہاج السلف“ میں صفحہ ۲۵۹/۱ میں لکھا کہ ”امام صاحب کی بعض چیزوں سے اگرچہ کچھ لوگوں نے خلاف کیا ہے مگر ان کے علم، فہم و فہمہ میں کوئی بھی شک نہیں کر سکتا، بعض لوگوں نے ان کی طرف طعن و تشنیع کے لیے ایسی باتیں بھی منسوب کر دی ہیں جو آپ پر یقیناً بہتان و جھوٹ ہیں مثلاً خنزیر وغیرہ کے مسائل۔“

علامہ محقق مولانا عبدالرشید نعمانی نے حاشیہ ذب صفحہ ۵۳/۲ میں لکھا ”ناقلین روایات کے یہاں کسی روایت کو ساقط و رد کرنے کے لیے انقطاع، عدم ضبط، تہمت کذب، جہالت، بدعت، حسد، بغض، عصبیت میں کوئی ایک بھی کافی ہے مگر تعصب کا براہو کہ جب کوئی بات امام اعظم کے کسی عیب و منقص کی ہاتھ لگتی ہو تو اس کو باوجود ان علیل مذکورہ کے بھی قبول کر لیا جائے گا۔ چنانچہ خطیب نے بھی بیسوں روایات اسی قسم کے کذابین، مرجہین، معتزلین اور افتراء پردازوں سے جمع کر دی ہیں (جن کی قطعی علامہ کوثری نے کھول دی ہے۔ جزاء اللہ تعالیٰ خیر الجزاء)۔

۵۔ پانچواں اعتراض، یری السیف علی الامت کا ہے جس کا جواب ہم نے امام صاحب کے حالات میں بھی دیا ہے اور اس جلد کے شروع میں بھی ایک جگہ ضمناً لکھا ہے ہیں اور امام ابو بکر بصرہ نے اپنی مشہور تصنیف ”احکام القرآن“ کے صفحہ ۸۱/۱ میں بھی اس پر خوب لکھا ہے چند جملے ملاحظہ ہوں۔

”امام صاحب کا مسلک ظالم حکام اور ائمہ جور سے قتال کے بارے میں مشہور تھا (وہ اس بارے میں شمشیر بے نیام تھے ان کی تلوار حق کی حمایت میں باطل کے مقابلہ کے لیے تھی امت پر نہیں بلکہ امت کو ظالموں کے ظلم و جور سے نجات دلانے کے لیے تھی اسی لیے امام اوزاعی (محدث شام) نے فرمایا تھا کہ ”امام ابو حنیفہ کی وجہ سے ہم ہر بات کے لیے آمادہ ہو گئے یہاں تک کہ انہوں نے ہمیں تلوار اٹھانے پر بھی آمادہ کرنا چاہا (یعنی ظالموں کے خلاف) مگر ہم اس کو برداشت نہ کر سکے امام صاحب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو فرض فرماتے تھے اول زبان سے اور نہ مانیں تو تلوار کے زور سے مجبور کرنے کو ضروری سمجھتے تھے“ اس کے بعد امام بصرہ نے کچھ واقعات امام صاحب کی مجاہدانہ زندگی کے ذکر کئے پھر فرمایا کہ ”امام صاحب کے اس مسلک پر بعض سادہ مزاج اصحاب حدیث نے نکیر کی ہے جن کی کمزوری کے باعث امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام سست و بے اثر ہو گیا اور اسلامی امور پر ظالموں کا تغلب ہو گیا“

۶۔ چھٹا اعتراض یہ تھا کہ امام صاحب قرآن کو مخلوق کہتے تھے یہ بھی محض بہتان و افتراء ہے امام بیہقی شافعی نے اپنی کتاب ”الاسماء و الصفات“ صفحہ ۲۵۰ میں امام محمد صاحب کا قول نقل کیا کہ وہ فرماتے تھے ”جو شخص قرآن کو مخلوق کہے اس کے پیچھے نماز مت پڑھو“ محمد بن سابق نے

امام ابو یوسف سے سوال کیا: کیا امام ابو حنیفہ قرآن کو مخلوق کہتے تھے؟ فرمایا: معاذ اللہ بالکل غلط ہے اور نہ میں ایسا کہتا ہوں پھر پوچھا کیا امام صاحب جہم کا عقیدہ رکھتے تھے؟ فرمایا معاذ اللہ بالکل غلط ہے اور نہ میرا ایسا عقیدہ ہے امام ابو یوسف نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دفعہ میں نے امام صاحب سے اس بارے میں گفتگو کی کہ قرآن مخلوق ہے یا نہیں تو ہم دونوں اس امر پر متفق ہوئے کہ جو قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔

حافظ ابن تیمیہ نے ”کتاب الایمان“ صفحہ ۱۶۳ میں لکھا: ”خداے تعالیٰ کی مسلمان بندوں پر بڑی رحمت تھی کہ جن آئمہ دین کی لسان صدق کا سکہ ساری امت کے قلوب پر جما ہوا تھا یعنی آئمہ اربعہ وغیرہم جیسے امام مالک ثوری اوزاعی لیث بن سعد امام شافعی امام احمد اسحاق ابو عبید امام ابو حنیفہ ابو یوسف محمد سب حضرات قرآن مجید ایمان و صفات رب کے بارے میں فرقہ جمیہ کے عقائد باطلہ پر تکبیر کرتے تھے اور سب کا بالاتفاق وہی عقیدہ تھا جو سلف کا تھا۔“

علامہ سلیمان بن عبد القوی الطوفی حنبلی نے ”شرح مختصر الروضہ“ میں لکھا:۔

واللہ میں امام ابو حنیفہ کو ان تمام اتہامات و ہمتیوں سے معصوم سمجھتا ہوں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور آپ کے بارے میں فیصلہ شدہ بات یہ ہے کہ آپ نے کسی جگہ بھی از روئے عناد و اعراض سنت کی مخالفت ہرگز نہیں کی ہاں جہاں کہیں کوئی خلاف کیا ہے تو وہ از روئے اجتہاد اور ترجیح و واضحہ و دلائل صالحہ لائحہ کی بنیاد پر کیا ہے اور ان کے وہ دلائل اب بھی موجود ہیں اور بہت مشکل ہی سے ان کے مخالفین ان سے عہدہ برآ ہو سکتے ہیں اور امام صاحب کے لیے بصورت خطا ایک اجر اور بصورت صواب و اجر ہیں نیکن پر طعن کرنے والے یا تو حاسد ہیں یا جاہل جو مواقع اجتہاد سے نا آشنا ہیں۔

امام احمد سے بھی آخری بات جو صحت کو پہنچی ہے وہ امام صاحب کے بارے میں ذکر خیر اور مدح و ثناء ہی ہے جس کو ہمارے اصحاب میں سے ابوالورد نے کتاب اصول دین میں ذکر کیا ہے۔

عقود الجواہر المہدیہ میں امام احمد کا قول نقل ہوا ہے کہ ”ہمارے نزدیک یہ بات صحت کو نہیں پہنچی کہ امام ابو حنیفہ قرآن کو مخلوق کہتے ہیں۔ الحمد للہ الذی ہدینا لہ نتم الصالحات کہ ایمان سے متعلق اکثر ضروری مباحث پر سیر حاصل بحث ہو چکی اور ضمناً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بعض اکابر کی طرف سے جو ایمان وغیرہ مسائل کے متعلق غلط باتیں آگئی تھیں ان کا بھی ازالہ کیا گیا واللہ ولی التوفیق للخیرات او لا و آخراً۔“

## ایک اہم غلط فہمی کا ازالہ

ایک محترم فاضل نے لکھا کہ ”دوسری ہجری میں اصحاب الرائے اور محدثین کے نام سے دو طبقے پیدا ہو گئے تھے امام بخاری کا امام اعظم سے اختلاف شخصی ہرگز نہیں بلکہ طبقاتی اختلاف ہے مصر کے مشہور فاضل استاذ ابو زہرہ نے اپنی کتاب ”فقہ ابی حنیفہ آثار“ میں اس پر مفصل بحث کی ہے اس پس منظر میں دیکھنے کے بعد امام بخاری نے امام صاحب کی شان میں جو سخت کلامی اور بعض جگہ گستاخی کی ہے اس کی اہمیت بہت کم ہو جاتی ہے۔ ہم نے ابھی تک استاذ ابو زہرہ کی کتاب مذکورہ نام کی نہیں دیکھی البتہ امام اعظم پر ان کی نہایت مبسوط تحقیقی کتاب جو ”ابو حنیفہ“ حیات و عصر و آراء و فقہ کے نام سے دوبار شائع ہو چکی ہے ہمارے پاس موجود ہے اس میں کہیں نہیں لکھا گیا کہ امام بخاری کا خاص امام صاحب سے کوئی طبقاتی اختلاف تھا نہ ہمارے علم میں کسی اور نے آج تک امام صاحب سے امام بخاری کے اختلاف کی یہ نوعیت سمجھی یا بتلائی۔ نہ امام بخاری ہی سے کہیں یہ نقل ہوا کہ انہوں نے خصوصیت سے امام صاحب یا دوسرے حنفیہ کو اصحاب الرائے ہونے کا طعنہ دیا ہو۔

## امام بخاری اور ان کا قیاس

البتہ یہ ضرور ہے کہ امام بخاری قیاس کے منکر ہیں لیکن یہ ان کا قیاس کی بات صرف امام صاحب کے خلاف نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ تمام

تا بعین تمام ائمہ مجتہدین سب اصولیین سارے متکلمین اولیاء کاملین و عارفین اکثر محدثین و فقہاء کے خلاف ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا کہ ”قیاس خبر واحد پر مقدم ہے کیونکہ قیاس باجماع صحابہ حجت ہے اور اجماع خبر واحد سے زیادہ قوی ہے لہذا جو امر اجماع سے ثابت ہے وہ بھی زیادہ قوی ہوگا۔“

نئی جواز قیاس کی رائے عہد تابعین کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ اور معدودے چند محدثین و اصحاب علوہر اس طرف گئے ہیں مثلاً امام بخاریؒ داؤد ظاہریؒ ابن خرمؒ ابن عربیؒ وغیرہ۔ (ذب ذبابات الدراسات صفحہ ۹۸/۱ صفحہ ۹۹/۱)

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قول صحابی قیاس پر مقدم ہے اور سنت مرفوعہ قیاس و قول صحابی دونوں پر مقدم ہے۔ ادبایہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ نرحمہم اللہ ما احسن او بہم و صنیعہم۔ (ذب صفحہ ۶۹)

غرض امام بخاریؒ کا امام صاحب اور دوسرے اکابر حنفیہ کے خلاف جو کچھ روید ہا اس کے لیے کوئی ایسی معقول وجہ اب تک ہمیں معلوم نہ ہو سکی جو امام بخاریؒ کی جلالت قدر کے لیے موزوں ہو اور کافی مطالعہ و تفتیش کے بعد جو کچھ معلوم ہو سکا وہ ہم نے پہلے کئی جگہ لکھا ہے۔ مثلاً ابتدائی تعلیم حنفی شیوخ سے لینے کے بعد یک دم دوسرے مکتب فکر کے شیوخ سے وابستگی جو اکثر رد عمل کی صورت پیدا کیا کرتی ہے خصوصاً ایسے شخص کے لیے جو زود تاثر ہو اور پھر وہ شیوخ بھی امام صاحب وغیرہ سے سخت تعصب رکھتے تھے مثلاً حمیدیؒ السلق بن راہویہؒ نصر بن شملؒ وغیرہ مسئلہ ۲۔ لفظ بالقرآن میں امام بخاریؒ اور ان کے اساتذہ شیخ ذیلی کا اختلاف ہے اور اس میں شدت

بعض ۳۔ حنفی قضاء سے آپ کو تکلیف پہنچنا۔

بعض ۴۔ مسائل حنفیہ سے پوری طرح واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف میں زیادتی

ایمان ۵۔ کے مسئلہ میں حنفیہ سے مزید توحش جس کے بارے میں پوری تفصیل ابھی گزر چکی

۶۔ انکار قیاس کی وجہ سے مذاہب اربعہ کی فقہ سے اختلاف جس کے ضمن میں فقہ حنفی اور ائمہ حنفیہ سے بھی بعد لازمی تھا وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ اسی قسم کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں مگر اس اختلاف کو طبقاتی اختلاف کہہ کر ہلکا کرنا صحیح نہیں ہو سکتا اور اگر تھوڑی دیر کے لیے اس کو تسلیم بھی کر لیں تو اس کی وجہ سے امام صاحبؒ امام ابو یوسفؒ امام محمدؒ وغیرہ پر بے سند اور غلط الزامات قائم کرنے کی وجہ جواز کیا ہو سکتی ہے؟“ امت میں سے سب سے زیادہ خطیب بغدادیؒ نے اکابر امت امام اعظمؒ اور امام احمدؒ وغیرہ کے خلاف مواد اپنی تاریخ بغداد میں جمع کیا ہے مگر انہوں نے ہر بات کو ”روایتی سند کے ساتھ لکھا ہے“ اگرچہ وہ روایتیں غیر معتد اور متہم راویوں سے ہیں جن سے روایات کرنا ان کی مؤرخانہ شان کے خلاف تھا مگر بہر حال سند تو لکھی ہے جس سے راویوں کے حالات پر نظر کی جاسکتی ہے چنانچہ علامہ کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے ”تانیب الخطیب“ میں ایک ایک سند پر بحث کر کے ان راویوں کا حال کھول دیا ہے جس کے بعد یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ سارے اتہامات غلط اور بے بنیاد ہیں۔ لیکن امام بخاریؒ جو ہر بات کو سند کے ساتھ روایت کرنے کا بڑا التزام کرتے ہیں اپنی تاریخ کبیرہ وغیرہ میں بھی جو بات کسی کے متعلق کہتے ہیں اس کے ساتھ اکثر حوالہ دیتے ہیں اور جہاں حوالہ نہیں دیتے وہ ان کی ذاتی تحقیق سمجھی جاسکتی ہے مگر بڑی حیرت ہے کہ امام صاحبؒ وغیرہ کے بارے میں جو کچھ تاریخ کبیرہ رسالہ قرأت خلف الامام وغیرہ میں لکھا اس کے ساتھ کوئی سند نہیں لکھی نہ کسی کا حوالہ دیا ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ اور امام صاحبؒ کے زمانے میں بہت قاصد ہے اس لیے ان کی اپنی ذاتی تحقیق بھی نہیں ہو سکتی۔

بہر حال! ہم نے جو کچھ امام بخاریؒ کی اس قسم کی جرح وغیرہ کے بارے میں لکھا تھا وہ مجبور ہو کر لکھا تھا کہ آج بھی بہت سے مخالفین ائمہ حنفیہ کے خلاف امام بخاریؒ وغیرہ کی آڑ لے کر فرض تبرائے انجام دینے سے نہیں چوکتے۔ ولا نوید الا الا صلاح ما استطعنا بحمنا اللہ وایاہم جمیعاً۔

درحقیقت امام صاحب وغیرہ کی طرف رائے کی نسبت بھی اسی طرح بطور طعن مشہور کی گئی تھی جس طرح ارجاء کی نسبت پھر جس طرح ارجاء سنت و ارجاء بدعت دو قسم کا تھا اور دونوں کا فرق عظیم آپ نے ہماری مذکورہ بالا تشریحات سے اچھی طرح سمجھ لیا ہے اسی طرح رائے کا اطلاق بھی ”قیاس شرعی“ اور عقلی و حکوسلہ“ دونوں پر ہو سکتا تھا معاندین حنفیہ یا حقیقت حال سے ناواقف حضرات نے یہی مشہور کیا ہے کہ امام صاحب اور ان کے تبعین اصحاب رائے دوسرے معنی سے ہیں لیکن محققین نے ہر دور میں صحیح صورت حال کو سمجھا کہ امام صاحب وغیرہ قیاس شرعی کا استعمال کرتے ہیں جس کا بجز اصحاب ظواہر (داؤد ظاہری وغیرہ) کے کوئی محدث و فقیہ منکر نہیں صحابہ تابعین ائمہ مجتہدین سب ہی نے اس کو اپنایا ہے کبار محدثین میں سے امام مسلم امام ترمذی امام ابو داؤد امام نسائی امام ابن ماجہ امام طحاوی حضرت عبداللہ بن مبارک حضرت یحییٰ القطان وغیرہ تو ائمہ مجتہدین کے مقلد تھے (اس لیے ان کے اتباع میں یہ سب اصحاب رائے ہی تھے) فرق صرف اس قدر تھا کہ فقہاء عراق عامل احکام میں کسی قدر زیادہ تغیر و توسیع سے کام لیتے تھے اور جب تک قیاس شرعی بن سکے تخصیص کو جائز نہیں رکھتے تھے فقہاء حجاز اس قدر تقیم کے قائل نہ تھے اس لیے فقہاء عراق کی شہرت ”اہل الرائے“ کے لقب سے زیادہ ہوئی یہ نہیں کہ ”وہ سنت نبوی کے مقابلہ میں قیاس کو جائز سمجھتے تھے یا اہل بدعت کی طرح رائے کا اتباع کرتے تھے“ حاشا دکلا ہی اختلاف فقہاء عراق و حجاز کا خلاصہ طویل بحث کے بعد استاذ ابوزہرہ نے بھی بحث قیاس کے آخر میں لکھا ہے۔ (دیکھو صفحہ ۳۴۱)

معلوم ہوا کہ امام بخاری کا امام اعظم سے اختلاف فردی مسائل میں تھا نہ امام بخاری اصحاب ظواہر میں سے تھے بلکہ وہ خود ایک درجہ اجتہاد رکھتے تھے (اگر چہ ان کے اجتہاد میں بقول ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت شیخ الہند ایک آنچ کی کسر رہ گئی تھی۔)

امام بخاری نے جن مسائل میں اجتہاد کیا ہے ان میں کہیں امام صاحب کی موافقت ہے اور دوسرے ائمہ مجتہدین کی مخالفت اور کہیں برعکس ہے مگر ہمارے حضرت شاہ صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ پوری صحیح بخاری شریف میں موافقت کا پلہ بھاری ہے یہ ساری بحث فقہی نقطہ نظر سے ہے جو اوپر کی غلط فہمی زائل کرنے کے لیے لکھی گئی اس سے اس حقیقت کا انکار نہیں کہ امام بخاری کچھ اسباب وجود کے تحت امام صاحب اور ائمہ حنفیہ سے ناراض و منحرف تھے جس کا اظہار بھی وہ فرماتے رہے ان کی جلالت قدر اور علمی احسانات نیک نیتی اور اخلاص کا کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا۔ لیکن چونکہ امام اعظم کا درجہ و مرتبہ نہ صرف امام بخاری وغیرہ کبار محدثین سے بلکہ دوسرے ائمہ مجتہدین سے بھی بہت بلند ہے اس لیے ہمیں امام صاحب پر سے ان اتہامات کو بھی اٹھانا ضروری تھا جو امام بخاری ایسے جلیل القدر امام و محدث کی طرف سے ان پر عائد کئے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے پوری کوشش کی ہے کہ صحیح منازل و مراتب رجال میں کوئی اونچ نیچ نہ ہو پاوے پھر بھی اپنی کوتاہیوں لغزشوں اور علمی بے ماگی کا اعتراف ہر قدم پر ہے اور ناظرین باتمکین سے غور و غور کی بھی توقع و درخواست ہے۔ فمن عفا واصلح فاجزه علی اللہ۔

## امام بخاری کے دلائل پر نظر

ایمان و اعمال کے متعلق اصولی مباحث اور مختلف فرقوں کے عقائد و نظریات کی تفصیل ہو چکی ہے یہاں ہم اختصار کے ساتھ امام بخاری کے ان ۱۱۵ اشارات پر بھی کچھ لکھتے ہیں جو انہوں نے کتاب الایمان کے شروع میں ضمن ترجمہ الباب کئے ہیں۔

۱۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس اس سے مقصد یہ ہے کہ ایمان مجموعہ تصدیق و اعمال ہے امام بخاری چونکہ ایمان اسلام ہدایت دین تقویٰ سب کوشی واحد سمجھتے ہیں اس لیے یہاں اسلام کو بھی مرادف ایمان قرار دے کر استدلال کیا ہے ورنہ حدیث میں یہاں ایمان کی تشریح نہیں ہے اور جن احادیث میں تشریح ہے مثلاً حدیث جبریل میں وہاں ایمان و اسلام کی تشریح الگ الگ ہے۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں روایات ثقات سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول مروی ہے کہ ”اسلام علانیہ اور ظاہر چیز ہے اور ایمان

یہاں ہے (آپ نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر اشارہ کیا معلوم ہوا کہ صحابہ دونوں کا فرق سمجھتے تھے) بقول حضرت شاہ صاحب ایمان کے آثار پھوٹ کر جوارح کی طرف نکلتے ہیں جو ظاہری انقیاد و اطاعت اور اسلام ہے اور اسلام جوارح سے قلب کی طرف سرایت کرتا ہے ایمان (جس کی حقیقت تصدیق قلبی ہے) اس کو اقرار لسانی سے قوت اور اعمال صالحہ سے جلاء حاصل ہوتی ہے اور تصدیق و ازعان اگر اپنی جگہ صحیح و مکمل ہے تو وہ اقرار و اعمال پر ضرور مجبور کرتا ہے حضرت سفیان ثوری کا قول ہے اگر یقین جیسا چاہیے قلب میں پیدا ہو جائے۔ تو وہ فرط اشتیاق سے جنت کی طرف اڑتا ہے اور دوزخ سے بھاگتا ہے (فتح صفحہ ۱۲/۱) پھر ہر عمل صالح کا ایک نور ہوتا ہے جس قدر طاعات بڑھیں گی اسی قدر انوار بڑھیں گے اور ایمان میں رونق شادابی آئے گی اس کے برعکس معاصی ہیں کہ ہر معصیت ظلمت ہے اور قلب پر ایک سیاہ نقطہ پیدا کرتی ہے اگر تو بہ کی تو وہ داغ دھل جائے گا ورنہ اسی طرح معاصی کے داغ بڑھتے بڑھتے تمام قلب کو گھیر لیتے ہیں غرض اسلام کے اندر حنفیہ بھی اعمال کو داخل مانتے ہیں اور ان کی اہمیت و اثرات سے بھی انکار نہیں۔

۲۔ امام بخاری نے فرمایا کہ ایمان قول و فعل ہے اور کم و بیش ہوتا ہے آپ نے سلف کے قول کو مختصر کر کے پیش کیا، ان کا قول یہ تھا کہ ایمان طاعت سے بڑھتا ہے اور معصیت سے گھٹتا ہے۔ (کما نقلہ الحافظ ابو القاسم ملا لکائی وخرجا ابو نعیم فی ترجمۃ الشافعی من الحیلة عن الربیع عن الشافعی ایضاً۔ فتح الباری صفحہ ۳۶) یہ بات بالکل صاف تھی کہ ایمان بمعنی تصدیق قلبی و معنوی میں فرمانبرداری سے قوت و نمو حاصل ہوتا ہے اور معاصی سے کمزوری آتی ہے امام بخاری نے طاعت و معصیت کے الفاظ حذف کر کے اپنی خاص رائے کو مضبوط کیا ہے لہذا قول سلف سے استشہاد صحیح نہ ہوا۔

(۳) امام بخاری نے آیت لہز داد او ایما نامع ایمانہم پیش کی ظاہر ہے کہ یہ آیت صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی اور ان کے کمال ایمانی میں کون شک کر سکتا ہے لہذا ان کے نفس ایمان کے اندر کمی و زیادتی کا مطلب صحیح نہیں ہو سکتا البتہ زیادتی باعتبار مومن بہ کے تھی یا نورانیت و انشراح کی زیادتی تھی جس کا انکار نہیں حافظ ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو قسم کے لوگ تھے ایک وہ کہ اجمالی اسلام کو قبول کیا پھر جب تکالیف و مصائب پیش آئے تو دل تنگی و کم حوصلگی کا ثبوت دینے لگے۔ دوسرے وہ کہ ایمان لانے کے بعد طرح طرح کے مصائب آنے پر اور زیادہ انشراح صدر کے ساتھ ایمان پر جم گئے یہ ان کی ثابت قدمی اور استقامت ہی ان کے پہلے ایمان پر ایمان کی زیادتی تھی۔

۴۔ ورنہ ہادی اور بعد کی چار آیات امام بخاری چونکہ ہدایت و تقویٰ کو باعتبار مصداق عین ایمان سمجھتے ہیں اس سے استدلال کیا یہاں بھی جواب دہی ہے کہ یہ آیات اس وقت کی ہیں کہ مومن بہ کی تدریجی آمد ہو رہی تھی لہذا ایمان و ہدایت میں زیادتی ہو رہی تھی یا باعتبار کیفیت کے زیادتی مراد ہو اور یہ ہمارے یہاں بھی مسلم ہے کہ عام لوگوں کا ایمان مصحبہ کرام جبریل و میکائیل اور انبیاء علیہم السلام جیسا نہیں ہے۔

۱۔ سلف کا مسلک کیا تھا؟۔ حافظ ابوالقاسم عبداللہ لاکاڑی نے ”شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعت“ میں یہ قول نقل کر کے لکھا کہ یہی قول صحابہ میں سے حضرت عمرؓ  
 علیؓ ابن مسعودؓ ابن عباسؓ ابن عمرؓ ابو ہریرہؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہم اور تابعین میں سے کعب الاحبارؓ عروہؓ عطاءؓ مجاہدؓ عمر بن عبدالمعزؓ وغیرہ بہت سے نام لکھتے پھر ابن  
 مبارک اسحق بن ابراہیم ابویحییٰ بن سلام دارمی و علی ابوزید ابو حاتم یحیٰ داؤد وغیرہ کے نام لکھتے (عمدۃ القاری صفحہ ۳۶۶ معلوم ہوا کہ ایمان کی زیادتی و کمی کا نظریہ مکملات وغیرہ  
 کے باعث تھا صرف ایمان یا تصدیق سے متعلق نہ تھا بعد کے لوگوں نے نقل مذہب میں اختصار کر کے صرف یزید و حنفی لکھنا شروع کر دیا اور اسی کو لاکاڑی نے ”کتاب  
 السنن“ میں بھی وکیع مسعید بن عبدالمعزؓ یزیدؓ شریکؓ ابوبکر بن ابی حیاشؓ عبدالمعزؓ بن ابی سلمہؓ حماد بن ابیثورؓ زکامؓ شافعیؓ و امام احمدؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ (عمدہ صفحہ ۱۶۷)

بھر لکھا کہ امام نے فرمایا کہ یہ بحث لغظی ہے ”اگر ایمان سے مراد تصدیق ہے تو زیادہ دکم نہ ہوگا اور اگر طاعات بھی ہیں تو ہو سکتا ہے“ پھر فرمایا کہ طاعات تصدیق کی تکمیل کرنے والی ہیں جو دلائل عدم قبول زیادہ و نقص کے ہیں وہ سب اصل ایمان کی طرف لوٹتے ہیں جو تصدیق ہے جو دلائل قبول پر وال ہیں وہ کامل سے متعلق ہیں یعنی ایمان مع اعمال کے اور بعض متاخرین نے تصدیق کے قائل قوۃ و صنف ہونے پر قبول زیادہ و نقص کو رکھا ہے۔ اور بعض متحققین نے دو وجہ قبول زیادہ و نقص کی قرار دی ہیں ایک قوت و ضعف (جو کیفیات سے ہیں) دوسرے کیفیت کا اعتبار سے نقل تقرر شراح کے دمانے کے لحاظ سے۔ (عمدة القاری ص ۱۶۸)



۵۔ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا یہاں ایمان سے مراد ثبات واستقامت ہے اس آیت میں واقعہ بدر صغریٰ کی طرف اشارہ ہے علامہ عینی نے صفحہ ۱۲۱/۱ میں لکھا ہے کہ ابوسفیان جب غزوہ احد سے شکست کھا کر لوٹنے لگا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اگلے سال بدر کے میدان میں یہاں کا بدلہ چکایا جائے گا حضور نے فرمایا: بہت اچھا! ہم تیار ہیں! انشاء اللہ تعالیٰ جب وہ وقت آیا تو ابوسفیان نے نعیم بن مسعود اشجعی سے (جو عمرہ کے لیے مکہ معظمہ گئے تھے) کہا کہ میں غزوہ احد سے واپسی میں اس طرح کہہ آیا تھا اب اگر میں اپنے لوگوں کے ساتھ نہ جاؤں اور ادھر سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھیوں کے ساتھ میدان بدر میں پہنچ گئے تو اس سے ان کی جرأت و حوصلہ بہت بڑھ جائے گا اور اصلی بات یہ ہے کہ یہ سال قحط کا ہے لڑائی کے لیے لکنا آدمیوں اور جانوروں کی ہلاکت کا مترادف ہے اس لیے تم مدینہ جا کر ان لوگوں کا حوصلہ پست کر دینا کہ وہ بھی میدان کا رخ نہ کریں میں تمہیں اس کے صلہ میں دس اونٹ دوں گا۔

نعیم نے مدینہ منورہ پہنچ کر دیکھا کہ مسلمان جہاد کے لیے تیا ریاں کر رہے ہیں تو کہا کہ تم گزشتہ سال احد کے غزوہ میں اپنے گھروں میں تھے اور وہ لوگ اتنی دور سے آئے تھے پھر بھی تمہیں پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا اب تمہارا اتنی دور مقابلہ کے لیے جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے اگر اس طرح تم مقابلہ کے لیے جاؤ گے تو خیال ہے کہ تم میں سے کوئی بھی قحط کرنے آسکے گا۔ یہ بات سن کر منافق تو کچھ متاثر ہو گئے مگر بکے بچے مسلمانوں کے دلوں میں صبر و ثبات اور جہاد و شہادت کا ذوق و شوق لہرے لینے لگا جس سے ان کے نور ایمان میں اور بھی زیادہ قوت آگئی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں ضرور لکھوں گا خواہ میرے ساتھ ایک آدمی بھی نہ جائے (یہ پیغمبرانہ اولوالعزمی کی شان تھی چنانچہ آپ سترہ مجاہدین کے ساتھ بدر پہنچے۔ اس وقت حَسْبُنَا اللہ و نَعْمَ الْوَكِيلُ ان کا دروزبان تھا مال تجارت بھی ساتھ تھا وہاں پہنچ کر تجارت کا سامان اچھے منافع سے فروخت کیا اور اسی طرح بغیر کسی قتال و جدال کے سالمین غالمین واپس ہوئے اور اپنے لوگوں کے ساتھ ابوسفیان مکہ معظمہ پہنچے تو مکہ والوں نے اس لشکر کو ”جیش السدوق“ کا نام دیا اور کہا کہ تم تو ستوپینے کے لیے گئے تھے۔

۲۔ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّا اِيْمَانًا و تسلیمًا میں ایمان سے مراد ذات خداوندی کی تعظیم و اجلال ہے یعنی اس ذات بے چون و چگوں کی عظمت و جلال کو اس طرح جاننا اور اس کا سکھنا اپنے قلب پر بٹھانا کہ اس کی کامل اتباع و انقیاد نتیجہ حاصل ہو اور تسلیم کے معنی اس کی بات ماننا (عمل کے درجہ میں) یہ حضرت شاہ صاحب کی تعبیر ہے اور فرمایا کہ اگر ایمان کا تعلق عقائد سے ہو تو وہ تصدیق قلبی والا ایمان ہے اور اگر اس کا تعلق ذات باری سے ہو تو وہ تصدیق قوی و انقیاد ظاہری ہے جس کو تسلیم کہا جائے گا۔

اس آیت میں غزوہ خندق کی طرف اشارہ ہے جو ۵ھ میں پیش آیا اس وقت مسلمانوں پر چاروں طرف سے یورش کی گئی تھی کفار نے بارہ ہزار یا چوبیس ۲۴ ہزار کی تعداد میں پورے سامان حرب سے تیار ہو کر مدینہ منورہ کا محاصرہ کیا تھا اس وقت مدینہ منورہ میں مسلمان بمشکل چار ہزار ہوں گے۔ اور کفار کے مقابلہ میں میدان میں آنے والوں کی تعداد تو دو ہزار سے زیادہ نہ تھی ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں ان میں خوف و ہراس اور گھبراہٹ و زراس کی صورت پیدا ہونی چاہیے تھی مگر اس کے برعکس ان کے اندر ایمان و تسلیم اور استقلال و استقامت میں اضافہ ہوا۔ اور جب ان کی یہ کیفیت ہوئی تو حق تعالیٰ کی نصرت اور امداد بھی پوری طرح ان کی طرف متوجہ ہو گئی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر مدینہ کی اس جانب خندق کھدوائی تھی جس طرف سے کفار مکہ کے حملہ کا خطرہ تھا یعنی شمال و مغرب کی سمت خندق کافی گہری اور چوڑی تھی۔ جس پر جگہ جگہ مسلمان جاں باز متعین کر دیے گئے تھے کہ دشمنوں کو آگے نہ بڑھنے دیں ان کو خندق کو عبور کر کے مدینہ منورہ میں گھسنا بہت دشوار کر دیا تھا اگر کوئی بہادر ہمت کرے آگے بڑھنا بھی چاہتا تو محافظ دے اس کو تیروں سے چھلنی کر دیتے تھے ۲۸، ۲۹ روز تک کفار نے محاصرہ جاری رکھا ان کی بہت تعداد تھی کھانے پینے وغیرہ کے لیے مصارف اور مسلسل ناکامیوں نے ان کی ہمت پست کر دی مزید حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمادی کہ یا اللہ اپنے مخلص مومن بندوں کی مدد فرما اور کفار کو ایسی ہزیمت دے کہ پھر بار بار چڑھ دوڑنے کا حوصلہ ہی باقی

نہ ہے چنانچہ ایسی زبردست آندھی آئی کہ کفار کے رہے ہے اور سان بھی خطا ہو گئے خیے اکڑا کڑا کر دور جا پڑے سخت پریشان ہوئے اور سمجھے کہ بس اب قیامت ہی آگئی اور میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

۷۔ والحب فی اللہ والبغض فی اللہ من الایمان امام بخاری نے یہ استدلال کیا ہے کہ خدا کے واسطے محبت اور بغض بھی ایمان کا جزو ہیں جو کہ احوال میں سے اور اکثر غیر اختیاری ہوتے ہیں لیکن یہ استدلال اس پر موقوف ہے کہ من کو تعریفیہ سمجھا جائے ہم کہیں گے کہ ابتدائیہ و اتالیہ ہے جیسے انت منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ میں ہے۔

۸۔ کتب عمر بن عبد العزیز الخ چونکہ آپ نے ایمان کے لیے فرائض شرائع حدود و سنن بتلائے معلوم ہوا کہ ایمان ان سب سے مرکب ہے۔ یہ استدلال بھی ناقص ہے کیونکہ اول تو ایمان کے لیے یہ خارجی چیزیں بتلائیں نہیں فرمایا کہ ایمان یہ سب امور ہیں پھر استحکال کا لفظ بھی بتلا رہا ہے کہ یہ سب خارجی اوصاف ہیں جن کا وجود ایمان کے لیے ضروری ہے۔ تمنا نہیں فرمایا۔ جس سے جزئیت پر استدلال صحیح ہوتا۔ پھر یہ امر بھی پہلے واضح ہو چکا کہ ایمان کامل تو وہی ہے جو اعمال صالحہ اور احوال طیبہ سے مزین ہو باقی نفس ایمان کی اصل حقیقت صرف وہی مرتبہ محفوظ (غیر مرکب) ہے جو امام صاحب وغیرہ کی تحقیق ہے۔

۹۔ ولکن لیطمئن قلبی۔ اس آیت سے استدلال حنفیہ کے لیے زیادہ موزوں ہے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایمان نہ صرف کامل بلکہ اعلیٰ مراتب کمال میں موجود تھا پھر اس میں زیادتی کا کیا سوال ہو سکتا ہے۔ اولم لو من اور قال بلے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ نفس ایمان حاصل تھا اور مطالبہ زائد چیز کا تھا جو خارجی کیفیات و احوال سے متعلق ہے۔

۱۰۔ قال معاذ اجلس بنا لئلا من ساعۃ یہاں مقصود صرف ایک ساعت کے لیے ایمان لانا نہیں ہے بلکہ حسب روایت حسن حصین "جددوا ایمانکم بقول لا الہ الا اللہ" تجدید و احضار ایمان مراد ہے ظاہر ہے کہ ایمان کی نصرت و تازگی اس کے حسن کی ذمہ داری و بہار وغیرہ اصل ایمان کے علاوہ اوصاف ہیں۔

۱۱۔ قال ابن مسعود "الیقین الایمان کلمۃ یہاں لفظ کل سے استدلال کیا گیا ہے کہ ایمان کے اجزاء ہیں جب ہی تو کل کا اطلاق ہوا ہے لہذا ایمان اجزاء سے مرکب ہوا اس کی تائید روایت طبرانی سے بھی ہوتی ہے جس میں صبر کو نصف ایمان فرمایا ہے لیکن اس کا جواب بھی یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ نفس ایمان کی پوری حقیقت تو یقین و اذعان ہی ہے جو تصدیق قلب ہے لہذا ایمان کی بساطت ظاہر ہوئی اور اشارہ اس طرف ہوا کہ یقین و اذعان قلبی کے سوا دوسری سب چیزوں کا تعلق اسلام سے ہے کہ اسلام تمام اعمال و اخلاق حسنہ کا مقتضی ہے اور دین کا اطلاق ایمان و اسلام دونوں پر آتا ہے۔ ان الذین عند اللہ الاسلام اور رضیت لکم الاسلام دینا اور مشہور حدیث جبرائیل میں فرمایا کہ ایمان و اسلام دونوں کی تشریح آپ فرما چکے تو صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے جو تمہیں دین سکھانے آئے تھے چنانچہ بغوی شافعی نے حدیث جبرائیل میں فرمایا کہ ایمان باطنی اعتقاد کا نام ہے اور اسلام ظاہری اعمال کا اور ان دونوں کا جامع دین ہے اور خدا کے یہاں دین وہی مرضی و مقبول ہے جو ایمان و اسلام دونوں کو شامل ہو۔ (نووی شرح مسلم صفحہ ۲۵ انصاری دہلی)

امام نووی نے صفحہ ۲۶ میں یہ بھی لکھا کہ ہمارے اصحاب متکلمین میں سے محققین کا یہ قول ہے کہ نفس تصدیق میں کمی و زیادتی نہیں ہوتی البتہ ایمان شرعی میں کمی و زیادتی ثمرات ایمان یعنی اعمال کے سبب ہوتی ہے اور اس صورت سے ایمان حسب ظواہر نصوص و اقوال سلف کی ایمان بمعنی لغوی و ایمان حسب اصطلاح متکلمین کے ساتھ مطابقت ہو جاتی ہے پھر امام نووی نے لکھا ہے کہ اگرچہ فی نفسہ متکلمین کی بات تو اچھی ہے مگر ہماری سمجھ میں ایک بات یہ بھی آتی ہے کہ نفس تصدیق میں بھی کثرت نظر و فکر اور اولہ و آخرہ کے باعث زیادتی ہو سکتی ہے اور اسی لئے صدیقین کا ایمان دوسروں سے زیادہ قوی ہوتا ہے۔

ہماری طرف سے اس استدلال کا جواب صاف ہے کہ کیفیت کے اعتبار سے ایمان میں زیادتی و کمی ہم بھی مانتے ہیں۔ ہمیں اس کا انکار نہیں اسی لئے کسی مومن کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے ایمان کو صدیقین یا طائفہ کے جیسا کہے کیونکہ ان کے ساتھ کیفیات میں کوئی برابری نہیں ہو سکتی البتہ کم میں برابری ہے کہ جن چیزوں پر ان سب کو ایمان رکھنا ضروری ہے ہمیں بھی ان پر ایمان رکھنا ضروری ہے دوسرے یہ کہ ایمان تصدیق قلبی کا ایک خاص درجہ ہے جو محیط ہے اس میں کمی و بیشی نہیں ہے کی صورت شک و ریب والی ہے اس لئے ایمان نہیں اور زیادتی کی صورت میں کیفیات کے لحاظ سے ہیں اس لئے وہ بھی نفس ایمان سے زائد ہیں۔ معتزلہ اعمال کو شرط صحت ایمان و تمکلات قرار دیتے ہیں محدثین شرط کمال ایمان و مکملات کہتے ہیں مرجحہ اعمال کو کوئی درجہ نہیں دیتے خفیہ و مشکمین اعمال کو ضروری لازمی شرط دخول اولیٰ جنت اور بطور مقویات و حافظات مکملات ایمان سمجھتے ہیں۔ ممتات نہیں کہتے۔

## مراتب ایمان و اعمال پر دوسری نظر

تمام دلائل شرعیہ اور مذاہب اہل سنت کی روشنی میں اعمال صالحہ کو مقویات و حافظات یا مکملات ثانوی ہی کا درجہ دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے جو خفیہ و مشکمین فقہاء و محدثین احناف کا مختار ہے اس کی ایک وجہ یہ بھی سمجھ میں آتی ہے کہ علماء نے روح کی غذا علوم نبوت کو قرار دیا ہے اعمال کو نہیں طاعات کو روح کے لیے بطور مقوی و محافظ صحت ادویہ اور محاسنی کو بطور ادویہ مہملہ و بد پرہیزیوں کے قرار دیا ہے۔ پھر قلب اشرف اعضاء انسانی ہے۔ جس کے صلاح و فساد پر گھوٹے حدیث صحیح تمام جسم کا صلاح و فساد موقوف ہے۔ اس سے جو امور متعلق ہیں ان کا مرتبہ بھی بہت بلند ہے پھر ان میں سے ایمانیات و عقائد کا درجہ اول ہے اور اخلاق و ملکات قاضیہ کا درجہ ثانوی ہے اس کے بعد لسان کو دوسرے جوارح پر شرف ہے تو اس سے تمام کلمات طیبات تلاوت کلام اللہ دعاء ذکر و استغفار تعلیم و تعلم و درود سلام وغیرہ متعلق ہوئے اس کے بعد دوسرے جوارح کے اعمال کا درجہ ہے البتہ بعض اعمال فرض و واجب ہونے کی حیثیت سے افضل ہو جاتے ہیں (کہ طاعت قافلہ کی زیادہ سے زیادہ تعداد بھی ایک فرض کو نہیں پہنچتی) یا جس عبادت میں مختلف قسم کی طاعات جمع ہوں وہ دوسری عبادات سے افضل ہوگی۔ مثلاً نماز۔

۱۔ حضرت علامہ کشمیریؒ کی خاص تحقیق: یہاں مکملات کے سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب کی ایک نہایت اہم تحقیق قابل ذکر ہے اس کو بھی پیش نظر رکھئے فرمایا امام بخاری اور شوافع کے یہاں ایمان ایک مجموعہ مرکب ہے جس کے اجزاء اعمال بھی ہیں لیکن یہ بھی مانتے ہیں کہ اس کے بعض اجزاء عقائد تو ایسے ہیں جن کے نہ ہونے سے ایمان ختم ہو جاتا ہے اور بعض اجزاء (اعمال وغیرہ) ایسے ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے بھی ایمان باقی رہتا ہے اور ان اجزاء کو وہ اجزاء سہلہ مانتے ہیں۔ اسی طرح نماز میں اختلاف ہے کہ شوافع اس کو مجموعہ ارکان و مستحبات کہتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ بعض اجزاء ایسے ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے نماز نہ ہوگی اور بعض ایسے ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے بھی نماز درست ہے خفیہ نے کہا کہ نماز مجموعہ ارکان ہے فرائض اجزاء مقومہ ہیں اور سنن و مستحبات اس کے اجزاء مکملہ غیر مقومہ ہیں۔ پس اگر نزع کا اصل محور اس امر کو قرار دیں کہ آیا کوئی حقیقت چھ اجزاء سے مرکب ہو سکتی ہے یا نہیں جن میں سے بعض اجزاء کے نہ ہونے پر بھی کل کا اطلاق صحیح ہو سکتا ہو تو اس صورت میں تو شافعیہ کا نظریہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ ایسی بہت سی چیزیں ملتی ہیں جن کے بعض اجزاء موجود نہ ہونے پر بھی ان پر کل کا اطلاق ہوتا ہے جیسے نماز وغیرہ اور اگر نزع کا اصل محور اس امر کو مانیں کہ کسی شئی کے مکملات ہمیشہ اس کے صرف اجزاء ہی نہ ہوں گے بلکہ غیر اجزاء بھی ہو سکتے ہیں تو خفیہ کا نظریہ زیادہ جواب ہے کیونکہ ایمان پر اعمال کے عطف سے (جو تغافل کا معنی ہے) یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اعمال ایمان کے لئے اجزاء نہیں اور پھر بھی مکملات ہیں لہذا خفیہ کے حق مختار کو ترجیح ہوئی کہ ایمان مجموعہ مرکب نہیں ہے۔

البتہ اب یہ دیکھا جائے گا کہ ایمان کا اطلاق جو اعمال پر احادیث میں بکثرت ہوا ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ اگر کہا جائے کہ تصدیق پر اطلاق اصالتاً ہے اور اعمال پر مجعاً تو یہ وجہ خفیہ کی تائید کرتی ہے اور اگر کہا جائے کہ دونوں پر اطلاق بطور جزو کل کے ہے تو یہ بات شافعیہ کے موافق ہوگی۔ راقم الحروف کے نزدیک اجزاء شئی کو مکملات اولیہ اور غیر اجزاء کو مکملات ثانویہ کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ واللہ اعلم وعلیہ السلام۔

نوٹ: حضرت شاہ صاحبؒ کی مذکورہ بالا تحقیق سے (اور اس قسم کے آپ کے فیصلے آئندہ بھی بہ کثرت آئیں گے) آپ کی شان انصاف اور دقت نظر پوری طرح نمایاں ہے اور یہی شان ہمارے دوسرے اکابر محققین خفیہ کی بھی ہے۔ لفظنا اللہ بعلوہم الممجد۔

مذکورہ بالا نظریہ کی تائید حافظ ابن تیمیہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو ایمان و اسلام کا فرق بتاتے ہوئے انہوں نے کتاب الایمان صفحہ ۱۳۹ میں لکھا ہے ”فرق یہ ہے کہ اسلام دراصل عمل ہی عمل ہے اور ایمان ایک علم ہے عمل یہاں تابع ہے اس کے بعد اگر احادیث پر ایک اجمالی نظر ڈالو گے تو اس سے بھی تم کو معلوم ہوگا کہ وہاں بھی اس فرق کی رعایت کی گئی ہے یعنی اسلام کا تعلق ظاہر سے اور تصدیق کا باطن سے قرار دیا گیا ہے۔“

مسند احمد میں حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں کہ ”اسلام ظاہر ہے اور ایمان دل میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا کہ ”مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے اور مومن وہ ہے جس کی طرف سے لوگ اپنے جان و مال کے لیے کوئی خطرہ محسوس نہ کریں۔“

ان تصریحات سے حنفیہ کے موقف کی پوری پوری تائید ہوتی ہے اور ہر امر کو اپنے اپنے صحیح مرتبہ و مقام میں رکھنے کی عملی شکل سامنے آ جاتی ہے جس سے ائمہ حنفیہ و متکلمین کی وقت نظر و اصابت رائے کا یقین حاصل ہوتا ہے۔

۱۲۔ قال ابن عمر لا يبلغ العبد حقيقة التقوى إلّا ببعض روايات میں حقیقت الایمان آیا ہے اور امام بخاری بھی چونکہ ایمان و تقویٰ کو ایک ہی سمجھتے ہیں اس لئے استدلال درست ہو گیا کہ قول ابن عمر حقیقت ایمان کا حصول اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ایسی باتوں کو بھی ترک نہ کر دیا جائے جو دل میں کھٹکتی ہوں۔ یعنی معمولی مشتبہ چیزوں سے بھی احتیاب چاہئے جو تقویٰ کا اعلیٰ مرتبہ ہے گویا امام بخاری ترقی کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بڑے اعمال ہی نہیں چھوٹے عمل بھی ایمان کے اجزاء ہیں جس کا حاصل یہ ہوگا کہ امام بخاری کی بات تو ٹھیک ہو جائے گی مگر مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد حقیقت ایمان تک رسائی سے محروم قرار پائے گی یہی بات ہے کہ امام بخاری کے مزاج میں یک طرفہ رجحان کا مادہ زیادہ تھا جس کی وجہ سے افراط و تفریط تک لوہے پہنچ جاتی تھی اور اعتدال کی بات وہی ہے جو امام صاحب وغیرہ نے اختیار فرمائی۔

۱۳۔ قال مجاهد شرع لكم من الدين الخ امام بخاری نے اس طرح استدلال کیا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے اب تک دین وہی ایک ہے اگرچہ جزئیات و فروع بدلتے رہے ہیں اور جب دین کے اجزاء اصول و فروع رہے ہیں تو ایمان کے بھی ہوں گے۔ کیونکہ امام بخاری دین و ایمان کو ایک سمجھتے ہیں۔

یہاں بھی غلطی دونوں کو ایک سمجھنے سے ہوئی ہے ہم نے امام نووی سے نقل کیا تھا کہ دین کا اطلاق ایمان و اسلام دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے۔ اور اسلام کی حقیقت میں ہمارے نزدیک بھی انقیاد ظاہری کے تمام اعمال داخل ہیں لہذا ایمان جس میں بحث تھی اس کے لیے یہ استدلال بے محل ہے ہمارے حضرت شاہ صاحب نے بھی وقت درس فرمایا تھا کہ امام بخاری کا یہ استدلال بے محل ہے۔ اور امام بخاری کے اس استدلال کے مقابلہ میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم

۱۴۔ قال ابن عباس ”شريعة و منهاجا“ ہر ایک کے لیے ہم نے چھوٹے اور بڑے راستے مقرر کئے یعنی ہر امت کے لیے منہاج (بڑا راستہ اصول و عقائد کا) تو ایک ہی رہا مگر شریعتیں امتوں اور زمانوں کے مناسب حال بدلتی رہیں امام بخاری نے استدلال کیا کہ فروع و شرائع کے اختلاف کے باوجود دین و منہاج ایک ہی رہا ہے جس کے تحت عملی شرائع ہیں یہاں بھی جواب حسب سابق ہے۔ کہ منہاج و دین یا سبیل و شریعت میں بحث نہیں ہے بلکہ ایمان میں ہے۔ جس سے استدلال ہٹ گیا۔ آپ اگر سب کو ایک کہنے لگیں تو یہ بات دوسروں پر تو حجت نہیں ہو سکتی۔ کما لا یخفی۔

۱۵۔ و دعاء کم ایمانکم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دعاء کی تفسیر ایمان سے ہوئی حالانکہ وہ عمل ہے معلوم ہوا کہ ایمان میں عمل داخل ہے حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ میرے نزدیک آیت مذکورہ کو محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ وہ کافروں کے بارے میں ہے پوری آیت آخر سورت فرقان میں ہے اور ترجمہ یہ ہے۔ کہہ دیجئے! میرے رب کو تمہاری پروا نہیں اگر تم اس کو نہ پکارو سو تم جھٹلا چکے اب آگے کو ہوتی

ہے مذہبھیز (یعنی کافر جو حق کو جھٹلا چکے) یہ تکذیب عنقریب ان کے گلے کا ہار بنے گی اس کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہ ہوگا آخرت کی ابدی ہلاکت تو ہے ہی دنیا میں بھی اب جلد مذہبھیز ہونے والی ہے یعنی لڑائی جہاد چنانچہ ”غزوہ بدر“ میں اس مذہبھیز کا نتیجہ دیکھ لیا۔“ (فوائد علامہ عثمانی)

علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ حضرت ابن عباسؓ کو تفسیر و دعاء کم ایمانکم کا مطلب یہ ہے کہ کفار کو حق تعالیٰ نے خبر دی ”ان کی خدا کو ضرورت نہیں اسی لیے ان کو ایمان کی دولت سے نہیں نوازا اور نہ جس طرح مومنوں کے لیے ایمان کو محبوب بنا دیا تھا ان کے لیے بھی بنا دیتا۔ پھر فرمایا کہ تم تو حق کی تکذیب کر چکے ہو پھر اس کا نتیجہ بھی جلد دیکھ لو گے (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۳۲۰/۳ مطبوعہ مصطفیٰ محمد)

## حضرت شاہ صاحب کا جواب

مذکورہ بالا تشریحات سے آیت مستدلہ امام بخاری کا کفار کے حق میں ہونا واضح ہو چکا اس کے بعد ہمارے حضرت شاہ صاحب کی تحقیق پر دھیے فرمایا کہ اگر دعا کو اپنے معنی میں رکھا جائے۔ تو اس سے مراد یہاں عرفی دعا نہیں بلکہ دلوں کی پکار اور خدا کی طرف توجہ قلبی و تضرع مراد ہے جو بعض مرتبہ سخت مصائب و پریشانیوں میں گھر کر کفار سے بھی واقع ہوا ہے جیسے قرآن مجید میں آیا ”وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوَاجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوْا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ“ (لقمان) مطلب یہ ہوا کہ حق تعالیٰ تمہارا خیال اس لیے فرما لیتے ہیں کہ تم اس کو پکار لیتے ہو فتاویٰ قاضی خاں میں ہے کہ دنیا میں کفار کی دعاء بھی قبول ہوتی ہے اسی طرح ان کے استغفار سے بھی دنیا میں ان کو نفع ہو سکتا ہے مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ابن جعدان (جو ایام جاہلیت میں مر گیا تھا) کیا اس کے صدقات سے اس کو نفع پہنچا ہوگا؟ آپ نے ارشاد فرمایا ”نہیں“ کیونکہ اس نے کبھی اپنی زبان سے خدا کی مغفرت و رحمت طلب نہیں کی تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے میں سمجھا کہ استغفار سے کفار کو بھی نفع پہنچتا ہے مگر دوزخ سے نجات نہ ملے گی۔

اور اگر دعا سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر کے مطابق ایمان لیا جائے تو حق تعالیٰ یہ تعبیر فرما رہے ہیں کہ خدا جس چیز کا لحاظ و خیال فرماتے ہیں وہ عرفی دعا یا پریشانی و مصیبت سے گھبرا کر اس کو پکارنا نہیں بلکہ ایمان ہے جس کی وجہ سے اس کی رحمت خاصہ مومنوں کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اگر ایمان نہیں تو وہ خصوصی فضل و رحمت کا معاملہ بھی نہیں غرض حضرت شاہ صاحب کی رائے میں امام بخاری کا یہ استدلال بے محل ہے اس لیے کہ بحث ایمان شرعی اور مومنین کے ایمان میں ہے اور یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اگر امام بخاری کے استدلال کو بر محل کہیں گے اور تفسیر ابن عباس کی مدد سے دعاء کو ایمان یا جزو ایمان قرار دیں گے جس طرح اور جگہ امام بخاری نے استدلال کیا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہو جائے گا کہ خاص اس مقام میں دعاء کفار کو ایمان یا ایمان کا جزو سمجھیں تو ایمان کی حقیقت کس قدر نیچے گر جائیگی کہ اس کا ایک جزو یا فرد مستحقین عذاب کفار کی تکذیب کے ساتھ بھی جمع ہو سکتا ہے اور پھر ہمیں یہی کہنا پڑے گا کہ امام بخاری اپنے ایک طرف ذرہ حنان کے غلو اور بہاؤ میں اتنی دور تک چلے جاتے ہیں جو ان کی جلالت قدر و رفعت شان علم کے لیے موزوں نہیں۔

## امام صاحب کی وقت نظر

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ امام صاحب رضی اللہ عنہ نے جو ایمان شرعی کا ایک محفوظ مرتبہ سمجھا ہے جو ہر قسم کے شک و شبہ اور تکذیب سے بالاتر ہو اس سے کم درجہ اگر کوئی ہے تو وہ کفر ہے ایمان ہرگز نہیں پھر وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ایسا ایمان و یقین جن ایمانیات و عقائد سے متعلق ہونا چاہیے ان کو ماننے میں اولین و آخرین اونی مومنین سے لے کر انبیاء و مرسلین تک سب برابر ہیں یہ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ مقرب فرشتوں یا برگزیدہ نبیوں کا ایمان زیادہ چیزوں پر ہوتا ہے اور کم درجہ کے مسلمانوں کا کم چیزوں پر ہوتا ہے اس کے بعد امام صاحب وغیرہ کو اس امر سے انکار ہرگز نہیں کہ سب کے مراتب یکساں نہیں فرق مراتب سے جو کیفیات ایمان کے باعث ہوتی ہے بڑے سے بڑا

فرق ہوتا ہے حتیٰ کہ صرف حضرت صدیق اکبر کا ایمان ساری امت کے ایمانوں سے زیادہ وزنی مانا گیا ہے، ہم یہ بھی لکھ آئے ہیں کہ سلف سے جو معقولہ امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ ایمان قول و فعل اور کم و زیادہ ہوتا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میں ایک ہزار سے زیادہ لوگوں سے ملا، سب کا قول یہی تھا اور اپنے گہرے تاثر کا اظہار امام بخاری نے اس سے بھی ظاہر کیا کہ میں نے

اپنی کتاب میں کسی ایسے شخص کی روایت نہیں لی۔ جو اس قول مذکور کا قائل نہیں تھا، ہم حوالوں سے لکھ آئے ہیں اور حضرت شاہ صاحب نے درس بخاری میں ارشاد فرمایا تھا کہ امام بخاری نے اس جملہ کو پورا نقل نہیں کیا۔ اور فرمایا کہ قول و فعل تو اس زمانے کے مقتضاء حال کے مطابق تھا کہ فساق و فجار نے ترک عمل و ارتکاب کبار کے لیے مرجح کی آڑ میں بہانے بنائے تھے اس کی روک تھام کے لیے قول و فعل اہل حق کا شعار بن گیا تھا، دوسرا جملہ بیزید و نقص والا یہ تھا کہ طاعات سے ایمان میں زیادتی اور معاصی سے نقص آتا ہے، جس کو امام بخاری نے مختصر کر دیا، تو طاعات سے زیادتی اور معاصی سے نقص کا کیفیت کے اعتبار سے امام صاحب وغیرہ کو بھی انکار نہیں، بلکہ ان سے اتنی بات تو نقل بھی کی گئی ہے کہ طاعات سے ایمان میں زیادتی ہوتی ہے اور کوئی نقل اس قسم کی خود امام صاحب سے نہیں ملی کہ ایمان کے طاعات سے زیادہ ہونے اور معاصی سے نقص ہونے کا انکار فرمایا ہو، اگر ایسا ہو تو یہ بات ضرور قول سلف کے خلاف و ضد ہوتی، غرض اعمال صالحہ سے ایمان کے اندر نورانیت میں اضافہ اور انبساط و انشراح وغیرہ کیفیات پیدا ہونے سے خفیہ کو بھی انکار نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

### حافظ عینی کے ارشادات

آخر میں اس سلسلہ کی تکمیل کے لیے اس المحققین، عمدۃ المحدثین، حنفیہ بدرالدین عینی کی وجہ ثنائیہ کا خلاصہ درج کرتا ہوں۔  
۱۔ اقرار لسانی ایمان کا رکن نہیں ہے، کیونکہ اس کا وجود و وجود تصدیق قلبی کے لیے یا عدم اس کے عدم کے لیے دلیل قطعی نہیں ہے البتہ اجراء احکام ظاہری کے لیے شرط ہے، کیونکہ ان احکام کا مدار ظاہر پر ہی ہے، پس بدوں اقرار لسانی بھی خدا اور بندہ کے مابین ایمان کا تحقق ہو جاتا ہے، کیونکہ حدیث صحیح میں ہے کہ ”دوزخ سے وہ شخص بھی نکال لیا جائے گا جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہوگا“ تو ایسا شخص جس کو خدا کی پوری معرفت حاصل ہوگئی اور تمام عقائد پر پختگی بھی اس کو حاصل ہے اور اس کا دل نور ایمان سے معمور ہو چکا ہے پھر محض زبان سے کلمہ نہ پڑھنے کی وجہ سے اس کو غیر مومن کیونکر کہہ سکتے ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اقرار لسانی ایمان میں معتبر نہ ہوا اور یہ خلاف اجماع ہے، کیونکہ اس امر پر اجماع ہو چکا ہے کہ وہ معتبر ہے، خلاف صرف اس میں ہے کہ رکن ہے یا شرط جواب یہ ہے کہ امام غزالی نے اجماع کا انکار کیا ہے اور شخص مذکور کے مومن ہونے کا حکم کیا ہے اور باوجود قدرت یا وقت ملنے کے اقرار لسانی نہ کرنے کو منجملہ معاصی قرار دیا ہے اور بعض حالات میں ترک اقرار بحالت اختیار کا جواز بھی ان کے یہاں مفہوم ہوتا ہے۔

۲۔ اعمال جو ارجح ایمان میں داخل نہیں ہیں، کیونکہ آیات میں عمل صالح کو ایمان سے الگ کر کے عطف کے ذریعے بتایا گیا ہے۔ اگر وہ ایمان میں داخل تھے تو تکرار بے فائدہ ہوا۔

۳۔ آیات قرآنی میں ایمان کے ساتھ ضد عمل صالح کو ذکر کیا گیا ہے جیسے وان طائفتان من المؤمنین القتلوا الایۃ حالانکہ ایک چیز کو اس کے جزو کی ضد کے ساتھ ملانا درست نہیں ہے، معلوم ہوا کہ عمل صالح ایمان کا جزو نہیں ہے۔

۴۔ آیت الذین آمنوا و لم یلبسوا ایمانہم بظلم میں ظلم سے مراد ارتکاب محرمات ہیں، اگر طاعت ایمان کا جزو ہوتی تو ظلم و ایمان سے خود ہی منافی ہوتا، کیونکہ ضد تجرما لشیء اس سے متفی ہوا کرتا ہے ورنہ اجماع ضدین لازم آئے گا۔ پس ایسی صورت میں و لم یلبسوا



ایمانہم بظلم کا عطف الذین آمنوا پر کر رہے قاعدہ ہوا۔

۵۔ حق تعالیٰ نے بہت سی آیات میں ایمان کو صحت اعمال کے لیے شرط قرار دیا جیسے واصلحوا ذات بینکم و اطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مومنین۔ و من یعمل من الصالحات و هو مومن۔ وغیرہ اور قاعدہ ہے کہ شرطی اس کی ماہیت و حقیقت سے خارج ہوتی ہے۔

۶۔ حق تعالیٰ نے بندوں کو وصف ایمان کے ساتھ خطاب کیا پھر ان کو اعمال بجالانے کے احکام دیئے جیسے کہ آیات صوم و صلوٰۃ و وضو میں اس سے معلوم ہوا کہ عمل مفہوم ایمان سے خارج ہے ورنہ تحصیل حاصل کی تکلیف لازم آئے گی۔

۷۔ حدیث جبریل میں ایمان کے سوال پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف تصدیق پر اکتفا فرمایا کہ فلاں فلاں باتوں پر ایمان لاؤ اور آخر میں یہ بھی فرمایا کہ یہ جبرائیل تھے جو تمہیں دین سکھانے آئے تھے پس اگر ایمان میں تصدیق کے علاوہ اعمال وغیرہ بھی داخل تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کیوں بیان نہیں فرمایا اور جبریل علیہ السلام نے بجائے تصدیق کے اصلاح کیوں نہیں دی؟ دین سکھانے آئے تھے تو ایسے مخالفہ دلی بات کو صاف نہ کرتے یہ کیونکر ممکن تھا؟

۸۔ حق تعالیٰ نے مومنین کو توبہ کا حکم فرمایا یا ایہا اللہین آمنوا توبوا الی اللہ توبۃ نصوحا و توبوا الی اللہ جمیعاً ایہا المومنون جس سے معلوم ہوا کہ ایمان معصیت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے حالانکہ کوئی چیز اپنے جزو کی ضد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ (عمدة القاری صفحہ ۱/۱۲۳)

اگر کہا جائے کہ حدیث میں لا یزنی الزانی حین یزنی و هو مومن آیا ہے تو حدیث ہی میں ”من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة وان زنی وان سرق بھی وارد ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ جو توحید و رسالت کا اقرار کرے اس کو جنت سے روکنے والی کوئی چیز نہیں ہے تاہم اہل حق اہمیت و فرضیت اعمال اور ترک اعمال و ارتکاب کبائر پر استحقاق عذاب و محرومی دخول اولی جنت کے قائل ہیں اور فرقہ باطلہ مرجع ان امور سے منکر ہے کہتا ہے کہ ایمان کی موجودگی میں ارتکاب معصیت یا ترک اعمال پر کوئی موقوفہ نہیں ہوگا واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم

۷۔ حدثنا عبید اللہ بن موسیٰ قال انا حنظلہ بن ابی سفیان عن عکرمۃ بن خالد عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ والحج و صوم رمضان۔

ترجمہ:- حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس امر کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں نماز قائم کرنا۔ زکوٰۃ ادا کرنا حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

تشریح:- اسلام کو مع ارکان خمسہ کے خیمہ سے تشبیہ دی گئی ہے جس طرح ایک خیمہ کو قائم رکھنے کے لیے ایک عمود و قطب (درمیانی پائس یا دوسری مضبوط و مستحکم لانی لکڑی) کا ہونا ضروری ہے جس پر پورا خیمہ قائم ہو جاتا ہے اور اس کے پھیلاؤ کو قائم رکھنے اور تند و تیز ہواؤں سے محفوظ رکھنے کے لیے چاروں طرف اوتاد (کھونٹے) گاڑ کر اطباء (رسیوں) سے باندھ دیا جاتا ہے اور اس کی تکمیل ہو جاتی ہے اسی طرح اسلام کو ایک خیمہ سمجھئے جس کا عمود و قطب شہادت توحید و رسالت یا ایمان و تصدیق قلبی ہے۔ اور اس کے دوسرے تمام شعبے اعمال اخلاق وغیرہ بطور اوتاد و اطباء ہیں کہ یہ سب مکملات ایمان اور مقویات و حافظات ہیں چنانچہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ نے کسی جنازہ پر اجتماع کے موقع پر مشہور شاعر فرزدق سے فرمایا کہ تم نے اس مقام کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ انہوں نے کہا اتنے برسوں سے شہادت توحید پر قائم ہوں حضرت حسنؓ نے فرمایا:- یہ تو عمود ہے اطباء کہاں ہیں؟ یعنی اعمال صالحہ (کذا فی المرقاۃ)

اس کے علاوہ حدیث معاذ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی تائید ملتی ہے جس کو ترمذی نسائی امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ غزوہ تبوک کے لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ ساتھ لکے راستہ میں ایک تہائی کا موقع پا کر معاذ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ

عمل دریافت کیا جو جنت میں لے جائے آپ نے فرمایا ”دین اسلام کا راس ربیع عمل تو شہادت تو حید و رسالت ہے پھر جس عمل سے دین کی بندش مضبوط و مستحکم ہوتی ہے وہ نماز پڑھنا اور زکوٰۃ دینا ہے اور اس کے اونچے عملوں میں سے سب سے اوپر اور چوٹی کا عمل خدا کی راہ میں جہاد کرنا ہے پھر آخر میں فرمایا کہ فرض نماز کے بعد جہاد فی سبیل اللہ کے برابر کوئی نیکی نہیں“ ایک حدیث طبرانی و طیالسی کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے سوال فرمایا تم جانتے ہو ایمان کو تھامنے والے دستوں میں سب سے زیادہ مضبوط ہینڈل (دستہ و عروہ) کون سا ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا ”نماز“ فرمایا نماز بہت اچھی ہے مگر اس کا دائرہ عمل دوسرا ہے پھر عرض کیا ”روزہ“ آپ نے پھر اسی طرح فرمایا صحابہؓ نے جہاد کا ذکر کیا اس پر بھی آپ نے اسی طرح فرمایا پھر فرمایا ”ایمان کے عروہوں میں سے سب سے زیادہ مضبوط و مستحکم عروہ خدا ہی کے لیے دوستی اور خدا ہی کے لیے دشمنی ہے اور اسی کی وجہ سے کسی سے محبت کرنا اور اسی کے لیے کسی سے بغض رکھنا“۔

اس قسم کی تمام احادیث سے واضح ہے کہ ایمان کی تکمیل حفاظت و استحکام کے لیے سارے اعمال کام دیتے ہیں یہ نہیں کہ خود ایمان کی جنس سے یہ سب اعمال جوارح ہیں یا اس کے اجزاء مقومہ یا مکملہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر اگر کہا جائے کہ ایمان و اسلام کے تو ۷۰۷ تک شعبے ہیں یہاں صرف چار کا ذکر کیوں کیا گیا تو ملا علی قاریؒ نے جواب دیا۔ کہ ان میں سے اہم ترین ارکان کا ذکر کر دیا گیا ہے علامہ یعنی نے فرمایا کہ عبادات دو قسم کی ہوتی ہیں قوی جیسے اداء کلمہ شہادت یا غیر قوی اور وہ بھی دو قسم کی ہے ترکی جیسے صوم یا نفل اور بھی دو قسم ہے۔ بدنی جیسے نماز یا مالی جیسے زکوٰۃ یا بدنی و مالی دونوں کا مجموعہ جیسے حج اس طرح ہر قسم کی عبادات کی طرف اشارات فرما دیے گئے۔

حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام کیا ہے؟ ایک خدائے وحدہ لا شریک کے سامنے عبادات کے لیے سرنگوں ہو جانا اب اگر دین اسلام کا تجزیہ کرو تو اس میں چند قسم کے احکام پاؤ گے۔

۱۔ وہ احکام جو سب پر یکساں واجب ہیں۔

۲۔ وہ احکام جو خاص خاص افراد سے متعلق ہیں پہلی قسم میں ایک بڑا حصہ صرف فرض علی الکفایہ ہے کہ ہر شخص پر واجب نہیں جیسا کہ جہاد امر بالمعروف نہی عن المنکر امارت حاکم قاضی مفتی شہادۃ وغیرہ ان سب کا تعلق خاص مصالح اور عارضی اسباب سے وابستہ ہے فرض کر لو اگر یہ مصالح ہماری نقل و حرکت کے بغیر حاصل ہو جائیں تو یہ احکام واجب نہیں رہتے اسی طرح حدود وغیرہ کے ابواب ہیں ان کا تعلق بھی چند جرائم کے ساتھ ہے اگر اس کا انسداد ہو جائے تو ان ابواب کی حاجت بھی نہیں رہتی دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے جیسا کہ قرض کی ادائیگی غصب و عاریت و دیعت و امانت وغیرہ تمام ابواب انسانوں کے حقوق کے تحفظ اور مظلوم کی دلداری کے لیے ہیں اگر صاحب حق معاف کر دے تو یہ ابواب بھی معطل ہو جاتے ہیں صلہ رحمی حقوق زوجیت حقوق اولاد پڑوسی شریک فقیر وغیرہ ان احکام کا تعلق بھی سب کے ساتھ نہیں بلکہ خاص خاص افراد سے ہے وہ بھی خاص خاص اوقات میں اسی طرح شریعت کے بقیہ ابواب پر بھی ایک اجمالی نظر ڈال جائیے اور غور کیجئے کہ اب وہ کون سے احکام ہیں جو ہر فرد پر واجب ہیں اور کسی وقتی مصلحت پر بھی مبنی نہیں اور انسان کے انقیاد ظاہری و باطنی کا ایک مکمل ثبوت بھی ہیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہی مبانی خمسہ ہیں اسی لیے حدیث مذکور میں صرف ان پانچ ہی کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔ (کتاب الایمان۔ صفحہ ۱۲۶ تا ۱۲۷)۔

یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ تو حید کی دعویٰ دار تو دنیا کی اکثر قومیں ہیں اور ایک قسم کا ناقص اقرار تو حید کچھ مذاہب میں پایا بھی جاتا ہے مگر مکمل صحیح و خالص تو حید جو تو حید الوہیت تو حید ربوبیت اور تو حید صفات سب پر شامل ہے صرف مذہب اسلام میں پائی جاتی ہے اور وہی راس الطاعات لب الاعتقادات ام العبادات اور راس القربات ہے پھر مسلمانوں میں عقائد و اعمال کی زیادہ صحیح تعبیر اہل سنت والجماعت میں فروغی مسائل میں حق و انصاف ائمہ احناف کے ساتھ اور موجودہ دور کے مسائل میں حق و اعتدال علماء یوہند کی طرف ملے گا۔ واللہ اعلم۔

”توحید باری تعالیٰ“ پر بہت سے دلائل عقلی و نقلی قائم ہیں اور قرآن مجید کی بعض آیات میں بھی دلائل عقلیہ کی طرف رہنمائی کی گئی ہے مثلاً آیت سورہ انبیاء لو کان فیہما الہة الا اللہ لفسدنا یا آیت سورہ مومنون و ما کان معہ من الہ اذالذہب کل الہ بما خلق و لعلنا بعضہم علی بعض اس برہان کو ”برہان تمانح“ کہا جاتا ہے۔ جس کی بہترین توضیح و تقریر حضرت نانوتوی قدس سرہ نے ”تقریر دلپذیر“ میں کی ہے اور اس کا دلنشین خلاصہ ”حضرت علامہ عثمانی نے فوائد صفحہ ۴۱۹ میں حسب ذیل کیا ہے:- (اس میں ہم نے معمولی تصرف کیا ہے)

”عبادت کامل تذل کو کہتے ہیں جو صرف اسی ذات کے سامنے اختیار کیا جاسکتا ہے جو اپنی ذات و صفات میں ہر طرح کامل ہو اسی کو ہم اللہ یا خدا کہتے ہیں اس کو ہم تمام عیب و نقائص سے پاک سمجھتے ہیں وہ نہ کسی حیثیت سے ناقص ہے نہ بے کار ہے نہ عاجز ہے نہ مغلوب کوئی اس کے کسی کام میں کسی وقت بھی روک ٹوک نہیں کر سکتا وہ مختار مطلق ہے۔ (یفعل ما یرید یفعل ما یشاء) فعال لما یرید اور لا یسئل عما یفعل اس کی شان ہے اب اگر فرض کر لیں کہ آسمان و زمین میں دو خدا ہیں تو ظاہر ہے کہ وہ دونوں اسی شان کے ہوں گے پھر دیکھنا یہ ہے کہ عالم کی تخلیق اور علویات و سفلیات کی تدبیر دونوں کے کلی اتفاق سے ہوتی ہے یا گاہ بگاہ ان کے باہم اختلاف بھی ہو جاتا ہے اتفاق کی صورت میں دو احتمال ہیں یا تو اکیلے ایک سے کام نہیں چل سکتا ہے اس لئے دونوں نے مل کر انتظام کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں میں سے ایک بھی کامل قدرت والا نہیں اور اگر ایک تنہا سارے عالم کا کامل طور پر انتظام کر سکتا ہے تو دوسرا بیکار ٹھہرا اس کو ماننے سے کیا فائدہ؟ خدا کو جو دو اسی لیے ماننا پڑا ہے کہ اس کے ماننے بغیر چارہ ہی نہیں اور اگر اختلاف کی صورت فرض کریں تو لامحالہ مقابلہ میں ایک مغلوب ہو کر اپنے ارادہ و تجویز کو چھوڑ بیٹھے گا تو وہ خدا نہ رہا اور یا دونوں مساوی و متوازی طاقت سے ایک دوسرے کے خلاف اپنے ارادہ و تجویز کو عمل میں لانا چاہیں گے۔ اول تو معاذ اللہ خداؤں کی رسد کشی میں سرے سے کوئی چیز موجود ہی نہ ہو سکے گی اور موجود بھی ہوگئی تو پھر اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر ختم ہو جائے گی غرض آسمان و زمین میں اگر دو خدا ہوتے تو ان کا یہ مضبوط و محکم نظام کبھی کا درہم برہم ہو جاتا۔

حضرت علامہ عثمانی نے اس تحقیق کا حوالہ صفحہ ۴۵۱ میں دیا ہے مگر سورہ انبیاء کی جگہ سورہ حج کا حوالہ غلطی کتابت یا طباعت سے درج ہو گیا ہے توحید کے بعد عبادات و طاعات کا درجہ ہے ان کی حقیقت ان کے مقصد اور ان کے باہمی ارتباط کو سمجھنے کے لیے بھی حضرت نانوتوی قدس سرہ کی دلنشین اور جامع مانع تحریر سے بہرہ اندوز ہو جائیے۔

عبادت در حقیقت عبدیت اور بندگی کی ایک عملی ٹریننگ ہے عبدیت در حقیقت وہ صحیح رشتہ ہے جو بندہ اور اس کے معبود کے درمیان قائم ہے جتنے آسمانی دین آئے وہ اسی رشتہ کو سمجھانے کو اور اس کے حقوق بتانے کو آئے باپ بیٹے دوست دوست ہمسایہ ہمسایہ کے رشتے حتیٰ کہ امتی اور رسول کا رشتہ بھی ایک مخلوق کا دوسری مخلوق کے ساتھ قائم ہو سکتا ہے اور نہ اس میں امتیہ کی گنجائش ہے وہ صرف مخلوق اور اس کے خالق کے درمیان قائم ہے اس رشتہ کو صرف سمجھانا نہیں ہے بلکہ اس کے ایک ایک طرز احاطہ سے ہم کو رنگین بنانا بھی ہے اگر اس رشتہ کا تجزیہ کرو تو جو اس کے بڑے عنصر نظر آئیں گے وہ صرف دو ہیں طاعت و محبت ہر غلام کا فرض ہے کہ وہ اپنے مولا کے سامنے ہمہ تن اطاعت ہو مگر وہ اطاعت نہیں جو ذوق و محبت سے خالی ہو اس کا فرض ہے کہ وہ اپنے مولے سے محبت کرے مگر وہ محبت نہیں جس میں سر موخلاف کی گنجائش باقی ہو یہ دونوں فرائض بڑی حد تک بندوں کے ساتھ بھی مشترک ہیں شریعت چاہتی ہے کہ ان مشترک فرائض کے درمیان ایک ایسا خط فاصل کھینچ دے جس کے بعد دونوں کی حدود میں کوئی اشتراک باقی نہ رہے اسی کا نام عبادت ہے۔

### داغ عبدیت و تاج خلافت

دشواری یہ ہے کہ انسان فطرۃ داغ عبدیت برداشت نہیں کرتا اس لیے اس کے سامنے ایک ایسا آئین رکھا گیا ہے جسے وہ سمجھے اور پھر اس پر عمل پیرا ہو کر اس منزل تک پہنچ جائے جہاں یہ داغ عبدیت تاج خلافت کا سب سے آبدار موتی نظر آنے لگتا ہے اس لیے اسے صرف سمجھایا

نہیں کیا بلکہ عملی طور پر بھی اس کی ٹریننگ دی گئی۔ جس کے اثر سے تدریجاً اس کی فطرت اطاعت و محبت کی خور ہوئی چلی جائے سب سے پہلے مولیٰ حقیقی نے اپنے ایسے ایسے خوبصورت نام بتائے جن میں حسن و خوبی کا جلوہ بھی ہے اور حکومت و سلطنت کا دبدبہ بھی۔ اور ہمیں حکم دیا کہ ہم ان ناموں سے اسے پکارا کریں اس کا نتیجہ نفسیاتی طور پر یہ ہونا چاہیے کہ اس کے حسن و جمال کا بے کیف و بے مثال نقش ہمارے دل پر جستا چلا جائے اس کے ساتھ اس کی بے پناہ قدرت و طاقت کا تسلط بھی قلب پر چھانا چلا جائے اور ان اسماء کے لحاظ سے عبادات میں یہ تقسیم کر دی گئی:-

## عبادات کی تقسیم

کچھ عبادتیں تو وہ رکھیں جو اس کی حکومت کا سکھ دل پر قائم کریں اور جو کچھ وہ جو جذبہ محبت بھڑکائیں اب اگر تم ذرا غور کرو گے تو اسلام کی عبادت میں نماز اور زکوٰۃ تمہیں پہلی قسم میں نظر آئیں گی اور روزہ حج دوسری قسم میں نماز و زکوٰۃ میں تمام تر بارگاہ سلطنت و حکومت کا ظہور ہے اور روزہ و حج میں سر تا سر مجربیت و اجمال کا جلوہ۔

نماز: نماز کیا ہے؟ حاضری کے ایک عام نوٹس کے بعد لباس و جسم کی صفائی اس کے بعد کورٹ کی حاضری کے لیے تیاری وکیل کا انتخاب پھر کورٹ میں پہنچ کر دست بستہ باادب قیام دائیں بائیں دیکھنے بات چیت کرنے کھانے پینے حتیٰ کہ بلاوجہ کھانسنے اور نظریں اٹھانے تک کی ممانعت آخر میں بذریعہ وکیل درخواست پیش کرنا پھر باادب سلام کر کے واپس آ جانا۔

زکوٰۃ: زکوٰۃ پر غور کیجئے تو اس میں بھی غلام کی طرح اپنی کمائی دوسرے کے حوالے کر دینا سرکاری ٹیکس وصول کرنے والے آئیں تو ان کو راضی کر کے واپس کر دینا اور جو وہ لینا چاہیں بے چون و چرا ان کے سپرد کر دینا۔

اب سوچو اگر پانچ وقت اسی طرح حاضری اور اتنی عاجزانہ جہ سائی کی تاہم ٹریننگ حاصل کی جائے۔ پھر سال بھر میں اپنا کمایا ہوا مال ایسی خاموشی اور بیچارگی سے سپرد کیا جائے تو کیا اس ذات کی ملکوت و جبروت کا نقش دل پر قائم نہیں ہوگا۔ جس کے پر شوکت اسماء پکارتے پکارتے اور یہ عاجزانہ عبادتیں کرتے کرتے عمر بسر ہو گئی۔

روزہ: دوسری طرف اگر غور کرو تو محبت کا پہلا اثر کم نفع، کم گفتن، کم خوردن ہی ہوتا ہے اس لیے اگر پہلے ہی قدم میں یہاں کوئی عاشق نہیں ہے تو یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ اس جمیل مطلق کی محبت کی عشقاندائیں ہی اختیار کرے کھانا پینا ترک کرے راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنی نیند خراب کرے اور ایک جگہ جمع ہو کر اس کلام کی ایک معقول مقدار سنا کرے جسے سن کر مردہ روحیں بھی تڑپنے لگتی ہیں اگر ایک ماہ کی اس ٹریننگ سے اس کے رنگ ڈھنگ، طور و طریق میں کچھ عاشقانہ انداز پیدا ہو گیا ہے تو اب اس کو دوسرا قدم اٹھانا چاہیے اور وہ یہ ہے۔

حج: جب کھانے پینے سونے جاگنے اور دنیا کے دوسرے لذائذ میں اس کے لیے کوئی لذت نہیں رہی تو اس کو اب کوئے یار کی ہوا کھانا چاہیے یہاں زیب و زینت ترک و احتشام درکار نہیں بلکہ سر تا سر ذل و افتخار ہمہ تن عجز و اکسار شکستہ حال و اشکبار برہنہ پاؤں و جاں نثار غرض کہ سر تا پا دیوانہ وار چلنا مقصود ہے یہی احرام کا خلاصہ ہے پھر لائق و دق میدانوں کی صحرا نوردی اور لیلائے حقیقت کے سامنے چیخ و پکار یہی تبلیہ اور میدان عرفات کا قیام ہے اس کے بعد ایک ایسے گھر کے سامنے حاضری ہوتی ہے جس کا کبھی کوئی نہیں مگر یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے حسن و جمال کی کرنیں اس کے ہر ہر پتھر سے پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں اور دلہائے عشاق کو پاش پاش کئے دیتی ہیں ایسے دل کش نظارہ کے موقع پر بے ساختہ وہی فرض ادا کرنا پڑتا ہے جو مجنوں نے دیار لیلے کو دیکھ کر ادا کیا تھا اسی کا نام طواف ہے۔

## روزہ و حج کا ارتباط

شاید صوم و حج کے اسی ربط کی وجہ سے ماہ رمضان کے بعد ہی حج کے ایام شروع ہو جاتے ہیں۔

جہاد:- اگر جذبہ محبت اس سے بھی آگے ترقی کر جائے تو آخری منزل جہاد ہے یہ عشق و محبت کی وہ آخری منزل ہے جہاں پہنچ کر محبت صادق و مدعی کا ذب نکھر جاتے ہیں۔

قرآن کریم میں جہاد کی ایک حکمت یہ بھی بتائی گئی ہے اس میدان سے جو بھاگا وہ اس لائق نہیں سمجھا جاتا ہے کہ پھر خدا اور رسول کی محبت کا دم بھر سکے اور جس نے ذرا کوئی کمزوری دکھائی اس پر پھر بیوقوفی کا دھبہ لگے بغیر نہیں رہتا اس میدان کا مرد صرف وہ ہے جو اپنی موت کو اپنی زیست پر ترجیح دیتا نظر آئے دشمن کی تلوار کی چمک اس کو اتنی محبوب ہو جائے کہ سوجان سے گلے لگانے کی آرزو ہو اور وہ بڑے جذبہ کے ساتھ یہ کہتا ہوا خدا کی راہ میں قربان ہو جائے

عمریست کہ آوازہ منصور کی شد من از سر نو جلوہ دہم دار و رسن را

”یہ وہ عاشق صادق ہے کہ جب اس طرح پروانہ دار اپنی جان دے دیتا ہے تو قرآن کو اسے مردہ کہنے پر غیرت آتی ہے وہ اعلان کرتا ہے کہ وہ زندہ ہے اگرچہ تمہیں اس کی زندگی اور اس زندگی کے مقام بلند کا شعور نہیں“

مولانا مرحوم کے اس نقشہ کے مطابق نماز اور زکوٰۃ روزہ اور حج کا علیحدہ علیحدہ ربط واضح ہو جاتا ہے اگر یہ چاروں عبادتیں اس تصور سے ادا ہوتی رہیں تو ممکن نہیں کہ طاعات و محبت کی دونوں شاخیں جو ایک عبد کے لئے مطلوب ہیں پیدا نہ ہو جائیں۔

(ترجمان السنۃ صفحہ ۵۸۷ تا صفحہ ۵۸۹/۱)

باب امور الایمان و قول اللہ عزوجل لیس البر ان تولوا وجہکم قبل المشرق والمغرب ولكن البر من امن بالله الی قوله تعالی المتقون قد الفح المؤمنون الایۃ

۸- حدثنا عبد اللہ بن محمد بن الجعفی قال ثنا ابو عمرو بن العقیلی قال سلیمان بن ہلال عن عبد اللہ بن دینار عن ابی صالح عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ”الایمان بضع وسعون شعبۃ والحباء شعبۃ من الایمان۔

ترجمہ:- باب امور ایمان کے بیان میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ نیکی صرف یہ نہیں کہ تم (عبادت کے وقت) اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی خدا پر ایمان لائے (وغیرہ آخر آیت تک) اور حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ بیشک ان ایمان والوں نے فلاح حاصل کر لی جو اپنی نمازوں میں خشوع کرنے والے ہیں (وغیرہ آخر آیت تک)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ایمان کے کچھ اوپر ساٹھ شعبے ہیں اور حباء بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔

تشریح:- امام بخاری نے اس باب کے عنوان و ترجمہ میں دو آیات پیش کی ہیں اول لیس البر الایمان جس کا شان نزول یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کے لئے خرابی عقائد و اعمال پر جو عذاب خداوندی وغیرہ کا ذکر سابقہ آیات میں ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہمیں عذاب کیوں ہوگا ہم تو ہدایت یافتہ اور مستحق مغفرت ہیں کیونکہ نماز جیسی افضل عبادت کو خدا کے حکم و مرضی کے موافق قبلہ کی طرف رخ کر کے پڑھتے ہیں اس سے بڑی نیکی کیا ہوگی؟ اس پر حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان لوگوں کا یہ خیال صحیح نہیں سب سے بڑی اور بنیادی نیکی تو ایمان باللہ وغیرہ عقائد کی درستگی ہے اور اس کے ساتھ دوسرے اعمال کی صحیح طور سے ادائیگی اس لئے یہود و نصاریٰ کا صرف اپنے استقبال قبلہ پر ناز کرنا اور محض اس کی وجہ سے اپنے کو ہدایت یافتہ اور مستحق مغفرت سمجھنا خیال خام ہے تاؤ فیک ان سب اعتقادات و اخلاق و اعمال پر قائم نہ ہوں جو مذکورہ بالا آیت کریمہ میں مذکور ہیں۔

حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ نے اس موقع پر یہ بھی فرمایا کہ یہاں ”نفی بر“ کی تعین صرف یہود و نصاریٰ کے ”زعم باطل“ کے مقابلہ لے دھڑی نے کہا کہ خطاب ال کتاب کو ہے کیونکہ یہود و مغرب (بیت المقدس) کی طرف نماز پڑھتے تھے اور نصاریٰ مشرق کی طرف (عمدۃ القاری صفحہ ۱۴۳/۱)

میں کی گئی ہے کہ انہوں نے الایہم فالایہم کی رعایت ترک کر دی تھی اور نہ ظاہر ہے کہ فی نفسہ قبلہ کی طرف توجہ بھی معمولی نیکی نہیں ہے بلکہ اعمال جوارح میں سے بڑی نیکیوں میں شمار ہے کیونکہ ایک دو یا چند نیکیاں بھی خواہ وہ اپنی جگہ کتنی ہی اہم اور بڑی ہوں اگر ان کے ساتھ کسی درجہ کی بھی ایمان و عقائد کی خرابی شامل ہے یا دوسرے اعمال و اخلاق کی طرف سے لاپرواہی ہے تو وہ چند نیکیاں بے سود و رائیگاں ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے اسی آیت کا اقتباس حدیث ”لیس من البرا الصیام فی السفر“ کو قرار دے کر داؤد ظاہری کے استدلال کو باطل فرمایا جو اس حدیث سے سفر میں روزہ رکھنے کو قطعاً باطل و ناجائز کہتے ہیں، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ وہاں بھی ایسی ہی صورت تھی کہ بعض صحابہ نے رمضان میں روزے کے ترک کو باوجود مشقت و شدت و غیرہ کے بھی گوارہ نہ کیا، جس سے ان پر غشی طاری ہو گئی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے سمجھ فرمائی کہ نیکی کو اسی میں منحصر سمجھنا کوئی دینی سمجھ نہیں ہے بلکہ موقع و محل کی مناسبت اور الایہم فالایہم کی رعایت سے عمل کرنا چاہئے لہذا جس وقت عزیمت پر عمل دشوار ہو تو رخصت پر عمل کرنا زیادہ مناسب ہے۔ حضرت شاہ نے کچھ مزاح کے انداز میں یہ بھی فرمایا کہ لوگوں کی ایک قسم نیک بخت بیوقوفوں کی بھی ہے اور اس حدیث سے ان ہی کی اصلاح مقصود ہے کیونکہ ایسے لوگ گو نیک بخت ہوتے ہیں مگر قلت تقہ کے باعث معمولی باتوں کا اہتمام کرتے ہیں اور امور مہمہ عظیمہ کی طرف سے غفلت برتتے ہیں۔

دوسری آیت قد افلح المؤمنون الایہ میں بھی ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ شمار کئے گئے ہیں جن سے اعمال کی اہمیت واضح ہے لیکن امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ تمام امور متعلقہ ایمان اجزاء ایمان ہیں اسی لیے ان کو ساتھ ذکر کیا گیا پھر حدیث میں ایمان کے ساتھ سے اوپر شعبے بتلائے ہیں جس میں اعمال و اخلاق سب ہیں لہذا ایمان کا ان سب سے مرکب ہونا ثابت ہوا لیکن یہ استدلال صحیح نہیں کیونکہ دونوں آیتوں میں تو ایمان پر اعمال کا عطف کیا ہے جس سے جزئیت کے خلاف مغایرت مفہوم ہو رہی ہے اور حدیث میں بھی شعبوں سے مراد فروع و آثار ایمان ہیں۔ علامہ قسطلانیؒ نے فرمایا کہ حدیث میں ایمان کو تنوں اور شاخوں والے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے اور یہ مجازاً ہے کیونکہ ایمان لغۃً تصدیق ہے اور عرف شرع میں تصدیق قلب و لسان کا نام ہے جس کی تکمیل طاعات سے ہوتی ہے لہذا ایمان کے کچھ اوپر ساٹھ شعبے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اصل کا فر پر اطلاق کیا گیا ہے ایمان اصل ہے اور اعمال اس کی فروع اور یہ اطلاق مجازی ہے قبول زیادت و نقصان کی صورت میں بھی اعمال ہی کے باعث ہے اور امام شافعی وغیرہ نے جو اعمال کو رکن ایمان قرار دیا ہے وہ ”ایمان کامل“ کے اعتبار سے ہے اسی لئے تارک اعمال ان کے نزدیک حقیقت ایمان سے خارج نہیں ہوتا ہے البتہ معتزلہ کے نزدیک خارج ہو جاتا ہے قالہ العلامة الفتنانی (شرح البخاری صفحہ ۱۲۴)

## ایمان کی کتنی شاخیں ہیں

یہاں بضع و ستون کی روایت ہے مسلم شریف کی ایک روایت میں بضع و سبعون ہے دوسری میں بضع و سبعون او بضع و ستون شک کے ساتھ ہے ابوداؤد ترمذی میں بضع و سبعون بلا شک ہے۔

قاضی عیاض نے فرمایا کہ تمام احادیث اور سب رواۃ پر نظر کر کے بضع و سبعون ہی رائج ہے امام نوویؒ نے فرمایا کہ صواب یہی ہے کہ بضع و سبعون کو ترجیح دی جائے کیونکہ ثقات کی زیادتی مقبول ہے دوسرے یہ کہ بضع و ستون کی روایت ماسوا روایات کے منافی نہیں ہے کیونکہ تخصیص بالعدد نفی زائد پر دلالت نہیں کرتی تیسرے یہ بھی احتمال ہے کہ کم والی روایات ابتدائی ہوں۔ پھر شعبے بڑھتے رہے ہوں گے۔

امام حافظ ابو حاتم ابن جان بستی نے فرمایا کہ ”میں نے اس حدیث کے بارے میں مدت تک تتبع کیا اور طاعات کو شمار کرتا رہا تو عدد مذکورہ حدیث سے بہت بڑھ گیا۔ پھر صرف کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری مراجعت کے بعد ۷۷ شعبے دریافت ہوئے نہ کم نہ زیادہ اس سے میں سمجھا



کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کتاب و سنت سے ثابت شدہ عدد ہے ذکر ابو حاتم فی کتاب "وصف الایمان و شعبہ" (شرح البخاری صفحہ ۱۲۴) بضع کے اطلاق میں بہت سے اقوال ہیں زیادہ صحیح تین اور دس کے درمیان کا قول ہے لہذا ۹۷ کا عدد رائج ہوا واللہ اعلم پھر علماء نے ان شعبوں کی تعین کے لئے بہت سی کتابیں مستقل طور سے تصنیف کی ہیں جن میں شعب الایمان امام بیہقی کی بہت مشہور ہے۔

شیخ عبد الجلیل نے بھی اسی نام سے کتاب لکھی ہے اور محدث شہیر شیخ محمد مرتضیٰ زبیدی حنفی نے ان دونوں کتابوں کا خلاصہ کیا ہے جس کا نام "عقد الجمان" رکھا اور سب سے بہتر فوائد و تحقیقات عالیہ کے اعتبار سے شیخ ابو عبد اللہ عیسیٰ کی کتاب المہاج ہے۔

حافظ نے فتح الباری میں ابن حبان کی توضیح و تشریح کو زیادہ پسند کیا اور اسی کو ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔ شعب الایمان کا تعلق قلب لسان اور بدن تینوں سے ہے اور ہر ایک کے ماتحت شعبوں کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱- اعمال قلب کی (جن میں معتقدات و نیات شامل ہیں) ۳۳ خصلت ایمان باللہ (جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر یقین اور اس امر کا اعتقاد شامل ہے کہ اس جیسا کوئی نہیں اور اس کے سوا سب حادث ہیں) ایمان فرشتوں پر آسمانی کتب پر انبیاء و مرسلین پر قدر خیر و شر پر یوم آخرت پر (جس میں قبر کا سوال بحث و نشو و نما حسب میزان صراط جنت و نار پر یقین شامل ہے) خدا کی محبت دوسروں سے خدا کے لئے حسد و بغض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت (جس میں درود شریف اور آپ کی سنت مطہرہ کا اتباع شامل ہے) اخلاص (جس میں ترک ریاء و نفاق شامل ہے) توبہ خوف رجاء شکر صبر و قاء عہد رضا بالقضاء توکل رحم و شفقت تواضع (جس میں بڑوں کی توقیر شامل ہے) ترک کبر و عجب ترک حسد ترک حقد و کینہ ترک غضب ۲- اعمال لسان سات خصلتوں پر شامل ہیں: فکر توحید زبان سے ادا کرنا۔ تلاوت قرآن مجید علم دین کا سیکھنا۔ دین کا علم سکھانا دعا ذکر (جس میں استغفار شامل ہے) لغو باتوں سے اجتناب۔

۳- اعمال بدن ۲۸ خصلتوں پر مشتمل ہیں ان میں سے ۱۵ کا تعلق ایمان سے ہے۔ پاکی حسی حکمی (جس میں نجاستوں سے بچنا بھی شامل ہے) ستر عورت نماز فرض و نفل زکوٰۃ فرض و نفل کف رکاب جود (جس میں کھانا کھانا شامل ہے) اکرام ضیف روزہ فرض و نفل حج و عمرہ فرض و نفل طواف اعکاف التماس ایلة القدس دین کو پہچاننے کی سعی (جس میں دلائل شرک سے ہجرت بھی شامل ہے) نذر کو پورا کرنا ایمان میں تحری و اولاد کفارات۔ چھ خصلتیں وہ ہیں جن کا تعلق اپنے خاص متعلقین و اجراع سے ہے (۱) نکاح کے ذریعہ عفت اختیار کرنا (۲) عیال و اولاد کے حقوق کی نگہداشت کرنا اور تربیت کرنا (۳) بر والدین یعنی ان کے ساتھ حسن سلوک (جس میں ان کی نافرمانی سے بچنا بھی شامل ہے) صلہ رحم (۵) سرداروں کی اطاعت (۶) غلاموں اور ماتحتوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ۔

۷- خصلتیں وہ ہیں جن کا تعلق دوسرے لوگوں سے ہے۔ (۱) حاکم ہو کر عدل کرنا۔ (۲) متابعت جماعت (۳) اطاعت اولی الامر (۴) اصلاح بین الناس (جس میں قتال خوارج و بغاۃ شامل ہے) (۵) بروئگی کے کام میں اعانت (جس میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی شامل ہے) (۶) اقامت حدود (۷) جہاد (جس میں مراءبہ شامل ہے) (۸) ادائے امانت (جس میں ادائیگی خمس شامل ہے) (۹) ضرورت مند کو قرض دینا اور قرض کی ادائیگی (۱۰) اکرام جار (۱۱) حسن معاملہ (جس میں حلال طریقہ پر مال جمع کرنا شامل ہے) (۱۲) مال کو طریقہ حق میں صرف کرنا (جس میں ترک تہذیر و اشراف شامل ہیں) (۱۳) سلام کا جواب دینا (۱۴) چھینکنے والے کو پر حکم اللہ کہنا (۱۵) لوگوں کو ایذا پہنچانے سے باز رہنا (۱۶) لہو و لعب سے اجتناب (۱۷) راستے سے تکلیف دینے والی چیز ہٹانا۔ یہ سب ۶۹ خصلتیں ہوئیں اور اگر تفصیل کر دی جائے کہ بعض جگہ کئی خصلتیں ایک نمبر میں آگئی ہیں تو عدد ۹۷ ہو جائے گا واللہ اعلم۔ (شرح البخاری صفحہ ۱۳۵/۱)

قلبی وساوس:- شعب الایمان کی تفصیل و وضاحت کے بعد ایک اہم امر قابل تنبیہ یہ ہے کہ شیطان جس طرح انسان کو بے عمل اور بے عمل بنانے کے لئے اپنی ہر ممکن کوشش کر ڈالتا ہے اسی طرح انسان کے دل میں وساوس پیدا کر کے اس کو بے ایمان بنانے میں بھی کسراٹھا کر نہیں

رکتا اس لئے ایک شخص و سادس قلبی کا شکار ہو کر نہایت پریشان ہو جاتا ہے اور اس کو خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں ایمان کی لازوال دولت سے محروم نہ ہو جائے اس لئے اس سلسلے کی چند احادیث لکھی جاتی ہیں۔

۱- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت سے دلوں کے برے خیالات و وساوس کو معاف فرما دیا ہے جب تک ان پر عمل نہ کیا جائے یا زبان سے کچھ نہ کہا جائے ان پر کوئی مواخذہ نہ ہوگا (بخاری و مسلم)

۲- ایک شخص نے عرض کیا کہ کبھی کبھی میرے دل میں ایسے برے خیالات آتے ہیں کہ جل کر کوئلہ ہو جانا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں ان کو زبان سے ادا کروں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ اس بات کو دوسوہ سے آگے نہ بڑھنے دیا۔ (ابوداؤد)

۳- اسی طرح چند صحابہ نے حال عرض کیا تو آپ نے دریافت فرمایا کیا واقعی ایسا ہوا؟ عرض کیا جی ہاں! آپ نے فرمایا کہ یہ تو خالص ایمان کی علامت ہے (مسلم)

باب: "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ"۔

۹- حدثنا ادم بن ابی ایاس قال حدثنا شعبۃ عن عبد اللہ بن ابی السفر و اسمعیل عن الشعبي عن عبد اللہ بن عمر و عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال "المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ و المهاجر من هجر ما نہی اللہ عنہ" قال ابو عبد اللہ و قال ابو معاویۃ ثنا داود بن ابی ہند عن عمرو قال سمعت عبد اللہ بن عمر و یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و قال عبد الا علی عن داود عن عمرو عن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

باب: "مسلمان وہ ہے (جس کی زبان اور ہاتھ سے) مسلمان محفوظ رہیں"۔

ترجمہ:- حضرت عامر قحسی نے حضرت عبداللہ بن عمرو سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے کہ سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے ضرر) سے مسلمان محفوظ رہیں، مہاجر وہ ہے جو ان کاموں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

تشریح:- سچا اور پکا مسلمان وہ کہلائے گا جو کسی دوسرے مومن بھائی کو اپنے ہاتھ سے یا اپنی زبان سے کوئی نقصان نہ پہنچائے اسی طرح اصل ہجرت یہ ہے کہ آدمی اللہ کی منع کی ہوئی باتوں سے رک جائے یعنی سراسر اللہ کا اطاعت گزار بن جائے اس حدیث میں مہاجرین کو خاص طور پر اس لئے ذکر کیا تا کہ لوگ صرف ترک وطن کو ہجرت سمجھ کر دین کی دوسری باتوں میں سستی نہ کرنے لگیں یا بتلایا کہ فتح مکہ کے بعد ہجرت منسوخ ہو جانے پر اب ہجرت کا ثواب اس طرح آدمی کو حاصل ہو سکتا ہے کہ وہ حرام باتوں کو قطعاً چھوڑ دے (یہ حدیث مسلم میں نہیں ہے اس لئے بخاری کی ان حدیثوں میں شامل ہے جو افراد بخاری کے نام سے موسوم ہیں)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اسلام جس طرح خدائے تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص رابطہ و معاملہ ہے اسی طرح وہ لوگوں کے ساتھ بھی ایک معاملہ و رابطہ خاصہ ہے اور یہ اس دین کا خصوصی امتیاز ہے گویا ایک مسلمان کے دل کی آواز دوسرے ملنے والے کے لئے ہوتی ہے کہ تم مجھ سے مطمئن و بے خوف رہو اور میں تم سے مطمئن ہوں۔

اسلام سے پہلے عہد جاہلیت میں لوگوں کا شب و روز مشغلہ خوں ریزی، ہتک عزت اور لوٹ مار تھی اسلامی شریعت نے ان تمام مفسد کو ممنوع و حرام قرار دیا اور لوگوں کو ایک دور سے کی طرف سے مطمئن زندگی گزارنے کا موقع دیا اور ہر ملاقات کے وقت "السلام علیکم" کہتے کو اسلامی شعار قرار دیا جس کا بہت بڑا اجر و ثواب بتلایا حدیث میں ہے کہ آپس میں بکثرت سلام مسنون کا رواج دو ایک دوسرے کو کھانا کھلاؤ، جنت میں بسلا مت و کرامت داخل ہو جاؤ گے یہ بھی حدیث میں ہے کہ سلام میں چھوٹے بڑے کی تخصیص نہیں ہر ایک کو ابتداء کی فضیلت حاصل کرنی چاہئے اور جان پہچان پر بھی مدار نہیں اس لئے بہتر ہے کہ ہر مسلمان کو سلام کیا جائے خواہ اس کو جانتے ہو یا نہ جانتے ہو۔

پھر جواب دینے والے کو مزید تاکیدات ہیں کہ جواب سلام اس پر واجب کیا اور جواب میں زیادہ بہتر اور زائد الفاظ ادا کرنے کی ترغیب دی مثلاً اگر السلام علیکم کہے تو دوسرا علیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے وہ اگر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو یہ علیکم السلام ورحمۃ اللہ کہے جواب میں زیادہ بلند و صاف آواز اختیار کرنے کی بھی ترغیب ہے تاکہ پہلا آدمی اچھی طرح سن لے اور اس کا دل زیادہ خوش ہو جائے۔

سلام کرنے میں اور جواب دینے میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ پورا مجمع اور جماعت ایک شخص واحد کے حکم میں شمار ہے اسی لئے ایک بڑے مجمع میں سے ایک شخص مقابل آنے والے کو سلام کہہ دے تو وہ سب کی طرف سے ہو جائے گا اور اسی طرح جواب دینے والوں میں سے بھی صرف ایک شخص جواب دے گا تو وہ بھی ان سب کی طرف سے کافی ہو جائے گا یعنی سب سے وجوب ساقط ہو جائے گا فرض کیجئے کہ ایک مسلمان ریڈیو پر مسلمانان عالم کو خطاب کر کے سلام کہے تو ساری دنیا کے مسلمانوں پر جو اس کی آوازیں سنیں گے جواب سلام واجب ہو جائے گا۔ مگر کسی ایک کے جواب دے دینے سے بھی سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا اور دور سے بھی ادا ہو جائے گا جس طرح خطوط میں ہوتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب فرماتے تھے کہ ایسی متحد چیزیں ہیں جن میں جماعت کو شخص واحد کے درجے میں قرار دیا گیا ہے یا ایک شخص سب کا قائم مقام ہو جاتا ہے جس طرح یہاں سلام میں ہے یا مسئلہ امان میں کہ اگر حرب کے وقت مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی کسی ایک یا زیادہ اہل حرب کفار کو امن دے دے گا تو اس کا امن دے دینا سب کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ یعنی سارے مسلمانوں پر ان کفار کی حفاظت جان و مال فرض ہو جائے گی یا سترہ ہے کہ صرف امام کے سامنے ہو تو وہ سارے مقتدیوں کے لئے کافی ہے خواہ وہ ہزاروں لاکھوں بھی ہوں اور اسی طرح حنفیہ کی نماز جماعت بھی ہے کہ امام ضامن (ذمہ دار) ہے اس کی نماز کی صحت پر سب کی نمازوں کی صحت موقوف ہے اور صرف امام کی قرأت سارے مقتدیوں کی طرف سے کافی ہو جاتی ہے۔ ”قراءة الامام قراءة لمن خلفه“۔

غرض یہاں یہ بتلانا تھا کہ اسلام دوسروں کے لئے بہت بڑی ضمانت اس امر کی ہے کہ ان کو ایک مسلمان سے کوئی ضرر و نقصان نہیں پہنچ سکتا یہی وجہ ہے کہ دارالاسلام میں کفار و مشرکین اہل ذمہ کے لئے حفاظت جان و مال آزادی کاروبار عدل و انصاف آزادی عبادات وغیرہ کے وہی حقوق ہیں جو مسلمانوں کے ہیں دارالاسلام کے سارے مسلمانوں کے لئے بھی کسی ایک آدمی کا فرد و مشرک کی معمولی توہین یا اذیت مال بھی جائز نہیں کسی کی مذہبی توہین یا بڑے نقصان جان و مال کا تو امکان ہی نہیں دارالاسلام کو دارالاسلام صرف اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں اسلام کی شوکت اسلامی احکام و شعائر کی ترویج اور مسلمانوں کے جان و مال کی حفاظت گارنٹی کے ساتھ ہوتی ہے لیکن اسی کے ساتھ جو کفار وہاں رہتے ہیں ان کی بھی پوری حفاظت جان و مال و آبرو حکومت اسلامی کا فرض اولین ہے اگر اس میں کوتاہی ہے تو وہ اسلام پر بدنامی کا باعث ہے۔

اسلامی شریعت نے تو ذمی کفار و مشرکین کی عزت اور جان و مال کو مسلمانوں کی عزت و مال کے برابر مساوی درجہ دے دیا ہے حتیٰ کہ ذمی کافر و مشرک کی غیبت تک کو حرام قرار دیا ہے اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بوڑھے ذمی فقیر کو دیکھا کہ سوال کر رہا ہے تو ساتھیوں سے فرمایا کہ اس کا وظیفہ بیت المال سے جاری کر دو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دارالاسلام میں رہنے والا ایک بوڑھا ذمی یوں پریشان ہوتا پھرے اور دست سوال دراز کر کے گزارہ کرے۔

دارالاسلام کے مقابلہ میں دوسری شرعی اصطلاح دارالحرب کی ہے۔ جہاں کفر کی شوکت ہوتی ہے اور وہاں کفر و مشرک کے احکام سر بلند ہوتے ہیں غرض سارا دار و مدار اسلام یا کفر کی شوکت پر اور اسلام یا کفر و مشرک کے احکام کی فوقیت دہر بلندی یا ٹکوانہ و عاجزانہ انگلی پر ہے اگر کسی دارالحرب میں مسلمانوں کو بھی سر چھپانے کی جگہ میسر ہو اور وہاں ان کے لئے امن و اطمینان کے ساتھ جان و مال کی حفاظت کے ساتھ ان کا دین بھی محفوظ ہو تو اس کو دارالامان کہا جاتا ہے ایسی جگہ اگر مسلمان ہوں تو ان کو ملکی قومی معاملات میں کفار کے دوش بدوش چلنا چاہئے اور اسلامی مذہبی و دنیوی کا پورا نمونہ بننا چاہئے۔

حضرت شاہ صاحب دارالاسلام دارالحرب اور دارالامان کی بھی تشریح فرمایا کرتے تھے اور یہی حق و صواب ہے جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ جس ملک میں بھی امن و امان اور عدل و انصاف کا قانون ہو اور مذہبی آزادی ہو مسلمانوں کے لئے خواہ وہاں شوکت اسلام ہو یا نہ ہو اور

خواہ وہاں اسلامی احکام و شعائر کا اجراء بھی جیسا چاہئے نہ ہو وہ بھی دارالاسلام ہے ان کی غلط فہمی ظاہر ہے۔ آج عدل و انصاف اور امن و امان کا قانون اور مذہبی آزادی کی خوشنما دلف کس ملک میں رائج نہیں؟ تو کیا دنیا کے سارے ممالک ”دارالاسلام“ کہلائیں گے۔

الحاصل کہنا یہاں یہ تھا کہ اسلام چونکہ سلام سے مشتق ہے تو اس میں سلام و امن کا بھرپور سرمایہ موجود ہے اور حدیث مذکورہ باب میں یہی سبق دیا گیا ہے کہ مسلمان وہی ہے جس کی ایذا سے مسلمان مومن ہوں بلکہ اگر کفار و مشرکین بھی اس کے سایہ میں آباد ہوں تو وہ بھی اپنے کو پوری طرح سے محفوظ سمجھیں اور ان کی عزت و حرمت و تنوع کی پاس داری اس حد تک ہونی چاہئے کہ ان کے پیٹھ پیچھے بھی ان کو ناگوار ہونے والی کوئی بات ہم اپنی نجی مجالس میں نہیں کہہ سکتے جس طرح ایک مسلمان کی غیبت حرام ہے ایک ذمی کافر و مشرک کی بھی حرام و ناجائز ہے کیا اسلامی شریعت کی اس رواداری اور حکومت اسلام کے اس قانون کی کوئی نظیر پیش کی جاسکتی ہے؟

دوسری ایک حدیث صحیح میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ ”مومن وہ ہے جس سے سارے لوگ اپنے دماء و اموال کے بارے میں مطمئن ہوں“ اس سے ہماری اوپر کی تشریحات کی اور بھی تائید ہوتی ہے۔

اس حدیث کی سند میں عامر رضی آئے ہیں جو ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ و استاذ ہیں اور ان کا ذکر ہم نے مقدمہ انوار الباری صفحہ ۳۹/۱ میں کیا ہے۔

### باب: ای الاسلام افضل؟ (کون سا اسلام افضل ہے)

۱۰۔ حدثنا سعید بن یحییٰ بن سعید الاموی القرظی قال لنا ابی قال لنا ابو بردہ بن عبد اللہ بن ابی بردہ عن ابی بردہ عن ابی موسیٰ قال قالوا: یا رسول اللہ ای الاسلام افضل؟ قال: من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ ترجمہ:- حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ صحابہ نے عرض کیا:- یا رسول اللہ! کون سا اسلام افضل ہے؟ آپ نے فرمایا: جس کی زبان و ہاتھ کی ایذا سے مسلمان محفوظ ہوں“ (اس کا اسلام سب سے افضل ہے)

تشریح:- علامہ نوویؒ نے شرح بخاری میں فرمایا کہ ای الاسلام سے اس کے سوال کا مطلب یہ تھا کہ کون سی خصلت اسلام کی سب سے افضل ہے؟ اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمان کی بہت بڑی امتیازی شان اور کھلا ہوا وصف جس کا مشاہدہ و تجربہ ہر خاص و عام کر سکتا ہے یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو بھی ایذا نہ پہنچے لہذا ایسے ہی وصف والے اسلام بھی سب سے زیادہ برتر و افضل ہوگا۔ دوسری روایت میں ہم بتا چکے ہیں کہ یہ بھی آچکا ہے کہ مومن کی امتیازی شان یہ ہے کہ تمام لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں اس کی طرف سے مامون و مطمئن ہوں امام بخاری نے اس وصف خاص کی اہمیت کے پیش نظر کئی طریقوں سے اس حدیث کو بیان فرمایا ہے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کا اہتمام کریں۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اس امر کا بنیاد اہتمام فرماتے تھے کہ کسی کو بھی ادنیٰ درجہ کی جسمانی یا روحانی ایذا نہ پہنچائی جائے اور ایسے شخص کو بہت بڑا صاحب کمال بتلایا کرتے تھے بلکہ بعض اوقات کسی شخص کی بڑی مدح کے طور پر فرماتے تھے کہ وہ شخص بے ضرر ہے اور فرمایا کرتے تھے کہ مولوی صاحب انسانیت کی بات نہیں ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو تکلیف پہنچائے یہ تو موذی جانوروں کا کام ہے خود بھی اس کا بہت اہتمام فرماتے تھے ان کی مجلس میں کسی کی غیبت یا برائی نہ ہو سکتی تھی۔

ڈابھیل کے زمانہ قیام میں راقم الحروف نے بارہا دیکھا کہ مدرسہ کی جس بلڈنگ میں آپ کا اور دوسرے اساتذہ کا قیام تھا اس کے متصل دو بیت الخلاء تھے آپ کی عادت تھی کہ جب تک ایک بیت الخلاء میں کوئی ہوتا آپ دوسرے میں تشریف نہ لے جاتے، بعض مرتبہ کافی انتظار فرماتے تاکہ اس کو دوسرے بیت الخلاء میں کسی کی موجودگی سے انقباض نہ ہو اسی طرح بیت الخلاء سے نکلتے تو قیل سے کئی کئی لوگ پانی

۱۔ ای الاسلام کا مطلب ای خصال الاسلام لینا اس لئے بھی مانج ہے کہ آگے جو دوسری حدیث ای الاسلام خیر؟ والی آ رہی ہے اس میں ایک روایت ای خصال الاسلام خیر؟ بھی ہے۔ حافظ مینی نے یہاں ای صاحب الاسلام کی تقدیر کو ترجیح دی ہے کیونکہ روایت مسلم میں ای المسلمین افضل آ رہی ہے (عمرہ بخاری ص ۱۵۹/۱۵۸/۱۵۷) (الحجۃ المذنب)

کے بھر کر بیت الخلاء لے جاتے اور طہارت کے قدم پر بہاتے تھے تاکہ آپ کے بعد جانے والوں کو کسی قسم کی کراہت و اذیت نہ ہو یہ اس سلسلہ کی ادنیٰ مثال ہے ایک روز فرمایا کہ دنیا کی تعریف بہت سے لوگوں نے کی ہے کسی نے کہا کہ دنیا مجمع الاضداد ہے۔

کہ اس میں اضداد کا اجتماع ہے اچھی سے اچھی چیزیں بھی موجود ہیں اور بری سے بری بھی کفر بھی ہے ایمان بھی نیک عملی بھی ہے اور بد عملی و فسق بھی بہترین اخلاق کے مظاہر بھی ہیں اور بدترین کے بھی وغیرہ۔

کسی نے کہا کہ دنیا وہ جگہ ہے جہاں جماعتات افترت و مفترقات اجتماعت کہ کبھی کبھی چیزیں جمع شدہ منتشر و متفرق ہو جاتی ہیں اور کبھی منتشر چیزیں یکجا ہو جاتی ہیں مگر میں نے دنیا کا نام ”بیت الخیر“ رکھا ہے جس طرح ایک طویلے میں گدھوں کو جمع کر دیا جاتا ہے تو وہ جھین سے کھڑے نہیں رہتے بلکہ ایک دوسرے کو لاتیں مارتے رہتے ہیں اسی طرح یہاں انسانوں کا حال ہے کہ بوجہ ایک دوسرے کو ایذا پہنچانے میں مشغول ہیں غرض ایذا رسانی کا کام اسلام سے کسی طرح جوڑ نہیں سکتا۔ کیونکہ اسلام انسانی اخلاق فاضلہ کی تکمیل کے لئے آیا ہے بحث لایمم مکارم الاخلاق محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ایسے شخص کی فضیلت اس لئے زیادہ ہے کہ اس کا ثواب بہت زیادہ ہے اس حدیث کے تمام راوی کوئی ہیں۔

## ایک اہم علمی فائدہ

امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں پانچ لاکھ احادیث میں سے منتخب کر کے چار ہزار آٹھ سو احادیث ذکر کیں پھر ان میں سے چار کا انتخاب کیا کہ انسان کو اپنے دین پر عمل کرنے کے لئے صرف یہ حدیثیں کافی ہیں (۱) انما الاعمال بالنیات۔ عبادات کی درستی کے لئے (۲) من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یحیہ۔ عمر عزیز کے گرانقدر لمحات کی حفاظت کے لئے (۳) لا یومن احدکم حتی یحب لایحبه ما یحب لنفسه حقوق العباد کی صحیح طور پر ادائیگی کے لئے (۴) الحلال بین والحرام بین و ما بینہما مشتبہات فمن اتقى الشبهات فقد استبرأ لدينه۔ مشتبہات سے بچنے کے لئے۔

اگرچہ یہ بات امام ابوداؤد کی طرف منسوب ہو کر مشہور ہوئی مگر ان سے پہلے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحبزادے حماد سے فرمایا تھا کہ میں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے پانچ احادیث منتخب کی ہیں پھر ان چار مندرجہ بالا احادیث کے ساتھ پانچویں حدیث المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ بیان فرمائی تھی۔

امام ابوداؤد چونکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے مداحین میں سے ہیں ممکن ہے یہ انتخاب ان ہی کے انتخاب سے کیا ہو

واللہ اعلم وعلیہ السلام واحکم

باب: ”اطعام الطعام من الاسلام“ (کھانا کھانا اسلام میں داخل ہے)

۱۱- حدثنا عمرو بن خالد قال حدثنا الليث عن ابی النخوع عن عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ان رجلاً سأل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الاسلام خیر؟ قال: تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف

ترجمہ:- حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام کی کون سی خصلت سب سے اچھی ہے؟ آپ نے فرمایا:- لوگوں کو کھانا کھلاؤ اور سب کو سلام کرو خواہ ان کو جانتے پہچانتے ہو یا نہیں۔

تشریح:- غالباً یہ سوال کرنے والے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہیں اور بظاہر اسی قسم کی اسلامی تعلیمات کا اثر ان پر بہت زیادہ تھا کہ اپنے پاس کچھ جمع نہ رکھتے تھے سب کچھ مستحقین پر صرف فرما دیتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ دولت جمع کرنے پر بھی

خفی سے نکیر کرتے تھے ان کی رائے تھی کہ زکوٰۃ وغیرہ حقوق مالیہ ادا کرنے پر بھی دولت جمع کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے اور اس کے سوا اچارہ نہیں کہ جو کچھ دولت کمائی جائے وہ سب غرباء و مستحقین پر صرف کر دی جائے۔

اس روایت میں تمام روادع مصری ہیں اور سب جلیل القدر ائمہ حدیث ہیں حضرت لیث بن سعد کے بارے میں علامہ قسطلانی شافعی نے لکھا کہ آپ امام جلیل مشہور قلندری المولود حنفی المذہب، مجتہد وقت تھے اور ان کا مفصل تذکرہ ہم نے مقدمہ صفحہ ۲۱۲ میں کیا ہے۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ بھی ہیں۔

اطعام الطعام میں کھانا پلانا، مہمانداری کرنا، اعطاء وغیرہ سب داخل ہیں چنانچہ پینے کے لئے طعام کا لفظ طالوت کے واقعہ میں قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ طالوت کے واقعہ میں بہت سے فوائد ہیں اس لئے فوائد عثمانی وغیرہ سے اس کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ظلم و سامراج سے نجات دلائی تھی کچھ عرصہ تک وہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھی ٹھیک رہے مگر جب ان کی نیت بگڑی تو ایک کافر بادشاہ جالوت نامی ان پر مسلط ہوا اور بنی اسرائیل پھر سے غلامی کی لخت میں گرفتار ہو گئے مجبور ہو کر بیت المقدس پہنچے اور پھر وقت حضرت شموئیل علیہ السلام سے درخواست کی کہ ہم پر کوئی بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ اس کی سرکردگی میں جہاد کریں اور اپنی عظمت و رفعت کو واپس لائیں حضرت شموئیل علیہ السلام نے جالوت نامی ایک شخص کو بادشاہ مقرر کر دیا وہ اگرچہ غریب تھقی معمولی حیثیت کے تھے مگر علم و فضل، عقل و خرد اور جسم و جوش کے لحاظ سے بادشاہ بننے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے پھر بنی اسرائیل کی طلب پر خدائے تعالیٰ نے طالوت کی بادشاہت پر ایک نشانی بھی دے دی وہ اس طرح کہ بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیاء کے تحریکات تھے بنی اسرائیل اس صندوق کو لڑائی کے وقت آگے رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے فتح دیتا تھا جب جالوت غالب آیا تو وہ اس صندوق کو بھی ساتھ لے گیا تفسیر ابن کثیر میں تفصیل ہے کہ جب مشرکوں نے اس صندوق پر اپنا قبضہ کر لیا تو اس کو اپنے منہ خانہ میں پہنچا کر بڑے بت کے نیچے رکھا صبح کو آ کر دیکھا تو وہ صندوق اوپر تھا اور بت نیچے اس کو اتار کر بت کے نیچے رکھا۔ اگلے دن دیکھا تو پھر وہی صورت تھی اب انہوں نے صندوق نیچے اور بت اوپر رکھ کر بتوں سے مستحکم کر دیا صبح کو دیکھا کہ بت کے سب ہاتھ ہر کٹے ہوئے ہیں اور دور فاصلہ پر پڑا ہے اس پر ان کو حجب ہوا کہ یہ بات خدا کی طرف سے ہے اس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اپنے شہر سے ہٹا کر اس کو دوسری آبادی میں لے گئے تو وہاں کے سب لوگوں کی گردنوں میں چھاری لگ گئی اسی طرح پانچ شہروں میں لے گئے سب جگہ ہار اور ہلاکتیں جاتی، بستیاں دیرانے بن جاتے تھے تاچار ہو کر دو بیلوں پر اس کو لاد دیا فرشتے ان کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا گئے اس نشانی سے بنی اسرائیل کو طالوت کی بادشاہت پر یقین آ گیا اور ان کے ساتھ جالوت کے خلاف فوج کشی کے لئے تیار ہو گئے یہ موسم نہایت سخت گرمی کا تھا طالوت نے کہا کہ صرف زور آور بے فکرے جوان جہاد کے لئے نکلیں چنانچہ اسی ہزار نو جوان ساتھ لکھے حق تعالیٰ نے ان کو آزمانا چاہا ایک منزل پر پانی نہ ملا دوسری منزل میں ایک نہر ملی (تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباس وغیرہ کا قول نقل کیا کہ وہ نہر فلسطین اور اردن کے درمیان ہے اور نہر شریعت کے نام سے مشہور ہے) طالوت نے حکم دیا کہ جو شخص اس نہر کے پانی میں سے ایک چلو سے زیادہ پانی پے وہ میرے ساتھ جہاد میں نہ چلے منقول ہے کہ اس شرط پر صرف ۳۳ نو جوان پورے سارے (جو غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد تھی اور خدا کی قدرت کا کرشمہ کہ جنہوں نے ایک چلو سے زیادہ پانی نہ پیا ان کی پیاس بجھی اور جنہوں نے زیادہ پیا ان کو پیاس اور زیادہ لگی اور آگے نہ چل سکے جو ۳۳ مجاہد بن جالوت کے لشکر جرار کے مقابلہ پر لکھے تھے ان میں حضرت داؤد علیہ السلام ان کے والد اور چچ بھائی بھی تھے جو بڑے قد آور جوان تھے حضرت داؤد علیہ السلام کا قد چھوٹا تھا تاہم حضرت شموئیل علیہ السلام نے جالوت کو قتل کرنے کے لئے حضرت داؤد علیہ السلام ہی کا انتخاب کیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو وہاں میں تین چترے اور یوں لے کہ ہمیں اٹھا لو ہم جالوت کو قتل کریں گے۔ جالوت نے ان مٹھی بھر آرمیوں کو دیکھ کر کہا کہ تم سب کے لئے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں میرے سامنے آتے جاؤ (پہلے زمانے میں دستور یہی تھا کہ ابتداء جنگ میں ایک ایک شخص مقابلہ پر نکل کر زور آزمائی کرتا تھا جالوت خود باہر نکلا تو حضرت داؤد علیہ السلام مقابلہ پر گئے اور تین چترے لائیں (گو ہمہ) میں رکھ کر جالوت کے ماتھے پر سر کئے جالوت کا تمام بدن زور سے ڈکا ہوا تھا صرف پیشانی کھلی تھی وہ تینوں چترے اس کے ماتھے پر لگے اور پیچھے کو نکل گئے جالوت کے مرتے ہی اس کا سارا لشکر بھاگ کھڑا ہوا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی پھر طالوت بادشاہ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور طالوت کے بعد وہی بادشاہ ہوئے اس سے معلوم ہوا کہ حکم جہاد ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت و منت ہے وہ لوگ نادان ہیں جو کہتے ہیں کہ لڑائی نبیوں کا کام نہیں۔ (فوائد عثمانی صفحہ ۵۱-۵۲) سورہ بقرہ

اس قسم کے قرآنی واقعات میں ہمارے لئے کتنے کتنے سبق ہیں ہدایت ہے روشنی ہے لائحہ عمل ہے کاش! مسلمانوں میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو اور وہ انبیاء سابقین علیہم السلام، امم سابقہ خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور سلف کے عمل سے مستفید و مستعبر ہوں اور ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دینے کا زریں اصول بھی نہ بھولیں اس کے بغیر ان کی اور ان کے دین کی سر بلندی امر موبہم ہے۔ واللہ المستعان۔



ومن لم يطعمه فانه مني الاية یعنی جس نے اس نہر کا پانی نہ پیادہ میرا ہے مگر ایک چلو اپنے ہاتھ سے پی لے (تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں یہاں پانی پینے پر طعم کا اطلاق ہوا ہے۔

تفرا السلام جو کلمہ تسلیم سے عام ہے کیونکہ خط و کتابت وغیرہ کے سلام کو بھی شامل ہے اس حدیث میں اسلام کی ایسی دو خصلتیں جمع فرمائی ہیں جو مالی و بدنی ہر دو قسم کے مکارم اخلاق و فضائل پر مشتمل ہیں حافظہ یعنی نے ایک وجہ یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ پہنچ کر سب سے پہلے ان ہی دو امر کی ترغیب دی تھی کیونکہ اس وقت کے حالات میں ان دونوں باتوں کی زیادہ ضرورت تھی لوگوں کی ناداری کی حالت تھی اور تالیف قلب کی بھی مصلحت تھی۔

حضرت عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ جب حضور مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ کی خدمت میں جلد جلد پہنچنے لگے۔ میں بھی حاضر ہوا۔ اور چہرہ مبارک کو دیکھتے ہی یقین ہو گیا کہ یہ نور چہرہ جھوٹے کا نہیں ہو سکتا اور حضور سے سب سے پہلا ارشاد میں نے یہ سنا 'ایہا الناس افشوا السلام واطعموا اطعموا وصلوا باللیل والناس لیام تدخلوا الجنة بسلام'۔ علامہ خطابی نے فرمایا کہ کھانا کھانا اس لئے افضل ہوا کہ وہ تو اپنے بدنہ کا محافظ ہے پھر کسی کے ساتھ نیکی بھلائی اور اکرام و تعظیم کا معاملہ کرنے میں افشاء اسلام کا بڑا درجہ ہے خصوصاً جب کہ وہ ہر متعارف و غیر متعارف کے لئے ہو کیونکہ وہ خالصاً لوجہ اللہ ہوگا۔ اسی لئے حدیث میں وارد ہے کہ سلام آخری زمانہ میں صرف متعارفین میں رہ جائے گا۔ (کیونکہ ریاء و تصنع اور مصلحت پروری عام ہو جائے گی) (عمدة القاری صفحہ ۱۶۳)

## اختلاف جوابات کی وجوہ

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی قسم کے سوال کے جواب میں مختلف قسم کے جوابات کیوں دیئے؟ تو اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس وقت جو جواب دیا ہے وہی اس وقت کے مناسب تھا دوسری وجہ یہ ہے کہ سوال کرنے والے کی رعایت سے جواب دیا ہے کہ اس میں جو کئی تھی اس کو ترغیب فرما کر تکمیل کی تیسرے یہ کہ اہل مجلس کی رعایت سے وہ جواب دیا گیا کہ ان کو ایسے امور کی ترغیب و اہمیت دلائی تھی۔ (نودی شرح البخاری صفحہ ۱/۱۲۹)

باب: من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه (ایمان یہ ہے کہ اپنے بھائی کیلئے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے)  
۱۲. حدثنا مسدد قال حدثنا یحییٰ عن شعبه عن قتادة عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم و عن حسین المعلم قال حدثنا قتادة عن انس عن النبی صلی اللہ علیہ قال: "لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه"

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکے گا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے اس چیز کو پسند نہ کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح:- امام بخاری نے سابقہ احادیث میں اسلام کی شان بتلائی تھی کہ اس کے تحت فلاں فلاں اعمال کو خاص افضلیت حاصل ہے اب ایمان کے تحت خاص خاص فضائل کا ذکر کریں گے اس حدیث کا غنایہ ہے کہ جن امور خیر کی تمنا و طلب اپنے لئے کرتا ہے دوسرے بھائیوں کے لئے بھی کرے خواہ وہ چیزیں امور دنیوی سے متعلق ہوں یا امور آخرت سے لیکن ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کی طلب و خواہش کا تعلق کسی ناجائز امر کے متعلق نہیں ہو سکتا اس لئے ناجائز و مکروہات شرعیہ کی طلب و تمنا نہ خود اپنے لئے کر سکتا ہے نہ دوسرے کے لئے۔

## حسد و غبطہ کا فرق

اس حدیث سے حسد کی برائی بھی نکلتی ہے کیونکہ حسد کہتے ہیں دوسرے بھائی کی اچھی حالت دیکھ کر اس کی نعمت چھین جانے کی تمنا کرنا

جب مومن کی شان یہ ہوئی کہ دوسرے بھائی کے لئے ان چیزوں کو بھی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اچھی چیزوں کے لئے جس طرح خود اپنے لئے سعی کرتا ہے اس کے لئے بھی حتی الامکان سعی کرے تو حسد جیسی برائی سے تو خود ہی بہت دور ہو جائے گا البتہ غبطہ کی گنجائش اس حدیث سے نکلتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرے بھائی کے پاس کوئی نعمت دیکھے تو اس کی تمنا و طلب اپنے لئے بھی کرے بغیر اس کے کہ اس شخص سے اس نعمت کا زوال چاہے اس کی شرعاً اجازت ہے۔ حسد و غبطہ کا فرق اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

روایت مسلم میں لجاجہ کا لفظ وارد ہے یعنی اپنے پڑوسی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے ظاہر ہے کہ پڑوسی مسلمان بھی ہو سکتا ہے اور کافر بھی اس لئے اس سے بھی مراد عام ہی ہونا رائج ہے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ من الایمان کے لفظ سے ظاہر ہوا کہ یہاں ایک خصلت ذکر ہوئی ہے ایمان میں سے اور ان امور میں جہاں حدیث میں ان کے بغیر ایمان کی نفی کا حکم ہے وہ اس امر پر محمول ہے کہ ناقص کو بمنزلہ معدوم کہا جایا کرتا ہے اس سے تو امام بخاریؒ کے نظریہ کی وضاحت ہوئی لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ شارع علیہ السلام کا طریقہ وعظ و تذکیر کا طریقہ ہوتا ہے اس لئے وہ ایسا طرز اختیار کرتے ہیں جس سے لوگوں کو عمل کی طرف زیادہ سے زیادہ رغبت ہو اس لئے اس قسم کی احادیث میں کمال کی تقدیر نکالنا شارع کے مقصد کو فوت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ سلف من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر۔ میں ترک استحلال وغیرہ کی تاویل کو پسند نہیں کرتے کیونکہ تاویل سے بات ہلکی ہو جاتی ہے اور عمل کا داعیہ ختم ہو جاتا ہے۔

باب :- حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الایمان (رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان میں داخل ہے)

۱۳۔ حدثنا ابو الیمان قال ثنا شعب قال ثنا ابو الزناد عن الاعرج عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قال : ”والدی نفسی بیدہ لایوم من احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولده“

ترجمہ :- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ذات باری کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اس کے آباؤ اجداد اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔  
تشریح :- جسمانی ابوت و بنوت کا علاقہ روحانی ابوت و بنوت کے مقابلہ میں بہت کم درجہ کا اور کمزور ہے اسی لئے قرآن مجید میں جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابوت روحانی کا ذکر فرمایا اس کے ساتھ یہ بھی اشارہ ہوا کہ روحانی علاقہ تمام قریب ترین طاقتوں پر برتر و فائق ہے فرمایا ”النہی اولی بالمومنین من الفسہم وازواجه امہاتہم“ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (روحانی علاقہ سے) مومنوں کے ساتھ ان کی جانوں سے بھی زیادہ ولایت و قرب کا مرتبہ حاصل ہے اور آپ کی ازواج مطہرات ان کی مائیں ہیں) ایک قرأت میں وہو اب لہم بھی ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے باپ ہیں پس اگر جسمانی تعلق مذکور محبت و مودت کا سبب ہوتا ہے تو مہمانی تعلق محبت کا باعث کیوں نہ ہوگا بلکہ روحانی تعلق اگر کم سے کم درجہ کا بھی ہو تو وہ بڑے سے بڑے جسمانی تعلق سے زیادہ قوی ہوتا ہے اس لئے اگر یہاں محبت ہوگی تو وہاں عشق کا درجہ ہوگا اور یہاں عشق مجازی ہوگا تو وہاں عشق حقیقی کی کار فرمائی ہوگی اور عشق کا حال یہ ہے

عشق آں شعلہ ایست کوچوں بر فروخت ہرچہ معشوق باشد جملہ سوخت

اور جب عشق کی لذتوں سے شناسائی حاصل ہو جاتی ہے تو عاشق عشق کی بدولت ہزار تکالیف اور رسوائیوں کو بھی بہزاء مسرت و خوشی اس طرح خوش آمدید کہتا ہے۔

شاد باش اے عشق خوش وائے ما دے دوائے جملہ علت ہائے ما

وے دوائے نخوت و ناموس ما دے تو افلاطون و جالینوس ما

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفہ اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی  
اور حالی نے یوں ادا کیا۔

سنتے تھے عشق جسے وہ یہی ہو گا شاید خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

معلوم ہوا کہ عشق و محبت بڑے کام کی چیز ہے مگر ایسی کار آمد اور قیمتی نعمت کو کسی قافی شے سے وابستہ کرنا نہ صرف یہ کہ اس کا بے جا مصرف ہے بلکہ بہت بڑی حماقت بھی ہے اس لئے حدیث مذکور بالا میں اسی حقیقت کی طرف رہنمائی کی گئی ہے تاکہ اول درجہ کی محبت و عشق کا تعلق حقیقی و قیوم سے اور اس کی وجہ سے اس کے محبوب و برگزیدہ رسول سے قائم کیا جائے اگر صحیح معنی میں خدا اور رسول سے جیسی محبت ہونی چاہئے ہو جائے تو اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہو گا کہ ان کی اطاعت سہل تر ہو جائے گی۔

ان المحب لمن یحب مطیع

(طبعاً و فطراً ایک محبت اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے)

النبی اولی بالمومنین کی بہترین تشریح و توضیح دیکھنی ہو اور ”علوم نبوت“ کی سرسبز و شاداب وادیوں سے دل و دماغ کو بہرہ اندوز کرنا ہو تو حضرت حجت الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ کی ”آب حیات“ ملاحظہ کی جائے۔

علامہ محقق حافظ بدرالدین عینیؒ نے بھی کچھ اشارہ فرمایا ہے۔ (عمد القاری ص ۱۶۹/طبع استنبول)

بحث و نظر: یہاں یہ بحث ہے کہ حب الرسول من الایمان میں کون سی محبت مراد ہے طبعی یا عقلی یا ایمانی و شرعی۔ علامہ بیضاوی نے حب عقلی مراد لی ہے کیونکہ جب طبعی ایک اضطراری امر ہے اور کسی کو اضطراری و غیر اختیاری امر کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا۔ بعض نے کہا کہ حب ایمانی مراد ہونی چاہئے جس کا مرتبہ حب طبعی و عقلی دونوں سے اوپر ہے لیکن ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حقیقت میں تو محبت ایک ہی ہے اس کی اقسام نکالنا فلسفیانہ موشگافی ہے البتہ جن چیزوں سے محبت کا تعلق ہوتا ہے ان کے اختلاف سے اس ایک محبت کے متعدد نام ہو گئے۔ مثلاً آباء و ابناء کے ساتھ تعلق ہو تو اس کو حب طبعی کہتے ہیں شریعت کے ساتھ سے جن چیزوں سے تعلق ہو اس کو حب شرعی و ایمانی کہنے لگے عقل کے راستہ سے علاقہ مفہوم ہو تو اس کو حب عقلی کہہ دیا۔ چنانچہ آیت قرآنی۔ قل ان کان آباءکم و ابناءکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموالکم و اقرباؤکم و تجارتکم و تحشونکم و مساکنکم و رضوانہا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جہاد فی سبیلہ فترہضوا الا یہ سے ظاہر ہے کہ محبت تو ایک ہی صفت ہے جس کو میلان قلبی کہنا چاہئے اگر وہ میلان ان سب دنیوی محبوبات و مرغوبات کی طرف زیادہ ہے اور خدا و رسول اور ان کی مرضیات کی طرف کم ہے تو یہی آخرت کے بڑے خسران اور برے نتائج کا پیش خیمہ ہے پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے۔

”آپ ان کو ہٹا دیجئے کہ تمہارے آباء و اجداد تمہاری آل اولاد تمہاری بیویاں تمہاری برادری و کنبہ و قبیلہ تمہارے کماؤ ہوئے اموال و دولت تجارتی کاروبار جن کے قتل ہونے کا اندیشہ تمہیں ستایا کرتا ہے (عالی شان بلند گئیں جن میں عیش و آرام کی زندگی گزارنا تمہیں بہت پیارا ہے یہ سب چیزیں اگر تمہیں اللہ تعالیٰ سے اس کے رسول معظم سے اور خدا کے راستہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو (اس دنیا کی عارضی و چند روزہ زندگی کے بعد) اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے عذاب و نکال کا انتظار کرو جو لوگ (کفار و مشرکین کی موالات یا

۱۔ یہ لا جواب کتاب موضوع ”حیات سرور کائنات“ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے نظیر و بے مثال ہے راقم الحروف نے عرصہ ہوا قیام ڈاکھیل کے زمانے میں اس کی صحیح تفسیل، تبویب اور عنوانات لگانے کی خدمت انجام دی تھی اور اس کے اہم نظریات کی تائید و توثیق کے لئے اکابر سلف کے اقوال بھی جمع کئے تھے خدا نے مزید توفیق بخشی تو اس کو جدید ترتیب کے ساتھ شائع کرانے کی تمنا ہے۔ واللہ اعلم۔

دنیوی خواہشات میں پھنس کر) خدا کی نافرمانیاں کرتے ہیں وہ اس کی ہدایت سے محروم رہے ہیں (سورۃ توبہ)۔“  
حدیث میں ہے کہ جب تم بیلوں کی دم پکڑ کر کھیتی باڑی سے اس طرح دل لگا لو گے کہ ”جہاد“ کو چھوڑ بیٹھو گے تو خدا تم پر ایسی ذلت مسلط کر دے گا جس سے تم کبھی نہ نکل سکو گے یہاں تک کہ پھر اپنے دین (جہاد فی سبیل اللہ) کی طرف واپس آؤ۔

۱۔ یہاں یہ امر لائق ہے کہ احکام اسلام میں جہاد فی سبیل اللہ سب سے زیادہ دشوار گزار مرحلہ ہے جو کفر و شرک کی طاغوتی طاقتوں کے مقابلہ میں اعلاء کلمۃ اللہ دین اسلام کی سر بلندی اور مسلمانوں کی عزت و سطوت کے لیے واحد نسخہ کیما ہے جہاد کا حکم قیام قیامت تک باقی ہے جب بھی اس کی ضرورت ہوگی اور مسلمان اس سے غفلت برتیں گے ان کی دینی و دنیاوی ہلاکت و خسران جتنی ہے۔ لا تفلحوا بائد یکم الی التہلکۃ میں ہلاکت سے مراد ترک جہاد ہی ہے اور حدیث صحیح میں یہ بھی ہے کہ جو مسلمان جہاد نہ کرے اور نہ بھی اس کے حاشیہ خیال میں جہاد کا ارادہ و تصور آئے وہ غنائق کے ایک شعبہ پر مرے گا (مسلم) (اعاذا اللہ منہ)  
اس کے علاوہ جہاد کے فضائل بے شمار ہیں یہاں تک کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں وارد ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد کوئی شخص بھی دنیا کی طرف واپس ہونے کو پسند نہ کرے گا اگرچہ اس کو ساری زمین کی دولت و حکومت بھی حاصل ہو مگر شہید کہ وہ نہ صرف دنیا میں واپس ہونے کو پسند کرے گا بلکہ تمنا کرے گا تا کہ دنیا میں آ کر (کم سے کم) دس مرتبہ تو پھر خدا کی راہ میں جہاد کر کے آخرت کی اس عظیم الشان عزت و کرامت کو حاصل کرے جو شہادت پر موقوف ہے۔

جہاد و شہادت کے احکام فضائل و غیرہ اپنے موقع پر آئیں گے یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ جہاد کی جو عظیم الشان عظمت و کرامت شریعت کی نظر میں ہے یہاں تک کہ جہاد میں لگنے پر ایک نیکی کا ثواب سات لاکھ گئے تک وارد ہے۔ وہ اس لئے ہے کہ جہاد کہتے ہیں کلمۃ اللہ کو بلند اور کلمۃ کفر و شرک کو سرنگوں کے لیے نفس و نفس کو خیر باد کہہ کر ہمیشہ کے لیے گھر سے نکل جانے کو جیسا کہ آیت مذکورہ بالا میں اشارہ ہے کہ اگر تمہیں دنیا کی یہ ساری زندگی اور مال و متاع خدا اور رسول کی رضا مندی اور جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ عزیز ہے تو آخرت کی بھلائی سے مایوس ہو جاؤ معلوم ہوا کہ ساری عبادات میں سے سب سے زیادہ شاق اور نفس پر گراں ترین عمل گھبرا کر رو پار اور اعزہ و اقارب اور عمر کی ساری کمائی ہوئی دولت کی طرف سے پیٹھ پھیر کر اور ان کے تعلق و محبت سے دل کو صاف کر کے اسلام اور مسلمانوں کی عزت کو سر بلند کرنے کی نیت سے نکل جانا ہے جب اس کا ثواب اتنا بڑا ہے کہ دوسری کسی عبادت کا ثواب اس قدر نہیں مثلاً جہاد کے وقت ایک روپیہ صرف کرنے کا ثواب سات لاکھ روپے کے برابر ہے اس زمانے میں عام طور سے ہماری تبلیغی جماعت کے افراد علماء و عوام کے ذہن میں یہ بات آگئی ہے کہ تبلیغ کے لیے لگنے پر بھی ہر نیکی کا ثواب سات لاکھ کے حساب سے ملے گا کیونکہ وہ بھی شل جہاد کے ہے۔

تو اول تو کسی کو شارع علیہ السلام کا منصب اختیار کر کے یہ کہنے کا حق نہیں کہ فلاں عمل چمکے فلاں عمل سے مشابہ ہے اس لیے ان دونوں کا ثواب برابر ہے پھر جب کہ قرآن و حدیث کے مجموعی مطالعہ سے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے اعمال کا فرق زمین و آسمان کا معلوم ہوتا ہے۔ خروجاً سامعہ الجہاد جہاد دین کے سب اعمال میں سے چوٹی کا عمل ہے جس کی وجہ یہ بھی ہے کہ بغیر اعلاء کلمۃ اللہ کے دوسرے اعمال کی ادائیگی کی شان نہایت گری ہوئی رہتی ہے۔

دوسرے یہ کہ جہاد کے جو کچھ فضائل و مناقب ہیں وہ مشروح بالا عظیم قربانیوں کے تحت ہیں چند روز کے لیے گھر سے نکلتا خواہ وہ تبلیغ جیسے اہم دینی مقصد ہی کے لیے ہو جہاد کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا پھر اگر ایسا ہی قیاس کرنا ہے تو جب تین دن کے لیے گھر سے مسلمانوں ہی میں تبلیغ کے لیے نکلتا (خواہ وہ صرف ایک بستی سے دوسری بستی کے لیے ہو) جہاد فی سبیل اللہ کے حکم میں ہے اور ایسے شخص کو ہر نماز اور ہر روپیہ صرف کرنے کا ثواب سات لاکھ گنا مل سکتا ہے تو حج جیسے فرض عین کے لیے ۳-۴ ماہ کے واسطے اتنے دور دراز سفر پر لگنے والے کو ہر نیکی پر سات لاکھ گنا ثواب کیوں نہ ملے گا اگر اس کو بھی ملتا ہے تو کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں؟

ایک مرتبہ راقم الحروف نے تبلیغی جماعت میں کام کرنے والے ایک جید عالم سے اس سلسلہ میں گفتگو کی تو انہوں نے یہی کہا کہ یہ بھی جہاد کے مشابہ ہے اس لیے جہاد کی ساری فضیلت اس کو حاصل ہے اور وہ اپنی حقیقت پر مصر ہے آخر نے خیال کیا کہ لوگوں کو رغبت دلانے کے نیک خیال سے اس قسم کی فضیلت بیان کرنے کی ضرورت سے یہ حضرات مجبور ہوئے ہیں تو حساب لگا کر ایک بیان میں لوگوں کو متلاطم تھا کہ صرف ایک دن میں باجماعت نمازوں میں جتنا قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اس کی نیکیاں شمار کی جائیں تو ۶۶ لاکھ سے زیادہ احسانات کا ثواب ملتا ہے۔ جب کہ نماز کے دوسرے ارکان سنن و مستحبات کا ثواب الگ رہا۔ کیونکہ قرآن مجید کے ایک حرف پڑھنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور نماز میں پڑھنے سے ایک سو نیکیاں حدیث سے ثابت ہیں اور جماعت کا ثواب ۷۰ گنا ہے جس کو بعض علماء نے لکھا کہ ۷۰ بار ڈبل کیا جائے۔ غرض صرف ترفیب کے لیے کچھ کہنا ہے تو اس میں علماء اور ذمہ دار حضرات کو کئی بات نہ کہنی چاہیے اس تحریر کا مقصد صرف ایک علمی تحقیق و اصلاح ہے تبلیغ کی ضرورت و اہمیت سے صرف نظر ہرگز نہیں خود تبلیغ کے فضائل و مناقب بھی اپنی جگہ بے شمار ہیں اور تبلیغی جماعت کے کارنامے آب زر سے لکھے جائیں تو کم ہے ہر مسلمان کو اس کام میں لگنا چاہیے دوسری اہم قابل اصلاح بات یہ ہے کہ عام طور سے دیکھا گیا ہے کہ تبلیغی جماعت میں کام کرنے والوں کے دلوں میں علماء اسلام اور مدارس عربیہ کی وقعت کم ہو جاتی ہے حالانکہ علماء و مدارس عربیہ دین کے مستحکم قلعے ہیں ان سے کٹ کر ان سے بدظن ہو کر یا ان سے بے نیاز ہو کر جو دین کا کام ہو گا اس کے اثرات پائیدار و محکم نہ ہوں گے اور مجموعی حیثیت سے دین و علم کو اس سے ناقابل طافی نقصان بھی پہنچے گا۔ و ما علینا الا البلاغ۔

## جہاد کی تشریح سے اجتناب

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی طرف جو اوپر چند اشارات ضمنی طور سے ذکر ہوئے ان کو لکھتے وقت راقم الحروف نے علماء حال کی چند تالیفات پر نظر کی جو اسلام کو مکمل طور پر پیش کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں مگر نہایت افسوس ہے کہ ان میں اصل جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی تفصیل و تشریح کرنے سے پہلو تہی کی گئی ہے اور صرف دین کی نصرت و حمایت کا چلی عنوان دے کر کچھ لکھا گیا ہے۔ پھر شہادت کی فضیلت اور شہیدوں کا مرتبہ بتلانے کے لئے بھی صرف اتنا لکھا گیا کہ دین حق پر قائم رہنے کی وجہ سے یا دین کی کوشش و حمایت میں کسی خوش نصیب کی جان چلی جائے تو دین کی خاص زبان میں اس کو شہید کہتے ہیں پھر آیات و احادیث میں جو مراتب شہیدوں کے ہیں وہ بھی ان ہی خوش نصیب مسلمانوں کے بتلائے ہیں جن کو بزم خود دین کی خالص زبان میں شہید سمجھا ہے۔ جو کتابیں اسلام کا مکمل تعارف کرانے کے لئے لکھی جائیں اور ان سے ہم یہ نہ معلوم کر سکیں کہ جہاد و قتال فی سبیل اللہ بھی اسلام کا کوئی جزو ہے بلکہ دین کی خاص زبان میں شہید کا ایک جزوی و محدود تصور بتلا کر اصل جہاد و قتال فی سبیل اللہ کو منظر عام سے بالکل ہٹا دیں اس کی کوئی معقول وجہ نہیں معلوم ہوئی ہاں! یہ ہو سکتا ہے کہ ہم اصل جہاد پر روشنی ڈالیں اس کے شرائط و احکام کی شرح کریں اور ضرورت ہو تو بھی لکھ دیں کہ ہندوستان میں اصل جہاد کے قائم کرنے کی بظاہر کوئی صورت نہیں ہے یہاں کے حالات میں یہ بھی ثانوی درجہ میں جہاد فی سبیل اللہ ہی کی ایک قسم ہے کہ دین کی نصرت و حمایت کی جائے اگر کفار و مشرکین کو دعوت اسلامی نہیں دے سکتے اور اس کے خطرات سے دوچار ہونے کا حوصلہ نہیں تو صرف مسلمانوں کو ہی مسلمان بنانے اور اسلام پر قائم رکھنے کی مہم جاری رکھی جائے اور اس میں کچھ تکالیف و مصائب پیش آئیں تو ان کو خدا کے لئے برداشت کیا جائے وغیرہ اور اگر موجودہ ہندوستان میں جہاد و قتال فی سبیل اللہ کی اتنی تشریح بھی خطرات سے خالی نہیں سمجھی گئی تو یہ بات اس لئے سمجھ میں نہیں آتی کہ انگریزی دور سامراجیت میں جبکہ مرحوم جہاد اسلامی کے بہت سے نقوش دنیا کے مختلف خطوں پر ابھرے ہوئے تھے اور خود ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی امام المجاہدین حضرت سید احمد صاحب شہید قدس سرہ کی قیادت میں اور پھر حضرت حافظ خاں صاحب شہید حضرت حاجی صاحب حضرت گنگوہی حضرت نانوتوی وغیرہ (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی رہنمائی میں بھی سرفروشانہ جہاد و قتال کیا تھا اور انگریزوں کو سب سے بڑا خطرہ مسلمانوں کی جہادی اسپرٹ ہی سے رہتا تھا۔ اس وقت بھی مودودی نے الجہاد فی الاسلام ایسی ضخیم کتاب لکھ کر شائع کر دی تھی آج تک ہمارے علم میں نہیں کہ ان کی کتاب ضبط ہوئی ہو یا انگریزوں نے ان کو کوئی سزا دی ہو۔ پھر ہمارے علماء ”اسلام“ پر کتابیں لکھتے وقت اسلام کی پوری تصویر کھینچنے سے کیوں بچکے پاتے ہیں؟۔

اگر کسی اسلامی حکم کو موجودہ احوال و ظروف کی مجبوری سے عملی صورت نہیں دی جاسکتی تو اس کا علمی و نظریاتی تصور تو حاشیہ خیال میں ضرور رہنا چاہئے اگر کہا جائے کہ اس کا خاکہ کیا ہے؟ تو اس کے لئے مسلم شریف کی حدیث سامنے رکھیے! ”من مات ولم یغز ولم یحدث بہ نفسہ مات علی شعبۃ من النفاق“ (مسلم شریف صفحہ ۱۴۱/۲ مطبوعہ نولکھور)

غرض آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ خدا اور رسول کی محبت سب چیزوں کا محبت پر عالم۔ فی چاہئے اور ظاہر ہے کہ ان سب مرغوبات دنیوی کی محبت طبعی ہے لہذا خدا اور رسول کی محبت بھی طبعی ہونی چاہئے اور جب طبعی ہوگی تو عقلی و شرعی بدرجہ اولیٰ ہوگی صحابہ کرام کے حالات پڑھنے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت طبعی تھی بطور مثال چند اشارات عرض ہیں۔

۱۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ عیناً آپ مجھے، پیر سے زیادہ محبوب ہیں۔ بجز میری جان کے! آپ نے فرمایا کہ ابھی ایمان کامل نہیں اور واللہ اس وقت تک کامل نہ ہوگا کہ میں سب چیزوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ: حضرت! اب وہ بات نہیں رہی اور آپ کی محبت مجھے اپنی جان عزیز سے بھی زیادہ عزیز ہو گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا:۔ اب تمہارا ایمان بھی مکمل ہو گیا۔

ظاہر ہے کہ عقلی و شرعی نقطہ نظر سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے جاں نثار صحابی کو کیا تردد ہو سکتا تھا، البتہ طبعی لحاظ سے کچھ تاثر تھا، جو نور مجسم ہدایت معظم کے ادنی اشارہ سے زائل ہو گیا۔

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے موقع پر ایک رات کو میرے والد نے مجھے بلا کر وصیت کی کہ مجھے معلوم ہوا کہ اہل کربلا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سب سے پہلے میں شہید ہوں گا اپنے بعد رہنے والوں میں نفس بخیر صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم ہی مجھے سب سے زیادہ محبوب ہو، مجھ پر غصہ ہے اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنا (بخاری شریف) یہاں سے بھی معلوم ہوا کہ قسم دونوں محبت کی ایک ہی تھی۔ یعنی طبعی۔

۳۔ حضرت عبد اللہ بن زید بن عبد اللہ اپنے باغ میں پانی دے رہے تھے، بیٹے نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر سنائی تو فوراً آنکھیں بند کر لیں اور حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ جن آنکھوں سے میں نے محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال جہاں آرا دیکھا ہے، ان سے اب کسی دوسرے کو دیکھنا نہیں چاہتا، مجھ سے میری بصیرت لے لے، چنانچہ ان کی بصیرت جاتی رہی۔ شفاء قاضی عیاض میں اور بھی بعض واقعات لکھے ہیں مثلاً:۔

۴۔ جنگ احد میں ایک انصاری عورت کا باپ، بھائی اور شوہر تینوں شہید ہو گئے، جب اس کو خبر ملی تو اس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عافیت دریافت کی، لوگوں نے بتلایا کہ بخیر ہیں اس نے کہا کہ جب آپ زندہ و سلامت ہیں تو پھر ہر مصیبت کا جھیلنا آسان ہے۔

۵۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی میں مال، مولا، والدین اور عیال میں سرور پانی سے بھی زیادہ عزیز تھی۔

۶۔ اہل مکہ جب زید بن حزنہ کو قتل کرنے کے لئے حرم سے باہر لے چلے تو ابو سفیان نے پوچھا کہ زید، قسم کھا کر کہو کیا تمہیں اس وقت یہ پسند ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں تمہاری جگہ ہوتے اور تم اپنے گھر ہوتے زید نے کہا ”بخدائے لایزال مجھے ہرگز یہ گوارا نہیں کہ میں اپنے گھر میں ہوں اور یہاں آپ کے جسم میں ایک کاٹا بھی چبے ابو سفیان نے کہا کہ میں نے ایسی محبت کہیں نہیں دیکھی جیسی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اس سے کرتے ہیں۔

۷۔ تفسیر ابن کثیر میں آیت ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصلحین وحسن اولئک ولیقاً۔ کا شان نزول یہ لکھا ہے کہ ایک صحابی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے آپ کی ذات سے بڑی محبت ہے، حتیٰ کہ جب گھر میں ہوتا ہوں تب بھی آپ کا ہی دھیان رہتا ہے اور جدائی شاق ہوتی ہے! تاہم یہاں تو ہم حاضری کا شرف حاصل بھی کر لیتے ہیں زیادہ فکر یہ ہے کہ جنت میں آپ درجات عالیہ میں انبیاء کے ساتھ ہوں گے اس وقت تو مستقل جدائی ہوگی اور دل یہ چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ رہوں حضور نے کوئی جواب نہیں دیا اور وحی کا انتظار فرمایا، پھر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نے اس شخص کو بلا کر بشارت سنائی۔

اسی طرح دوسرے واقعات بہ کثرت ملتے ہیں جب عقلی و ایمانی، شرعی وغیرہ کی تاویل اس لئے کرنی پڑتی ہے کہ عموماً حق تعالیٰ جل ذکرہ کی رحمت عامہ و خاصہ اس کے فضل و انعامات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات و الطاف بے پایاں کا استحضار نہیں رہتا اگر ان امور کا نقش دل پر اچھی طرح بیٹھ جائے تو ناممکن ہے کہ ان سے ہزاروں درجہ کم احسانات کی وجہ سے آباؤ اجداد اور مال و اولاد ازواج وغیرہ سے توحب طبعی ہو اور خدا اور رسول سے حب طبعی نہ ہو انسانی روح چونکہ اس قلب خاکی میں محبوس ہو کر غفلت و جہالت کے پردوں میں مستور ہو جاتی ہے جس طرح آگ کی چٹکاری راکھ کے ڈھیر میں محبوس ہو تو اس کی اصل صفات گرمی و روشنی وغیرہ بھی چھپ جاتی ہیں اسی طرح ایمان و عقل سلیم کے صفات و ملکات کے اصل مظاہر و آثار بھی دنیوی تعیشات اور فسق و فجور کی زندگی میں پڑ کر پوشیدہ ہو جاتے ہیں۔



## طاعات و عبادات کی ضرورت

التزام طاعات و عبادات اور اجتناب معاصی و منکرات کا حکم شرعی اس لئے نہایت اہتمام سے کیا گیا ہے کہ ایمان کی چنگاری معاصی و منکرات کی راکھ میں چھپ کر بے اثر نہ ہو جائے۔ اور طاعات و عبادات کے ذریعہ جلاء و حرارت پائی رہے یہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ حسب تحقیق و مشاہدہ شیخ عبدالعزیز دباغ قدس سرہ ہم سب مومنوں کے دلوں میں جو نور ایمان کی روشنی خدا کے فضل و کرم لا متناہی کے صدقہ میں موجود ہیں وہ سب گویا ایمانی بلب ہیں جو ساری دنیا کے مرکز انوار الہیہ قلب منور و نور اعظم ذات محمدی علی صاحبہا الف الف صلوات و تحیات سے مستفید و مستفید ہیں جس کو حضرت مجدد صاحب قدس سرہ نے حقیقۃ الحقائق و نور الخلائق وغیرہ سے تعبیر فرمایا اور اس سلسلے کی بہت کچھ شرعاً حضرت نانوتوی قدس سرہ نے آب حیات وغیرہ میں کی ہے اس قسم کی تفصیلات میں موقع، بموقع راقم الحروف اس لئے بھی چلا جاتا ہے تاکہ ہمارا ایمان صرف اجمالی نہ رہے کیونکہ ایمان تفصیلی ہی سے اس قسم کی احادیث کی پوری شرح سمجھ میں آ سکتی ہے اور یہی وہ علوم نبوت ہیں جن سے ایمانی روح کو غذاء روحانی ملتی ہے اور اس سے ترقی و نشوونما حاصل ہوتی ہے واضح ہو کہ روح ایمانی کی ترقیات کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اس کے زینے کا سب سے پہلا درجہ اعمال ہیں اس کے بعد سارے درجات کی ترقی علوم نبوت پر موقوف ہے معلوم ہوا کہ جس درجہ پر ہم نے اکتفا کر لی ہے اور اس پر بھی ہم پوری طرح نہ چڑھ سکے وہ کم سے کم مطالبہ ہے ہمیں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کی زندگی سے واقفیت حاصل کرنی چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ انہوں نے کس طرح اور کتنے مدارج قرب الہی کے طے کئے اور سوائے قرب نبوت کے تمام مدارج ہم بھی طے کر سکتے ہیں اور ہمارا مطمح نظر اور آخری مقصد انتہائی امکانی درجہ قرب و رضاء الہی ہونا چاہئے تب ہم کچھ آگے بڑھ سکتے ہیں اگر دنیا کی ترقی کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے سامنے بڑے سے بڑا مقصد ہو تو دینی ترقی کا اصول بھی یہی ہے کہ سب سے اعلیٰ مقصد کو اپنی منزل مقصود بناؤ اور حوصلہ کر کے آگے بڑھتے جاؤ حدیث میں آتا ہے کہ (دخول جنت کے وقت) صاحب قرآن سے کہا جائے گا۔ قرآن مجید پڑھتے جاؤ اور اوپر چڑھتے جاؤ جہاں رک جاؤ گے وہی تمہاری منزل ہوگی۔

۱۴ - حدثنا يعقوب بن ابراهيم قال ثنا ابن عليه عن عبد العزيز بن صهيب عن انس عن النبي صلى الله عليه

وسلم: وحدثنا آدم بن ابي ابياس قال ثنا شعبه عن قتادة عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

لا يؤمن احدكم حتى اكون احب اليه من والده وولده والناس اجمعين.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میں سے کوئی شخص بھی اس وقت تک مومن نہیں ہو

سکتا جب تک اس کو میری محبت اپنے آباؤ اجداد اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ نہ ہو جائے۔

تشریح:- پہلی حدیث میں صرف من والده وولده تھا اس حدیث میں والناس اجمعین کی زیادتی ہے جس میں زیادہ وسعت اور ہمہ

گیری ہے ایک روایت میں من اہله و عاله بھی آیا ہے اپنے اہل و مال سے بھی زیادہ محبوب ہونا۔ علامہ عینی نے لکھا کہ محبت کے تین اسباب ہیں

۱۔ یہ حدیث ترمذی و ابوداؤد میں ہے خطاب نے کہا: اثر سے ثابت ہے کہ جتنی تعداد آیات قرآنی کی ہے اتنے ہی درجات جنت میں ہوں گے اس لئے حامل

قرآن مجید سے (جس نے اس کی تلاوت کے ساتھ اس پر عمل بھی کیا ہوگا یہ بات کہی جائیگی اور ہر مومن اپنے ایمان و عمل کے اعتبار سے ان درجات پر فائز ہوگا۔ وہ

اتنی ہی آیات پڑھ سکے گا جتنی پر عمل کیا ہوگا چنانچہ ہر ایک کا ختمی الثواب اس کا ختمی القراءہ ہوگا لہذا پورے قرآن مجید اس کی تفسیر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اور اس کی شرح اور فقہی مسائل کو اپنی زندگی کا لائحہ عمل اور حال و حال بنانا چاہئے یہ تینوں چیزیں علوم نبوت کا مکمل ترین مجموعہ ہیں فرق اتنا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے لئے صرف قرآن مجید کی بھی روشنی کافی تھی اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ”کان خلقه القرآن“ فرمایا صحابہ کرام تابعین وائمہ مجتہدین کے لئے

قرآن مجید کی تفسیر و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ضرورت تھی ان کے بعد آنے والے علماء و عوام کے لئے درجہ بدرجہ فقہ اسلامی کی روشنی بھی ضروری ہوئی جو قرآن مجید حدیث آثار صحابہ و اقوال تابعین کی روشنی میں مرتب ہوا۔ واللہ اعلم۔

کمال جمال جو دستا۔ اور یہ تینوں اوصاف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں بدرجہ اتم موجود تھے آپ کا کمال آپ کی کامل و مکمل شریعت سے ظاہر ہے جمال جہاں آراء کا ذکر جمیل احادیث شامل میں ہے اور آپ کا کرم وجود ظاہری و باطنی تو سارے عالم و عالمیان کو شامل ہے پھر آپ کی محبت تمام مخلوق سے زیادہ کیوں نہ ہو اس موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں حاصل ہونے والے چھ انعامات و اکرامات کا ذکر مناسب ہے۔

(۱) پہلی امتوں پر معاصی اور کفر و شرک کے سبب عام عذاب الہی آتا تھا، آپ کی امت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان محبوبیت کے صدقہ میں اس سے محفوظ کر دی گئی، اس کی سپاس گزاری دوسرے خواہ نہ کریں، مگر مسلمان تو بندہ احسان ہیں۔

(۲) پہلی امتوں کے لیے جسم و لباس کی پاکی کے لیے احکام بہت سخت تھے، جو اس امت کے لیے بہت نرم کر دیئے گئے ہیں حتیٰ کہ تیمم تک کا جواز ہوا۔

(۳) پہلی امتوں کے واسطے اداء عبادت کے لئے صرف معابد مخصوص تھے دوسری جگہ ان کی ادائیگی درست نہ تھی اس امت کے لئے ہر جگہ عبادت کرنا درست ہے۔

(۴) اس امت کو ”خیر الامم“ کا لقب عطا ہوا

(۵) درمنثور کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ”قیامت کے دن ۶۹ دوسری امتیں ہوں گی اور سترویں امت میری ہوگی ہم سب سے آخر میں اور سب سے بہتر ہوں گے۔“

(۶) ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے فرمایا کہ تم ہم سے پہلے ہو اور ہم آخر میں ہیں مگر قیامت کے دن حساب میں تم سے پہلے ہوں گے (مصنف ابن ابی شیبہ ابن ماجہ و کنز العمال)

(۷) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کا انتظام ان کے انبیاء علیہم السلام فرماتے تھے جب ایک نبی کی وفات ہوتی تو دوسرا اس کا جانشین ہو جاتا تھا لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اور میرے خلفاء (امت میں سے) انتظام کریں گے اور وہ بہت ہوں گے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم کس طرح کریں؟ فرمایا: الاول فالاول کے بیعت کے حقوق ادا کرنا (بخاری و مسلم وغیرہ)

(۸) تورات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس امت کا بھی ذکر خیر ہوا اور ان کے اوصاف حسنہ سے امم سابقہ کو متعارف کرایا گیا مثلاً حسب روایت دارمی و مضایح یہ اوصاف مذکور ہوئے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اللہ تعالیٰ کی ہر وقت ثنا کرے گی ہر حال میں حمد کرے گی ہر جگہ اس کی حمد اور ہر بلندی پر خدا کی تکبیر کہے گی۔ آفتاب کے تغیرات کا انتظار کرے گی جب نماز کا صحیح وقت آ جائے گا فوراً نماز ادا کرے گی ان کے تہبند نصف ساق تک ہوں گے وہ اپنے ہاتھ پاؤں دھوئے گی (یعنی وضو کے لئے) ان کا مؤذن فضاء آسمان میں اعلان کرے گا جہاد اور نماز دونوں میں ان کی صفیں یکساں ہوں گی۔ راتوں میں ان کی (تلاوت قرآن مجید ذکر وغیرہ کی) آواز شہد کی مکھیوں کی جھنناہٹ کی طرح (دھیمی دپست) ہوگی۔

(۹) اس امت کی عمریں کم مگر ثواب پہلی امتوں کے برابر ہوگا۔

(۱۰) قیامت کے دن امت محمدیہ دوسری تمام امتوں سے ممتاز ہوگی کہ ان کے اعضاء و جوارح و نور ہوں گے۔

(۱۱) قیامت کے دن سب سے پہلے یہی امت پل صراط سے گزرے گی۔

(۱۲) سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔

(۱۳) جنت والوں کی ۱۲۰ صفیں ہوں گی جن میں بہت بڑی تعداد یعنی ۸۰ صفیں اس امت محمدیہ کی ہوں گی۔

شکر نعمتہائے تو چند آنکہ نعمتہائے تو عذر تقصیرات ما چند آنکہ تقصیرات ما

ترمذی شریف کی ایک روایت میں حب رسول کا آسان طریقہ بھی بیان ہوا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو کیونکہ وہ تمہیں انواع و اقسام کی نعمتوں سے سرفراز فرماتا ہے اور مجھ سے خدا کی محبت کی وجہ سے محبت کرو اور میرے اہل بیت سے میری وجہ سے محبت کرو۔“

حدیث بخاری میں ”حب رسول“ کا نہایت ہی بیش بہا ثمرہ بھی ذکر ہوا ہے اس طرح کہ ایک شخص نے محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا کہ تم نے اس کے لئے کیا کچھ تیاری کر رکھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ حضرت! مجھ سے تو نہ زیادہ نمازیں پڑھی گئیں، نہ زیادہ روزوں اور صدقات کی توفیق ہوئی، البتہ اتنی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے محبت ہے آپ نے فرمایا کہ تم (قیامت میں) اسی کے ساتھ ہو گے جس سے تمہیں محبت ہوگی۔

حضرت شاہ صاحب قدس سرہ العزیز کی رائے عالی پہلے درج ہو چکی ہے کہ حب رسول میں حب طبعی ہی مانتے ہیں، جس کی وجہ گزر چکیں، دوسرے اس لئے بھی کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اصولی طور سے بھی ایسے مواقع میں اہل عرف و لغت کے متعارف و عام معنی کو ترجیح دیتے تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ بھی ہے کہ نبی کریم اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے صرف اوصاف ہدایت اور اخلاق فاضلہ وغیرہ کے سبب نہیں، بلکہ آپ کی ذات اقدس کی وجہ سے بھی ہونی چاہئے۔

لہذا آپ اپنی ذات مبارکہ طیبہ کے سبب بھی محبوب ہیں اور اپنے اوصاف حسنہ، ملکات فاضلہ اور اخلاق کاملہ کی وجہ سے بھی۔  
صلی اللہ علیہ وسلم بعد وکل ذرة الف الف مرة۔

## باب حلاوة الايمان ”حلاوت ایمان کے بیان میں“

۱۵ - حدثنا محمد بن المثنی قال ثنا عبد الوهاب الثقفي قال ثنا ايوب عن ابي قلابة عن انس عن النبي

صلی اللہ علیہ وسلم قال: ثلاث من كن فيه وجدا حلاوة الايمان ان يكون الله ورسوله احب اليه مما سوا

هما وان يحب المرء لا يحبه الا لله وان يكره ان يعود في الكفر كما يكره ان يقذف في النار.

ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت پالے گا، خدا اور رسول خدا اس کو تمام دوسری چیزوں سے زیادہ محبوب ہوں، جس سے بھی محبت کرنے خدا کے واسطے کرے، کفر و شرک اختیار کرنے سے اس قدر متنفر و بیزار ہو جس قدر آگ میں ڈالے جانے سے دور اور متنفر ہو سکتا ہے۔

تشریح:- علماء نے لکھا ہے کہ حلاوت ایمان سے مراد یہ ہے کہ طاعات میں لذت محسوس ہو اور خدا اور رسول کی رضا مندی کے لئے بڑی سے بڑی تکالیف بھی گوارا ہوں، حدیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے پہلا نمبر یہ ہے کہ اللہ و رسول کی محبت دوسری سب چیزوں کی محبت پر غالب ہو۔ اللہ تعالیٰ کی محبت تو اس لئے کہ وہ رب الارباب اور منعم حقیقی ہے، ساری نعمتیں اسی کے فضل و کرم سے وابستہ ہیں، رسول

۱۔ کنیت ابو بکر نام ایوب بن ابی حمیرہ السخیانی، ولادت 68-66ھ وفات ۱۳۱ھ مشہور زہاد کبار تابعین سے ہیں، صحاح ستہ میں ان سے روایت ہیں، تہذیب صفحہ ۱/۳۹۷ میں مفصل تذکرہ اور مناقب جلیلہ ذکر ہیں، جامع المسایید صفحہ ۲۸۳/۲ میں لکھا کہ امام اعظمؒ نے بھی آپ کے روایت حدیث کی ہے، حافظ عینی نے عمدۃ القاری میں لکھا کہ آپ سے آٹھ سو احادیث روایت کی گئی ہیں، امام الحدیث شیخ حضرت شعبہؒ نے آپ کو سید الفقہاء کہا، حماد بن زید نے اپنے سب شیوخ و معاصرین سے افضل اور زیادہ قبیح سنت کہا، دارقطنی نے حفاظ اثبات میں شمار کیا۔ ابن سعد نے ثقہ ثبت فی الحدیث، جامع، کثیر العلم، حجت و عدل لکھا، اتنے بڑے جلیل القدر محدث سے صرف ۸ سو حدیث روایت ہوئیں اور کسی نے ان کو ثلث روایت کا طعن نہیں دیا اور امام اعظمؒ سے ہزار ہا احادیث روایت ہوئیں تب بھی ان کو قلب روایت سے مطعون کیا گیا، درحقیقت اس دور کے محدثین خصوصاً فقہاء محدثین سب ہی روایت میں نہایت محتاط تھے۔

کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اس لئے کہ روحانی انعامات و علوم الہیہ کیلئے دینی واسطہ ہیں۔

دوسری چیز یہ ہے کہ ان دونوں محبوب سے جو نعمتیں حاصل ہوئیں ان میں سے سب سے زیادہ عزیز ترین دولت ایمان کی دولت ہے اور ان کی سب سے زیادہ مبغوض چیز کفر و شرک ہے لہذا ایمان کی دولت کسی حالت میں بھی ہاتھ سے نہیں دی جاسکتی اور کفر و شرک کے ادنیٰ شائبہ سے بھی پوری بے زاری و نفرت ہونی ضروری ہے۔

تیسری چیز یہ ہے کہ دنیا کے مجازی محبوبوں کی محبت کا یہ حال ہے کہ ان سے ادنیٰ تعلق رکھنے والوں سے بھی محبت ہوا کرتی ہے تو پھر محبوب حقیقی سے محبت کا تقاضا یہ کیوں نہ ہوگا کہ اس سے محبت کرنے والوں سے تعلق رکھنے والوں سے محبت نہ ہو بلکہ ایک مومن قلعہ کے لئے اعلیٰ درجہ تو یہ ہے کہ جس سے بھی وہ محبت کرے یہی دیکھ کر کرے کہ وہ خدا سے بھی کچھ علاقہ و محبت رکھتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے ”من احب للہ وابلغ اللہ فقد استكمل الایمان“ (جس نے خدا کے لئے محبت کی اور خدا کے لئے بغض کیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا) اس تشریح سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی دو چیزیں نہایت اہم ہیں اور تیسری چیز (حب للہ) مکملات ایمان میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

بحث و نظر: محدث عارف ابن ابی جرہ نے بھی الخسوف صفحہ ۲۵/۱ تا صفحہ ۲۸/۱ میں حدیث مذکور کے متعلقات پر بہت اچھی بحث کی ہے اس میں یہ بھی فرمایا کہ حلاوت ایمان کے بارے میں بحث ہوئی ہے کہ وہ امر محسوس ہے یا باطنی و معنوی بعض حضرات نے معنوی قرار دیا۔ یعنی جس میں وہ موجود ہوگی وہ ایمان میں پختہ اور احکام اسلامی کا پورا مطیع و منقاد ہوگا یہ فقہاء کی رائے ہے دوسرے حضرات نے اس کو محسوس چیز قرار دیا اور یہ سادات صوفیہ کی رائے ہے صاحب بھج نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک حق و صواب بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس سے حدیث کا مطلب بغیر کسی تاویل کے سمجھ میں آتا ہے لیکن یہ بات ایسی ہے کہ اس کا ادراک و احساس دینی کر سکتے ہیں۔ جو خود بھی اس مرتبہ و مقام تک پہنچے ہوں لہذا ایسا دعویٰ کرنا موزوں نہیں کہ حدیث میں وہ مرتبہ و مقام مراد دینی نہیں ہے۔

واذا لم تر الہلال فسلم لاناں راوہ بالا بصار .

(تو نے اگر خود چاند کو نہیں دیکھا تو ان لوگوں کی بات ہی مان لے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ لیا ہے) دوسرے یہ کہ سادات صوفیہ کی رائے کی تائید صحابہ و سلف اور واصلین کا طہین کے حالات سے بھی ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے حلاوت ایمان کو محسوس طریقہ پر حاصل کر لیا تھا۔ مثلاً

(۱) حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا واقعہ کہ ان کو ایمان سے ہٹا کر کفر کی طرف لوٹانے کے لئے قسم قسم کی تکالیف دی گئیں مگر وہ برابر اصرار و احداد کہتے رہے تو اس کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ عذاب و تکلیف کی تلخی ایمان کی حلاوت کے ساتھ ایسی مل گئی تھی کہ حلاوت تلخی پر غالب آ گئی تھی اسی لئے جب ان کی موت بھی اسی حالت میں آ گئی تو ان کے گھر کے آدمی تو دوا کر باہ (کیسی سخت مصیبت و بلا ہے) کہتے تھے اور وہ خود و اطراف باہ (کیسی خوشی و مسرت کا مقام ہے) کہہ رہے تھے پھر فرماتے تھے۔ غدا القی الاحبہ محمداً و حلیہ

(کل کو میں اپنے دوستوں سے ملوں گا محبوب دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی ساری جماعت سے جا ملوں گا) گویا انہوں نے موت کی تلخی کو لقاء سرور دو عالم و صحابہ کی حلاوت کے ساتھ ملا کر اس تلخی کے احساس کو مغلوب کر دیا تھا۔ اور یہی حلاوت ایمان ہے۔

(۲) ایک صحابی اپنا گھوڑا باندھ کر نماز پڑھنے لگے ایک شخص آیا اور گھوڑا اکھول کر لے گیا انہوں نے نماز نہیں توڑی لوگوں نے کہا کہ آپ نے یہ کیا کیا؟ فرمایا کہ میں جس امر میں مشغول تھا وہ گھوڑے سے بہت زیادہ قیمتی تھا یہ بھی حلاوت ایمان ہی تھی۔

(۳) ایک حدیث میں ہے کہ کسی جہاد کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کی ڈیوٹی لگائی کہ رات کے وقت لشکر اسلام کی حفاظت کے لئے جاگ کر پہرہ دیں انہوں نے طے کیا کہ نوبت بنوبت ایک سو جائے اور دوسرا جاگتا رہے اور جاگنے والا نماز کی نیت باندھ کر کھڑا

ہو گیا دشمن کے جاسوس ادھر آٹکے اور دیکھا کہ ایک سو رہا ہے دوسرا نماز میں مشغول ہے پہلے نماز والے کا خاتمہ کر دیا جائے چنانچہ اپنی کمان کھینچ کر اس پر تیر برس سانا شروع کر دیئے باوجود اس کے وہ صحابی نماز میں مشغول رہے اور زخموں کی کوئی پروا نہ کی۔ جب سارے بدن سے گرم خون بہہ کر سونے والے صحابی تک گیا تو وہ اٹھ بیٹھے اور نماز والے صحابی نے بھی نماز توڑ کر دشمن کی طرف توجہ کی اور کہا کہ اگر لشکر اسلام کی حفاظت کا خیال نہ آتا تو میں اب بھی اپنی نماز نہ توڑتا یہ بھی حلاوت ایمان ہی نہ تھی تو اور کیا تھا۔ اور اس طرح کے واقعات سے تاریخ اسلام بھری پڑی ہے۔

### شیخ ابوالعباس اسکندرانی کا ارشاد

صاحب ہجہ کی طرح عارف کبیر ابوالعباس تاج الدین ابن عطاء اللہ اسکندرانی نے بھی لکھا کہ اس حدیث میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ جو قلوب تندرست ہیں یعنی غفلت و خواہشات نفسانیہ وغیرہ کے امراض سے محفوظ ہیں وہ روحانی لذتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں جس طرح ایک صحت مند آدمی کھانوں کے صحیح ذائقوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور مریض کو ہر اچھی چیز کا ذائقہ بھی کڑوا یا میٹھا معلوم ہوتا ہے حتیٰ کہ صفر کے مریض کو شہد جیسی میٹھی چیز بھی کڑوی معلوم ہوتی ہے۔

### حضرت ابراہیم ادہم کا ارشاد

حضرت ابراہیم بن ادہم فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں خدا کے ذکر و اطاعت میں وہ لذت حاصل ہے کہ اگر شاہان دنیا کو اس کا علم ہو جائے تو ہم پر لشکر کشی کر کے اس کو چھین لینے کی سعی کریں۔

### حضرت جنید رحمہ اللہ کا ارشاد

حضرت جنید رحمۃ اللہ کا قول ہے ”اہل اللیل فی لیلمہم اللمن اہل الہوی فی ہواہم“ یعنی دنیا والوں کو کسی لہو و لعب اور بڑے سے بڑے قیش میں وہ لذت و سرور نہیں مل سکتا جو شب خیز لوگوں کو رات کی عبادات و ذکر الہی میں ملتا ہے۔

### شیخ اسکندرانی کا بقیہ ارشاد

ابن عطاء نے یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ خدائے تعالیٰ کو رب حقیقی مان کر اس کے احکام کے پوری طرح مطیع و منقاد ہو جاتے ہیں وہی حقیقت میں ہمیشہ کی لذت اور تقویٰ کی راحت محسوس کرتے ہیں اور خدا ان سے راضی ہو کر ان پر دنیا میں بھی انعامات و اکرامات کی بارش فرماتا ہے ایسے لوگوں کے قلوب امراض روحانی سے محفوظ رہتے ہیں جس کی وجہ سے ان کا ادراک صحیح اور ذوق سلیم رہتا ہے اور وہ پوری طرح ایمان کا ذائقہ اور حلاوت حاصل کر لیتے ہیں۔ (فتح الملہم من المصابہ شرح صفحہ ۱۱۷)

صاحب ہجہ النفوس وغیرہ کی مذکورہ بالا تحقیق بہت لوہنجی ہے مگر جو واقعات و شواہد انہوں نے بیان فرمائے ہیں وہ جس طرح حلاوت محسوسہ کی دلیل بن سکتے ہیں حلاوت معنویہ کی بھی بن سکتے ہیں اور روحانی امور میں معنوی حلاوت ہی زیادہ رائج معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ علامہ نووی نے شرح بخاری میں لکھا ہے کہ علماء کے نزدیک حلاوت سے مراد طاعات کو لذت و محبوب سمجھنا خدا اور رسول کے راستہ میں تکالیف و مصائب کو بخوشی برداشت کرنا اور ان کو دنیوی مرغوبات پر ترجیح دینا ہے (شرح بخاری صفحہ ۱۳۹)

دوسری اہم بات یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کے استعارہ سے زیادہ نقصان ایمان پر استدلال کرنا چاہا ہے (کما اشار الیہ شیخنا الانور) لیکن حلاوت کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ اس حدیث میں ارکان و اجزاء ایمان کا بیان مقصود نہیں بلکہ مکملات ایمان کی تفصیل مقصود ہے اسی لئے جو چیزیں اس میں بیان ہوئیں وہ سب ایک درجے کی نہیں اور غالباً اسی طرف علامہ قسطلانی نے اشارہ کیا ہے انہوں نے لکھا کہ:-

هذا (باب حلاوة الايمان) والمراد ان الحلاوة من لمراته فهي اصل زائد عليه (مراد یہ ہے کہ حلاوت ایمان کے ثمرات میں سے ہے لہذا وہ اس کے لئے بطور اصل زائد ہے) یعنی جس طرح ایمان کو قوت و استحکام پہنچانے والے اور اس کی تکمیل کرنے والے اور بہت سے امور ہیں ان تین باتوں سے بھی ایمان میں کمال بطور اسلئے از طاعات پیدا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ایمان کے زیادہ و نقص پر ہم پہلے بہت کچھ لکھ آئے ہیں جو کافی و شافی ہے و اللہ الحمد۔

## علمی فائدہ

عود کا صلہ عموماً الی ہوتا ہے اس حدیث میں فی کیوں آیا ہے؟ اس کا جواب علامہ کرمانی اور حافظ ابن حجر نے یہ دیا ہے کہ عود متغصن ہے معنی استقرار کو گویا "ان يعود مستقر الیہ" کہا گیا ہے مگر امام عربیت حافظ بخاری نے اس امر پر اعتراض کیا اور فرمایا کہ یہ بے ضرورت تاویل بعید ہے پھر فرمایا کہ یہاں فی بمعنی الی ہی ہے جس طرح دوسری آیت اولعودن فی ملتنا و اللہ در۔

## اشکال و جواب

اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معا سوا ہما فرمایا حالانکہ ایک خطبہ پڑھنے والے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نکیر فرمائی تھی جس نے ومن بعضہما فقد غوی کہا تھا اگر ایک کلمہ میں دونوں کو جمع کرنا پسند تھا تو اس کو خود کیوں اختیار فرمایا؟ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں جو حافظ بخاری نے نقل فرمائے ہیں۔

(۱) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت میں جمع فرمایا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ دونوں کی محبت ضروری ہے ایک کی کافی نہیں اور معصیت والی صورت میں منع فرمایا کیونکہ تا فرمائی صرف ایک کی بھی مضر ہے یہ جواب قاضی حیاض کا ہے۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے کو اس لئے منع فرمایا کہ اس سے یہ ہم ہو سکتا ہے کہ کہنے والوں کو ایک مرتبہ میں سمجھتا ہے مگر خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چونکہ ایسا ہم نہیں ہو سکتا اس لئے آپ کے جمع فرمانے میں کوئی مضائقہ نہیں پس یہ آپ کے خصائص سے ہوا۔

(۳) خطبہ کا مقام ایضاً و تفسیر کا ہوتا ہے اس لئے جمع و اختصار کو پسند فرمایا اور احادیث میں بیان حکم کے موقع پر اختصار موزوں ہے تاکہ اس کو مختصر ہونے کی وجہ سے سہولت یاد کر لیا جائے چنانچہ سنن ابی داؤد وغیرہ کی حدیث میں جمع کے ساتھ وارد ہے۔

من يقطع الله ورسوله فقد رشد ومن بعضهما فلا يضر الانفس۔

(۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب کو افراد کا حکم اس لئے دیا کہ وہ مقام حق تعالیٰ کا ذکر مستقلاً الگ کر کے زیادہ سے زیادہ تعظیم کے اظہار کا تھا یہ جواب اصولیوں کا ہے (عمدة القاری صفحہ ۱۷۵)

(۵) ہمارے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو یہ جواب پسند تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطیب کو بطور تادیب و تہذیب روکا تھا جس طرح قرآن مجید میں "لا تقو لوا دعنا" ادب و تہذیب سکھانے کے لئے فرمایا گیا ہے اس جواب سے ایک زیادہ معتدل صورت بن جاتی ہے جو قرآن و سنت سے زیادہ موافق ہے۔ واللہ اعلم

## باب

علامة الايمان حب الانصار۔ (انصار کی محبت علامت ایمان ہے)

۱۶۔ حدثنا ابو الوليد قال ثنا شعبة قال اخبرني عبد الله بن جبير قال سمعت النسي بن مالك عن النبي صلى

الله عليه وسلم قال آية الايمان حب الانصار و آية نفاق بغض الانصار



ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ انصار کی محبت ایمان کی علامت ہے اور انصار سے بغض نفاق کی علامت ہے۔

تشریح:- پہلے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مطلق محبت کی فضیلت کا ذکر کیا تھا جو خدا کے لئے ہر ایک کے ساتھ ہو سکتی ہے اب ایک خاص گروہ کی محبت کا ذکر لائے اور ان میں سے بھی انصار کو منتخب کیا جن کی محبت نظر شارع علیہ السلام میں ایمان کی علامت ہے۔ اور ابتدا سے ترتیب اس طرح ہے کہ پہلے ایمان کا ذکر ہوا پھر اس کی حلاوت کا بیان ہوا اور اب اس کی علامت بتلا رہے ہیں۔

## حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے

ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کا قرآن و حدیث کو سمجھنے کا ایک خاص طرز تھا اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ فلاں حدیث کا مضمون فلاں آیت سے مستنبط ہے یا فلاں حدیث فلاں آیت کے مضمون کی تشریح ہے وغیرہ حضرت کا یہ طرز تحقیق نہایت گرانقدر تھا اسی لئے حضرت علامہ عثمانی فرمایا کرتے تھے کہ ہماری بہت بڑی کوشش ہوئی تو ہم کتابوں کا مطالعہ کر کے مسائل کی تحقیق کر لیں مگر حضرت شاہ صاحبؒ کی رسائی مسائل کی ارواح تک تھی جو ہمارے بس کی بات نہیں۔ و فوق کل ذی علم علیم۔

یہ حضرت عثمانی کا ارشاد تھا جو وسعت مطالعہ اور علم و فضل خدا داد کے لحاظ سے اپنے زمانے کے فرد بے مثال تھے۔ معنا اللہ بعلمہ النافعہ۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس حدیث الباب کے بارے میں فرمایا کہ اس کا ماخذ قرآن مجید کی آیت ”واللین تبوؤا الدار والايمان“ ہے یعنی حق تعالیٰ نے سورہ حشر کی ان آیات میں انصار کے فضل و شرف، کرم و جود حب و ایثار وغیرہ اوصاف کا بیان فرمایا ہے اور یہ وصف بھی خاص طور سے بیان فرمایا کہ جنہوں نے مہاجرین کی آمد مدینہ منورہ سے پہلے مدینہ طیبہ اور ایمان کو اپنا گھر بنالیا تھا مدینہ طیبہ کو گھر بنانا تو ظاہر ہے مگر ایمان کو گھر بنانے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح گھر میں بیٹھ کر آدمی اس میں محفوظ ہوتا ہے اسی طرح انصار ایمان کے گھرے اور احاطہ میں آچکے تھے ایمان بطور ظرف تھا اور وہ مظروف تھے ایمان کے درود یوار ان کے چاروں طرف تھے اور وہ ان کے بیچ میں بیٹھے ہوئے تھے جس طرح اہل جنت کا حال مذکور ہے ”ان المتقین فی جنات ونہر فی مقعد صدق عند علیک مقتدر“۔

(متقین جنات اور نہروں میں سچائی کے گھر میں سب سے بڑے با اقتدار بادشاہ کے قرب سے سرفراز ہوں گے) اس سے پہلے مہاجرین کفار و مشرکین کے لئے فرمایا تھا کہ وہ گمراہی اور آگ کی لپٹوں میں گھرے ہوں گے گویا جرم کفر و شرک کی سزا آخرت میں یہ ہوگی کہ ان کی دنیا کی گمراہی و طغیان و عصیان وہاں ان کو آگ کی لپٹوں کی شکل میں مجسم ہو کر محصور کئے ہوگی اور چونکہ متقین نے سچائی اختیار کی تھی تو آخرت میں وہ ایمان و ہدایت کی سچائی مجسم ہو کر مقعد صدق بن جائے گی۔ کیونکہ یہاں جتنی چیزیں مستور ہیں مثلاً معانی و اعراض وہ سب آخرت میں مجسم و محسوس ہو جائیں گی۔

یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مومن کا گھر ایمان و ایمانیات ہے وہ ان کے حصار میں رہ کر کفر و شرک کے حملوں سے محفوظ رہتا ہے اور اعمال صالحہ باہر سے اس گھر کی حفاظت بطور قلعہ اور اس کی خندقوں وغیرہ کے کرتے ہیں اعمال صالحہ کے قلعہ میں محصور ہو کر ایک مومن فسق و فجور اور معاصی کی یلغار سے محفوظ رہتا ہے۔

## حضرت شاہ صاحبؒ کی نکتہ رسی

خیال کیجئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی دور رس نظر نے کتنی اونچی بات کا کھوج لگایا۔ جس سے ایمان و کفر اور عمل صالح و معاصی کی صحیح پوزیشن واضح ہوگئی اور فی ضلال و سہو اور تبوؤا الدار والايمان کی بہترین تفسیر بھی بغیر کسی تاویل بعید کے سمجھ میں آگئی اور یہاں اس

حدیث میں انصار کی محبت کو علامت ایمان فرمانے کی وجہ بھی روشن ہوگئی ایک تو یہ کہ سب سے پہلے مدینہ طیبہ سے مکہ معظمہ جا کر اسلام سے مشرف ہونے والے یہ لوگ تھے جس کی تفصیل آگے آتی ہے) پھر ان کا ایمان واسلام بھی کامل و مکمل اور تقلیدی تھا کہ سب مسلمانوں کا ایمان اس شان کا ہونا چاہئے ان کے ایمان کی قیمت اتنی زیادہ قرار دی گئی کہ مہاجرین کو ان کی محبت کی ترغیب دی گئی۔ حالانکہ مہاجرین کے درجات خود اپنی جگہ نہایت بلند تھے ان کے مستحکم ایمان اور عظیم الشان قربانیوں کی مثال نہیں مل سکتی اور صرف ہجرت ہی بہت بڑی فضیلت ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہجرت (کی فضیلت) نہ ہوتی تو میں اپنا شمار انصار میں کراتا (بخاری) بلکہ اگر زیادہ گہری نظر سے دیکھا جائے تو انصار کی محبت وغیرہ کی ترغیب سے مقصد بھی ان کے فضائل کو نمایاں کرنا اس لئے ہے کہ ان کے فضائل حضرات مہاجرین کے فضائل و مناقب کے مقابلے نظروں سے اوجھل ہو رہے تھے دوسرے یہ کہ مہاجرین میں اکثر حضرات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت تھے ان سے محبت آپ کی قرابت کے سبب بھی ہر مسلمان کو فطری طور سے تھی لیکن انصار مدینہ بظاہر اجانب تھے ان کی محبت سے ذہن غافل ہو سکتا تھا اس لئے تنبیہ فرمادی کہ ان کی محبت بھی اس لحاظ سے فطری ہونی چاہئے کہ انہوں نے بھی اہل بیت کا مقام حاصل کر لیا تھا۔ "والذین تبوء الدار والایمان یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے "ایمانی گھر" کی نسبت سے جس طرح مہاجرین آپ کے اہل بیت ہیں ایسے ہی انصار بھی ہیں۔ اس کے بعد اسی روحانی و ایمانی رشتہ سے سارے مومنین و متقین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت ہیں اور ایک حدیث میں ایک ایسا مضمون بھی ہے کہ ہر تقی و تقی مسلمان میری آل میں داخل ہے۔

النبي اولی بالمومنین من انفسهم وازواجه امهاتهم و فی قراءۃ و جواب لهم۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

### انصار مدینہ کے حالات

انصار کا اصل وطن مدینہ طیبہ نہ تھا بلکہ وہ سبا کی بستیوں میں یمن کے علاقہ میں رہتے تھے جب سبا پر تباہی آئی تو ایک کاہنہ نے اطلاع دی کہ ان بستیوں پر جلد ہی خدا کا عذاب آنے والا ہے جو اس سے بچنا چاہے یہاں سے نکل جائے چنانچہ قبیلہ سبا کے لوگ اور بنو قیلہ (انصار مدینہ کے اباؤ اجداد) ادھر ادھر منتشر ہو گئے کچھ لوگ شام چلے گئے اور بنو قیلہ کے دو قبیلے اوس و خزرج مدینہ طیبہ میں آکر مقیم ہو گئے۔

اس وقت مدینہ طیبہ میں یہود کا تسلط تھا ان میں تین قبیلے بڑے تھے بنو قیلعہ، بنو نضیر اور بنو قریظہ بنو قیلعہ سب سے بہادر تھے لوہاری کا پیشہ کرتے تھے یہودیوں نے اوس و خزرج کو اس شرط پر اقامت مدینہ کی اجازت دی کہ جب کسی کے یہاں شادی ہوگی اسے سب سے پہلی رات میں دلہن کو ہمارے یہاں بھیجنا پڑے گا ان لوگوں نے مجبوری میں اس شرط کو قبول کر لیا مگر خدا کو ان کی خفاقت منظور تھی جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب شادی ہوئی تو وہ شادی شدہ لڑکی منہ کھول کر سارے مجمع کے سامنے آگئی مجمع میں جو اعزہ و اقرباء موجود تھے انہوں نے اس کو بے حجابی پر عار دلائی تو اس نے کہا کہ مجھ سے پہلے تمہیں بے غیرتی کا ماتم کرنا چاہئے کہ مجھے غیر شوہر کے پاس بھیجنے پر راضی ہو۔

اس پر ان لوگوں کی غیرت و حمیت کو بھی جوش آیا اور تہیہ کر لیا کہ اس ذلت کو ہرگز گوارہ نہیں کریں گے اور ضرورت ہوئی تو یہود مدینہ سے جنگ بھی کریں گے جنگ کی تیاری کی اور خدا کے بھروسہ پر وہ لوگ یہود سے بھڑ گئے اور خدا نے ان کو یہود پر غالب کر دیا اس کے بعد یہود مدینہ اوس و خزرج سے کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں کے ظہور پر ہم تمہاری ان حرکات کا جواب دیں گے اوس و خزرج کو بھی ان کی اس بات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی امید ہوگئی تھی پھر موسم حج پر جو لوگ مکہ معظمہ جاتے تھے ان سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی بھی خبریں آنی شروع ہو گئیں اور ان لوگوں نے ارادہ کر لیا کہ ہم یہود سے بھی پہلے نبی آخر الزماں پر ایمان لائیں گے۔

اوس و خزرج میں سے پہلا قافلہ موسم حج پر مکہ معظمہ پہنچا اور منیٰ میں جمرہ عقبہ کے مقام پر ٹھہرا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کے

لئے ان کے پاس تشریف لے گئے انہوں نے کہا کہ ہمارے چند آدمی باہر گئے ہیں ہم ان سے مشورہ کر لیں گے آپ شب کو تشریف لائیں مشورہ میں ملے پایا کہ یہ وہی پیغمبر آخرا زمان معلوم ہوتے ہیں جن کے ساتھ مل کر یہود ہمیں استیصال کی دھمکیاں دیا کرتے تھے اس لئے موقع غنیمت ہے ہمیں ان کی بات قبول کر لینی چاہئے پھر جب آپ رات میں تشریف لے گئے تو ان بارہ آدمیوں نے دعوت اسلام قبول کر لی اس رات کو لیلۃ العقبہ کہا جاتا ہے اور اس مقام حجرہ عقبہ پر انصار سے دو بیعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں۔ ایک یہی ہے کہ جو اسلام کی سب سے پہلی بیعت ہے دوسری بیعت انصار سے اگلے سال لی ہے جس میں ستر انصاری تھے انصار میں سے جن لوگوں نے پہلے بیعت کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا عہد کیا وہ ”نقباء الانصار“ کہلائے گئے کیونکہ نقیب قوم کے ناظر نگراں و سردار کو کہتے ہیں۔

### ایک انصاری جنتی کا واقعہ

حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر میں والذین تبوءوا الدار والايمان الاية کے ذیل میں ایک حدیث بروایت امام احمدؒ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے تھے آپ نے فرمایا کہ ابھی تمہارے پاس ایک شخص اہل جنت میں سے آئے گا اتنے میں ایک انصاری آئے جن کی ریش مبارک سے وضو کے قطرات گر رہے تھے اور انہوں نے اپنے دونوں چپل اپنے بائیں ہاتھ میں لٹکا رکھے تھے اگلے روز بھی آپ نے اسی طرح فرمایا اور شخص مذکور اسی شان سے حاضر مجلس ہوئے تیسرے دن بھی آپ نے اسی طرح فرمایا اور وہ اسی طرح آئے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے تشریف لے گئے تو حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص ان انصاری کے ساتھ ہوئے اور کہا کہ میرا باپ سے کچھ جھگڑا ہو گیا اور میں نے قسم کھالی ہے کہ تین دن تک ان کے پاس نہ جاؤں گا اگر آپ مناسب سمجھیں تو اتنے وقت کے لئے مجھے اپنے پاس ٹھہرا لیں۔ انصاری نے فرمایا بہت اچھا!

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ وہ تین رات ان انصاری کے پاس رہے (تاکہ ان کی شب و روز کی پوری زندگی کا مطالعہ کریں) دیکھا کہ کسی رات میں بھی اٹھ کر عبادات نہیں کی بجز اس کے کہ رات کو جس وقت بھی نیند سے بیدار ہوتے تو اپنے بستر پر کروٹ بدلتے ہوئے خدا کا ذکر و تکبیر ضرور کرتے حتیٰ کہ صبح کی نماز کے لئے اٹھ بیٹھتے تھے دوسرے یہ کہ کبھی میں نے ان کو سوائے خیر کے کوئی بات کہتے نہیں سنا جب تینوں راتیں گزر گئیں اور مجھے ان کے اعمال شبانہ روز کی کوئی وقعت محسوس نہ ہوئی تو مجھے ان سے کہنا پڑا کہ بھائی واقعہ یہ ہے کہ میرا باپ سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا نہ میں نے ان کو چھوڑا میں نے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین بار سنا تھا کہ ایک جنتی شخص آ رہا ہے اور تینوں دن آپ ہی آئے اس لئے ارادہ کیا کہ آپ کے پاس رہ کر دیکھوں کیا عمل کرتے ہیں تو میں نے کوئی بہت بڑا عمل آپ کا نہیں دیکھا اب آپ ہی بتلائیے کہ اس خیر سے کس طرح پہنچے؟ (کہ دنیا ہی میں جنتی ہونے کی بشارت مل گئی انصاری نے فرمایا کہ عمل تو میرا اتنا ہی ہے جو آپ نے دیکھا میں یہ سن کر لوٹ پڑا تو انہوں نے بلایا اور پھر کہا کہ عمل تو اتنا ہی ہے جو آپ نے دیکھا البتہ اتنی بات اور ہے کہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے کھوٹ کی بات (کی نہ عداوت وغیرہ) نہیں رکھتا اور نہ کسی کو ایسے حال میں دیکھ کر حسد کرتا ہوں حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ بس یہی وہ بات ہے جس سے آپ اس مرتبہ پر پہنچے ہیں اور یہ وہ بات ہے جو ہر شخص کی طاقت و وسعت سے باہر ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ!

غرض انصار مدینہ کے اسی قسم کے باطنی اخلاق اور کمال ایمان کے اوصاف تھے اور ان کی ابتداء اسلام کی بے نظیر خدمات تھیں جن کی وجہ سے ان کی محبت ایمان کی علامت قرار پائی اور ان سے بغض رکھنا فحاش کی نشانی ٹھہرائی گئی۔ اللھم اجعلنا معہم ومع من اجبہم برحمتک وفضلک۔

باب (۷۱) حدثنا ابو الیمان قال حدثنا شعيب عن الزهري قال اخبرني ابو ادريس عائذ الله بن عبد الله عن عباد بن الصامت وكان شهد بدرًا وهو احد النقباء ليلة العقبة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال وحوله عصاة من اصحابه بايعوني على ان لا تشركوا بالله شيئا ولا تسرقوا ولا تنزوا ولا تقتلوا اولادكم ولا تناتوا بهتان تفترونه بين ايديكم وارجلكم ولا تعصوا ما معروف فمن وفى منكم فاجره على الله ومن اصاب من ذلك شيئاً فعوقب في الدنيا فهو كفارة له ومن اصاب من ذلك شيئاً ثم ستره الله فهو الى الله ان شاء عفا عنه وان شاء عاقبه فبايعناه على ذلك.

ترجمہ: حضرت عباد بن صامت جو بدر کی لڑائی میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے یقیبوں میں سے تھے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جب آپ کے گرد صحابہ کی ایک جماعت موجود تھی یہ فرمایا کہ مجھ سے بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے چوری نہیں کرو گے زنا نہیں کرو گے اپنی نسل کشی نہ کرو گے اور نہ عدا کوئی بہتان باندھو گے اور کسی اچھی بات میں (خدا کی) نافرمانی نہ کرو گے جو کوئی تم میں (اس عہد کو) پورا کرے گا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور جو ان (بری باتوں) میں سے کسی میں مبتلا ہو جائے اور اسے دنیا میں سزا دے دی گئی تو یہ سزا اس کے (گناہوں) کے لیے کفارہ ہو جائے گی۔ اور جو کوئی ان میں سے کسی بات میں مبتلا ہو گیا اور اللہ نے اس (گناہ) کو چھپا لیا تو وہ (معاملہ) اللہ کے سپرد ہے اگر چاہے معاف کر دے اور اگر چاہے سزا دے دے (عبادہ کہتے ہیں کہ) پھر ہم سب نے ان (سب باتوں پر) آپ سے بیعت کر لی۔

تشریح: یہاں امام بخاری نے صرف باب کا لفظ لکھا اور کوئی ترجمہ یا عنوان قائم نہیں کیا جس کی وجہ اکثر شارحین بخاری نے یہ لکھی ہے کہ اس باب کی حدیث باب سابق سے ہی متعلق ہے گویا اس کا ترجمہ ہے کیونکہ اس میں انصار کی وجہ تسمیہ اور وجہ فضیلت ظاہر کی گئی ہے پہلے وہ بنو قیلہ کہلاتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ”انصار“ کا لقب مرحمت فرمایا اور ان کے دینی فضائل کی وجہ سے ان کی محبت کو ایمان کی علامت فرمایا اس حدیث میں انصار کہلانے کی وجہ اور فضیلت کا بھی اظہار ہے کہ مکہ معظمہ کی زندگی میں (ایسے وقت کہ تقریباً سارے اہل مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام کے سخت مخالفت کر رہے تھے اور حضور کو اور آپ کے ساتھیوں کو طرح طرح کی ایذائیں دے رہے تھے) انصار کا پہلا قافلہ حج کے موسم میں مکہ معظمہ پہنچتا ہے اور منیٰ میں حجرہ عقبہ کے پاس جہاں حاجی ۱۰؍ ۱۱؍ ۱۲ ذی الحجہ کو رومی جمار کرتے ہیں۔ قیام کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام و فہرت اسلام کے لئے بیعت کی۔

اس حدیث کی روایت کرنے والے بھی ایک جلیل القدر صحابی انصاری حضرت عباد بن صامت رضی اللہ عنہ ہیں جو لیلۃ العقبہ کی اس پہلی بیعت میں بھی شریک تھے اور اگلے سال دوسری بیعت میں بھی شریک ہوئے جس میں ستر (۷۰) انصار نے مدینہ طیبہ سے آ کر اسی مقام پر بیعت کی تھی اس کے علاوہ بدر احد بیعت رضوان اور تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے تمام اوزاعی نے فرمایا کہ سب سے پہلے فلسطین کے قاضی بھی عبادہ ہی تھے ۲۷ سال کی عمر میں ۳۳ھ میں وفات پائی آپ سے ۱۸۱ھ میں مروی ہیں امام بخاری نے آپ سے ۹۸ حدیث روایت کی ہیں۔

اس حدیث کی روایت کرنے والے سب شامی ہیں اور اس ایک ہی حدیث میں تحدیث اخبار اور متعینوں صورتیں روایت حدیث کی جمع ہیں اس میں ایک قاضی کی روایت دوسرے قاضی سے ہے ابو ادريس بھی قاضی تھے۔ ایک صحابی نے دوسرے صحابی سے روایت کی ہے کیونکہ ابو ادريس بھی صحابی ہیں۔

بحث و نظر: اس حدیث میں احکام اسلام پر بیعت فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جو شخص سارے احکام کی پابندی کرے وہ پورے اجر کا مستحق ہے جو معاصی کا مرتکب ہوا اور دنیا میں عقاب کی زد میں بھی آ گیا تو وہ عقاب اس کے لیے معاصی کا کفارہ ہو گیا

اور جو یہاں اس سے بچ گیا تو اس کا معاملہ خدا کے سپرد ہے چاہے کا بخش دے گا چاہے کا عقاب دے گا۔

اس وضاحت سے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ارجاء سنت کی حقیقت ثابت فرمادی اور بعینہ یہی ارشاد ہے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تابعین اور دوسرے سلف و خلف کا بھی حس پر امام بخاری نے خاص طور سے امام صاحب کو مطعون کیا کہ وہ تو مرجئی تھے وغیرہ اور قرآن مجید میں تو و آخرون موجون لا مرأۃ اما یعد بہم و اما یعوب علیہم (توبہ) میں تو ارجاء کا لفظ ہی ذکر فرمایا دیا اب ظاہر ہے کہ خدا کے نزدیک مرتکب معاصی تو مرجون ہیں ان کے لیے یہی خدا کا فیصلہ بتلانے والے مرجئی ہیں۔ تو جس امر کی اجازت خود اللہ تعالیٰ دیں اور ابھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے بھی وہی بات نکل پھر ان کے اتباع میں اگر امام صاحب وغیرہ نے بعینہ یہی بات کہی تو ان کو بطور طعن و طنز مرجئی کہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے؟ ہاں! ارجاء بدعت ضرور بدعت ہے اور اس سے امام صاحب خود ہی بری و بیزار ہیں اگر اس معنی سے ان کو مرجئی کہا جائے تو یہ ظلم فوق ظلم ہے۔

### حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟

اس حدیث میں جو عقوبت کو کفارہ معاصی فرمایا گیا ہے اس کی وجہ سے یہ بحث بھی چھڑ گئی ہے کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں؟ کسی معصیت پر شرعی حد لگ جانے پر اگر وہ مجرم توبہ اور انابت الی اللہ بھی کرے تو اس جرم کے اثرات ظاہری و باطنی و دنیوی و اخروی سب ختم ہو جاتے ہیں التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ اس صورت میں سب کا اتفاق ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ جرم کیا مثلاً زنا، سرقت وغیرہ اور جرم ثابت ہونے پر حد لگ گئی لیکن توبہ یا توبہ کے کچھ آثار ظاہر نہ ہوئے تو کیا صرف حد لگنے سے بھی وہ پاک صاف ہو گیا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے امام اعظم اور دیگر ائمہ احناف فرماتے ہیں کہ حد صرف دنیوی زجر و تنبیہ ہے دنیاوی اعتبار سے حد کا مقصد حاصل ہو گیا کہ اس کو تنبیہ ہو گئی اور دوسروں کو اس سے عبرت ملی اور اب اس کو دنیا والے۔ زانی یا سارق کہہ کر پکار بھی نہیں سکتے لیکن آخرت کا مواخذہ ختم کرنے اور پوری طرح پاک صاف کرنے والی چیز توبہ ہے و من لم یتب لاؤشک ہم الظالمون (حجرات) غرض احناف کے نزدیک بغیر توبہ کے صرف حد کافی نہیں۔ خصوصاً جب کہ جرائم پیشہ لوگ یا عادی مجرم ہمیشہ زنا، سرقت، شرب خمر وغیرہ کے عادی ہوتے ہیں اور ان پر حد بھی لگتی رہتی ہے کیونکہ وہ صحیح معنی میں دل و زبان سے توبہ نہیں کرتے اس کے برعکس شوافع کی رائے یہ ہے کہ حد سے گناہ بالکل دھل جاتا ہے توبہ کرے یا نہ کرے یہ حد ہی اس کے لیے توبہ کا قائم مقام ہے امام بخاری کی رائے بھی شوافع کے ساتھ ہے چنانچہ کتاب الحدود میں ایک باب ”الحدود کفارۃ“ صفحہ ۱۰۰۳ میں آئے گا اور وہاں امام بخاری نے یہی عبادہ والی حدیث پیش کی ہے ہم اس بحث کو مکمل طور پر انشاء اللہ تعالیٰ اسی مقام پر لکھیں گے اور بتلائیں گے کہ قرآن حدیث اور علم و عقل کی روشنی میں ائمہ حنفیہ کا مسلک نہایت قوی ہے یہاں مختصر حضرت شاہ صاحب کی تحقیق عرض ہے کہ قرآن مجید میں کہیں بھی حدود کو کفارہ نہیں کہا گیا بلکہ آیت السارق و السارقة فاطعوا ابدیہما الآیۃ میں تو تفصیل کے ساتھ فرمایا گیا کہ قطع ید بطور سزا ہے اس کے بعد اگر وہ توبہ کرے گا اور اپنی حالت کی اصلاح کر لے گا (جو توبہ ہی کا جزو ہے) تو اللہ تعالیٰ معاف فرمادیں گے۔ عموماً چونکہ حدود کے ضمن میں توبہ ہوتی ہے خصوصاً صحابہ کرام کے حالات سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے اس لیے بعض احادیث میں حدود کا مطلقاً کفارہ ہونا بیان ہوا ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ اور امراۃ عامہ یہ کا بار بار اپنے جرم کا اقرار اور حد جرم کو بخوشی قبول کرنا ان کی بھی توبہ کو ظاہر کرتا ہے حضرت شاہ نے حقیقت میں توبہ تین چیزوں کا مجموعہ ہے۔ اعدم (کہ اپنے گناہوں پر ماتم ہو جائے اور سمجھے کہ مجھ سے خدا کی نافرمانی ہوئی) اقلع (کہ اس گناہ کو ترک کر دے) عزم علی التکرار (کہ آئندہ اس معصیت کو ترک کرنے کا عزم اور پختہ ارادہ کرے)

سے حضرت ماعز اسلمی رضی اللہ عنہ نے خود حاضر ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھ سے خدا کا جرم ہو گیا ہے آپ نے بار بار ان کو ٹالا کوئی شک و شبہ کی بات نہ ہے مگر وہ برابر اقرار کرتے رہے جب ان کو جرم کیا گیا اس کے بعد کچھ لوگوں نے کہا کہ ماعز برباد ہوئے کتنی بڑی معصیت کی ہے؟ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صاحبؒ یہ بھی فرماتے تھے کہ یہاں نظری اختلاف ہے مسئلہ کا اختلاف نہیں ہے اور نظر حنفیہ کی اصوب ہے۔

حدیث عبادہ مذکور کے مقابلہ میں دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”میں نہیں جانتا کہ حدود کفارہ ہیں یا نہیں“ اس کو حاکم نے مستدرک میں بہ سند صحیح روایت کیا ان دونوں حدیثوں پر محمد ثناء بحث حافظ یعنی حافظ ابن حجر نے کی ہے جو

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) دوسروں نے کہا نہیں ان کی توبہ سے بڑی کس کی توبہ ہو سکتی ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے مجمع میں تشریف لائے اور فرمایا کہ ماعز کے لیے خدائے مغفرت طلب کرو انہوں نے دعاء مغفرت کی پھر فرمایا کہ ماعز نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ایک امت پر تقسیم کی جائے تو اس کو بھی کافی ہو سکتی ہے (مسلم باب حدارہ)

یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صرف رجم کفارہ نہیں چنانچہ آپ نے دعاء مغفرت کرائی حالانکہ خود اپنے اقرار سے رجم کئے گئے تھے جس سے عداوت وغیرہ توبہ کے ارکان کی موجودگی ظاہر ہوتی ہے دوسرے یہ کہ اکثر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماعز کی توبہ میں کوئی کمی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمائی ہوگی اور شاید اسی لیے دعائے مغفرت کرائی بخلاف عامہ یہ صحابہ کے وہاں اکثر روایات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی نماز جنازہ پڑھنا ثابت ہوتا ہے اور ان کے واقعہ میں حضور کا ان کے لیے دعاء مغفرت کرنا بھی ثابت نہیں دونوں کے واقعات میں وجہ فرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ صحابہ نسبتاً ماعز سے زیادہ مستقل مزاج اور خدا کی حد پر مبر کرنے والی تھیں جس کی وجہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) حضرت ماعز نے اقرار جرم کیا حضور نے سوچے سمجھے کا موقعہ دیا حضرت ماعز کچھ دور جا کر واپس ہوئے پھر اقرار کیا اور اس طرح چار بار اقرار کیا تموڑے وقت میں خیال بدلنے کا احتمال کم ہوتا ہے بخلاف صحابہ مذکورہ کے کہ انہوں نے اقرار کیا حضور نے واپس کر دیا انہوں نے پھر حاضر ہو کر اقرار کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ حضور! آپ شاید مجھے ماعز کی طرح لوٹا رہے ہیں خدا کی قسم مجھے تو حمل بھی زنا سے ہی ہے (یعنی مجھ پر رجم کی سزا خود ہی جاری ہونی چاہئے۔ ظنی نہیں چاہئے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ایسا ہے تو ولادت کے بعد حد لگے گی۔ صحابہ چل گئیں ولادت کے بعد خبر بھی پائی کہ بچہ کو لے کر خود حاضر ہوئیں (دونوں روایت ہیں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ کو دودھ پلاؤ پھر آنا اس کے بعد وہ بچے کو دودھ پلاتی رہیں حتیٰ کہ وہ روٹی کا ٹکڑا منہ میں لینے لگا (یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں دستور یہی تھا کہ دودھ پلانے کے بعد جب تک بچہ روٹی کا ٹکڑا منہ میں نہ لینے لگے وہ رضاعت ہی میں رہتا ہے جس سے مدت رضاعت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق دو سال سے زیادہ اڑھائی سال کے اندر ثابت ہوتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ (چونکہ بار) صحابہ مذکورہ بچہ کو اسی شان سے لے کر حاضر ہوئیں کہ اس کے ہاتھ میں روٹی کا ٹکڑا تھا انہوں نے عرض کیا کہ اب تو ساری شرطیں پوری ہو گئیں یا رسول اللہ! اب تو مجھ پر خدا کی حد جاری کر دیجئے! اس پر آپ نے اس کا بچہ کسی صحابی کے سپرد کر دیا اور رجم کا حکم دیا۔

(۲) حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ماعز کو رجم کیا گیا تو وہ بھاگنے لگے تھے (یہ محض ایک فطری و بشری کمزوری تھی معاذ اللہ رجم سے بھاگنا نہیں تھا مگر صحابہ مذکورہ نے اس بشری کمزوری کا بھی اظہار نہیں کیا تھا بلکہ یہ بھی بعض روایات میں ملتا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں ماعز کی طرح نہیں بھاگوں گی اللہ اکبر! حضرات صحابہ و صحابیات کے ایمان کتنے قوی تھے کہ پہاڑ مل جائیں مگر ان کے ایمان اپنی جگہ سے نہ مل سکتے تھے۔

(۳) حضرت ماعز پر اسلام میں سب سے پہلی بار رجم ہوا اور ان کے رجم کے ہولناک حالات تمام صحابہ و صحابیات کو معلوم ہو چکے تھے پھر بھی صحابہ مذکورہ نے اس قدر استقلال و پامردی کا ثبوت دیا اور کہیں ذرا سی بھی جھجک خدا کی حد کے قائم کرانے میں نہ ہوئی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی توبہ ثابت الی اللہ بھی نہایت کامل مکمل تھی اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی نماز جنازہ میں شرکت فرمائی اور فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ ایسی توبہ اگر ”صاحب مکس“ بھی کرتا تو اس کے گناہ بخش دیے جاتے ”صاحب مکس“ وہ ہے جو لوگوں سے بطور ظلم و جبر کے ٹیکس وصول کرتا ہے جیسے ایام جاہلیت میں بازاروں میں چیزیں فروخت کرنے والوں سے ٹیکس لیا جاتا تھا یا صدقہ وصول کرنے والے رقوم صدقات کے علاوہ رقوم وصول کرتے تھے (گویا دوسروں کا مال بغیر حق لینا اور وہ بھی جبر و ظلم سے یہ مکس ہے۔

امام نووی شارح مسلم نے لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ تمام معاصی اور برپا کر دینے والے گناہوں سے زیادہ قبیح ہے۔ کیونکہ لوگوں کے بہ کثرت مطالبات و حقوق اس سے متعلق ہوتے ہیں اور وہ برابر یہی کام کرتا رہتا ہے (مثلاً روزانہ ماہانہ یا سال بہ سال)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب کوئی جنازہ آتا تو دریافت فرماتے کہ اس مرنے والے پر کوئی دین و قرض تو نہیں ہے؟ اگر نہ ہوتا تو خود نماز میت پڑھاتے ورنہ فرمادیتے کہ تم لوگ نماز پڑھ لو یہ معاملہ قرض والے کے ساتھ تھا حالانکہ اکثر قرض ضرورت میں لیا جاتا ہے اور کوشش بھی ادائیگی کی ہوتی ہے پھر صحابہ کی ورع و احتیاط کا تو کہنا ہی کیا؟ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ مذکورہ کی توبہ کو اس کے اعلیٰ درجہ کے اخلاص و خشیتہ خداوندی کے سبب کہ اس قدر گھبرا دینے والی موت بظلم رجم سے بھی نہ ڈری وہ مرتبہ دیا کہ بڑے بڑے گناہ والے کو بھی ایسی توبہ سے مستحق مغفرت قرار دیا اور شاید ایسے شخص کی ایسی توبہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھا دیتے جس طرح صحابہ مذکورہ کی پڑھائی وجہ یہ کہ عام اصول تو یہی ہے کہ حقوق العباد بغیر بندوں سے معاف کرائے معاف نہیں ہو سکتے مگر اللہ تعالیٰ جس بندے کی گھوغلما صی کرنا چاہیں اس کے لیے اپنے خصوصی فضل و انعام کی شان سے ان اصحاب حقوق کو راضی کر کے معاف کرا سکتے ہیں۔ اللہم اغفر لنا وارحمنا و اکرم علیا بفصلک الخاص و جودک العام التام انک علی کل شیء قدير و بالا جابة جدیر۔



بہت اہم ہے اس کو بھی ہم کتاب الحدود میں ذکر کریں گے (انشاء اللہ تعالیٰ) اس کے علاوہ یہ کہ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ ان دونوں میں تطبیق کی بھی صورت نکالتے تھے پوری بحث سے معلوم ہوگا کہ امام صاحب اور ائمہ حنفیہ کا مرتبہ بمقابلہ امام شافعی و امام بخاری وغیرہ نہ صرف فقہ و علم قیاس میں بہت بڑھا ہوا تھا بلکہ حدیث دانی و علم معانی حدیث میں بھی وہ نہایت اونچے مقام پر تھے مگر چونکہ اس امر کا پروپیگنڈہ نہیں کیا گیا بلکہ مخالفوں نے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا اس لیے عام ذہنوں میں غلط تصور قائم ہوتا رہا انوار الباری میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ پوری دیانت کے ساتھ صحیح پوزیشن واضح کریں گے اور جہاں کوئی کمزوری اپنے یہاں ہوگی اس کو بھی بے تامل ظاہر کریں گے یہی طریقہ ہمارے اکابر اور حضرت شاہ صاحبؒ کا تھا کتاب کا اکثر حصہ سامنے آنے پر فیصلہ بخوبی ہو سکے گا کہ ہمارا مقصد خدمت علوم نبوت ہے کسی مسلک کی تائید اس لیے نہیں کرنی ہے کہ اس سے ہم وابستہ ہیں نہ کسی مسلک کی تردید اس لیے ہوگی کہ ہم اس کے پیرو نہیں۔ واللہ الموفق۔

## بیعت اور ان کی اقسام

چونکہ اس حدیث میں بیعت کا ذکر ہے اس لیے اس کی تعریف اور اقسام ذکر کی جاتی ہیں بیعت کے شرعی معنی کسی قبیع شریعت الہیہ کے ہاتھ پر کسی امر دینی کو..... سرانجام دینے کا عہد و میثاق کرنے کے ہیں چونکہ بیعت کا مقصد خدا کے کسی حکم کی بجا آوری کا عہد و میثاق رسول یا نائب رسول کی وساطت سے پورا ہوتا ہے اس لیے حق تعالیٰ نے اس طریقہ کو نہایت پسند فرمایا اور یہاں تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ بلا شک و شبہ خدا سے بیعت کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ ہے پھر جو کوئی (اس بیعت کو) توڑے گا تو اس کے توڑنے سے اپنا ہی نقصان کرے گا اور جو اپنے عہد کو پورا کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائیں گے حضرت علامہ عثمانی نے اس آیت کے فوائد میں تحریر فرمایا لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بیعت کرتے تھے اس کو فرمایا کہ نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنا گویا خدا سے بیعت کرنا ہے۔ کیونکہ حقیقت میں نبی خدا ہی کی طرف سے بیعت لیتا ہے اور اسی کے احکام کی تعمیل و تاکید بیعت کے ذریعے کراتا ہے جب بیعت نبوی کی حقیقت یہ ہوئی تو یقیناً خدا تعالیٰ کا دست شفقت و حمایت ان کے ہاتھوں کے اوپر ہوگا۔ (حبیبہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے کبھی اسلام پر کبھی جہاد پر کبھی کسی دوسرے امر خیر پر بیعت لیتے تھے صحیح مسلم میں ”و علی الخیر“ لفظ آیا ہے مشائخ طریقت کی بیعت اگر بطریق مشروع ہو تو اسی لفظ کے تحت میں مندرج ہوگی حدیبیہ میں اس امر پر بیعت لی گئی تھی کہ مرتے دم تک میدان جہاد سے نہیں بھاگیں گے۔

غرض بہ کثرت احادیث سے ثابت ہے کہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے تھے کبھی ہجرت پر کبھی جہاد پر کبھی ارکان اسلام کو قائم رکھنے پر کبھی میدان جہاد میں ڈٹے رہنے پر کبھی ترک خواہشات و منکرات پر (جیسا کہ حدیث میں ہے کبھی تمسک بالسنتہ) اجتنب عن البدعہ اور حرص علی الطاعات پر (جیسا کہ انصاری و عورتوں سے بیعت لی تھی) ایک دفعہ فقرائے مہاجرین سے اس امر پر بیعت لی کہ کبھی کسی سے کوئی سوال نہیں کریں گے جس کی وجہ سے انہوں نے اتنی سختی سے اپنے اس عہد بیعت کو پورا کیا کہ اگر گھوڑے پر سوار جارہے ہیں اور کوڑا ہاتھ سے گر گیا تو راہ چلتے سے کوڑا اٹھا کر دینے کو نہ کہتے تھے بلکہ خود اتر کر اٹھاتے تھے۔ (ابن ماجہ)

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جریر صحابی سے ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت لی اور کچھ انصار صحابہ سے اس امر پر بیعت لی کہ خدا لگتی بات کہنے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے اور ہر موقع پر حق بات ہی کہیں گے جس کی وجہ سے ان میں سے ایک آدمی بڑے سے بڑے امیر اور بادشاہ تک کو بھی بری بات پر ٹوک دیتا تھا۔ اسی طرح دوسرے امور خیر پر بھی بیعت لینا ثابت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیعت کا طریقہ مسنون ہے اور مشائخ و صوفیہ کا طریقہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ تمام احکام اسلام کی پابندی کے عہد

بیعت پر مشتمل ہے اور اسی کے ساتھ ذکر و مراقبہ وغیرہ کے ذریعہ بھی انابت الی اللہ و تقرب الی اللہ کے وسائل اختیار کراتے ہیں جو وسائل معین انابت و تقرب ہوں ان کو بدعت نہیں کہا جاسکتا البتہ بیعت لینے والے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح معنی میں نائب رسول ہو ورنہ جادہ شریعت سے انحراف کا خطرہ رہے گا۔ جس سے بجائے نفع کے نقصان کا اندیشہ ہے۔ علماء کرام نے بیعت لینے والے کے چند اوصاف لکھے ہیں ان پر توجہ ضروری ہے۔

(۱) عالم کتاب و سنت ہو تاکہ بیعت کے اہم مقاصد حاصل ہوں مثلاً امر معروف نہی منکر سکینت باطنی و اطمینان قلبی حاصل کرانے کے شرعی طریقے بتلانا ازالہ رذائل و اکتساب فضائل قرآن و حدیث کے خلاف طریقوں سے نہ کرانا وغیرہ۔

(۲) عدالت تقویٰ صدق و ضبط وغیرہ اوصاف سے متصف ہو لہذا اکابر معاصی سے قطعاً مجتنب اور صغائر پر مصر نہ ہو

(۳) دنیا سے بے رغبت اور آخرت کی طرف پوری طرح راغب ہو طاعات مؤکدہ اور اذکار ماثورہ مسنونہ کا پابند ہو

(۴) علماء کی خدمت میں کافی زمانہ گزار کر ان سے علم ظاہر و باطن سکینت و تعلق مع اللہ کی کیفیات حاصل کی ہوں وغیرہ۔

شیخ طریقت سے ظہور کرامات و خوارق عادات ضروری نہیں کیونکہ وہ مجاہدات و ریاضات کا ثمرہ ہیں شرط کمال نہیں ہیں اسی طرح شیخ کے لئے ترک اکتساب بھی ضروری نہیں بلکہ خلاف شریعت ہے (مغلوب الحال بزرگوں کے حالات سے اس بارے میں سند لینا درست نہیں) نیز قلیل برقاعت اور مشتبہ اموال سے اجتناب مشائخ کے لئے ضروری ہے۔

معلوم ہوا کہ جو مشائخ حب جاہ و مال میں مبتلا ہیں وہ ہر گز مشیخت کے لائق نہیں دوسرے یہ کہ شیخ ایسے شخص کو بنانا چاہئے۔ جو علم و عمل کے لحاظ سے بھی زیادہ سے زیادہ مکمل ہو ہر کہ وہ کہے کہ ہاتھ میں ہاتھ دے سیدنا نہ مناسب ہے نہ مفید و نافع اس لئے محض دینی بیعت کی کوئی شرعی اہمیت نہیں ہے۔ نیز معلوم ہوا کہ بیعت لینا یا کسی کے ہاتھ پر بیعت کرنا دونوں نہایت اہم ذمہ داریوں کو متقاضی ہیں اور کسی شیخ کا اپنے کسی مرید کو خلیفہ یا قائم مقام بنانا نہایت درجہ ذمہ داری کا منصب ہے اس میں تساہل برتناس منصب رفیع کو بے وقعت بنانا ہے جس سے بے شمار غی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

اذا و صد الامرالی غیر اھلہ فانظر الساعۃ کیونکہ ایسی باتوں سے دین میں کمزوری آجاتی ہے جو قرب قیامت کے ساتھ بڑھتی جائیگی۔

اس سلسلہ میں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ حضرات مشائخ طریقت نے اپنے اپنے سلسلہ کے طریقت کی حفاظت بھی سلسلہ کے نسب کی طرح کی ہے اس لئے ان کی رخصت و اندازوں سے اجتناب ضروری ہے مثلاً۔

(۱) جس شیخ اور پیر مرشد سے کسی کو اجازت بیعت یا خلافت ملی ہو اسی سے اپنا سلسلہ بیعت جاری کرنا چاہئے قطع سلسلہ مناسب نہیں (۲) اگر کسی شیخ نے خود خلافت نہیں دی ہے تو اس کی موجودگی میں یا اس کے بعد دوسرے خلفاء شیخ مذکور کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو اس شیخ کی طرف سے خلافت دیدیں البتہ اپنی طرف سے دے سکتے ہیں اور اس مجاز کو بھی شیخ مذکور کی بجائے ان مجیزین کے واسطے سے سلسلہ کو متصل کرنا چاہئے۔

(۳) کسی شیخ کی موجودگی میں یا اس کے بعد کسی ایک یا چند خلفاء شیخ مذکور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی مجاز شیخ مذکور کی خلافت سلب کر دیں۔ ہاں اگر مجاز مذکور میں خود ہی کسی وجہ سے اہلیت بیعت باقی نہ رہے گی تو وہ عند اللہ اس خلافت سے محروم ہو جائے گا۔

طرق سلوک اور علوم طریقت کی پوری معرفت کے لئے حضرت امام ربانی مجدد صاحب الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات شریفہ وغیرہ حضرت شاہ ولی اللہ کے رسائل تصوف حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی قصدا السبیل اور التکشف عن مہمات التصوف وغیرہ دیکھی جائیں۔

باب:- من الدین الفرار من الفتن (فتنوں سے دور بھاگنا بھی دین میں داخل ہے)

۱۸. حدثنا عبد اللہ بن مسلمۃ عن مالک عن عبد الرحمن بن عبد اللہ بن ابی صعصعۃ عن ابی سعید بن

الخدیری انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: یوشک ان یکون خیر مال المسلم غنم یتبع بہا

شعف الجبال و مواقع القطر یفر بدينہ من الفتن.

ترجمہ:- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- وہ زمانہ قریب ہے کہ مسلمان کا سب سے بہتر مال وہ بکریاں ہوں گی جنہیں لیکر وہ پہاڑوں کی چوٹیوں یا ان کی وادیوں میں گزر اوقات کرے گا تا کہ اپنے دین کو اس زمانہ کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکے۔

تشریح:- دین کے عمومی منافع و فوائد کے لحاظ سے اجتماعی زندگی اسلام میں زیادہ پسندیدہ ہے اور اسوہ انبیاء علیہم السلام بھی یہی ہے کہ معاشرہ میں رہ کر اپنی اور معاشرہ کی اصلاح پر توجہ دی جائے اسی لئے اسلام میں رہبانیت کو پسند نہیں کیا گیا کہ سب سے الگ تھلگ ہو کر صرف اپنی دینی زندگی کو سنوارا جائے اور دوسروں کے احوال سے صرف نظر کر لی جائے مگر قرب قیامت کے ساتھ طرح طرح کے فتنے بھی زیادہ ہوتے جائیں گے حتیٰ کہ وہ وقت بھی آ جائے گا کہ بڑی بستیوں اور شہروں میں زندگی گزارنے والوں کو اپنے دین پر قائم رہنا دشوار ہو جائے گا بجائے اس کے کہ معاشرے میں رہ کر اپنی اور دوسروں کی اصلاح حال ہو ان میں رہ کر اپنا دین و ایمان بھی خطرہ میں پڑ جائے تو ایسے مجبور کن حالات میں شارع اسلام کی طرف سے اجازت ہے کہ بستیوں اور معاشرہ کو چھوڑ کر پہاڑوں اور وادیوں میں سر چھپا کر معمولی گزران کی صورتیں اختیار کر کے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کریں۔

مقصد یہ ہے کہ دین و ایمان کی حفاظت دوسری انسانی ضرورتوں پر مقدم ہے ایک حدیث ترمذی و ابوداؤد میں ہے کہ ایک زمانہ ایسا آ جائے گا کہ اس میں صبر و استقلال سے زندگی گزارنا آگ کے انگاروں کو ہاتھ میں پکڑنے کی طرح دشوار ہوگا اسی لئے اس وقت جو دین کے مقتضیات پر عمل کرے گا اس کو تمہارے پچاس آدمیوں کے عمل کے برابر ثواب ملے گا۔ (یعنی صحابہ کرام کے) دوسری حدیث ترمذی و ابوداؤد میں ہے کہ قرب قیامت میں بہ کثرت فتنے اندھیری رات کے تاریک حصوں کی طرح چھا جائیں گے ان میں ایک شخص صبح کو مومن ہوگا اور شام تک ایمان باقی نہ رہ سکے گا یا شام کے وقت مومن ہوگا تو ایمان کے ساتھ صبح پکڑنی مشکل ہوگی۔ ان فتنوں کے وقت ایک جگہ پر بیٹھنے والا ادھر ادھر جانے والے سے بہتر ہوگا اور آہستہ چلنے والا تیز رفتار سے بہتر ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اس وقت کیا کرنا چاہئے؟ آپ نے فرمایا کہ اپنے اپنے گھروں میں جے بیٹھے رہنا اسی طرح اور بہت سی احادیث فتن و اضطراب ساعت کے بارے میں ماثور ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تدریجی طور سے اور فتنوں کی نوعیت کے فرق سے دین و ایمان کی حفاظت کے طریقے بھی مختلف ہوں گے ایک وقت میں شہروں میں رہتے ہوئے ہی گھروں میں جم کر بیٹھ جانا اور باہر کی مسموم ہوا سے دین کو محفوظ کر لینا کافی ہوگا کبھی بڑے شہروں کو چھوڑ کر چھوٹے قصبات و دیہات کی زندگی میں سکون ملے گا اور بالکل آخر میں وہ نوبت بھی آ جائے گی جس کا ذکر حدیث الباب میں ہے حدیث میں ”دین“ کا لفظ ہے جس کا اطلاق ہم بتلا چکے ہیں کہ مجموعہ ایمان و اسلام پر ہوتا ہے لہذا اس حدیث سے اعمال کا جزو ایمان ہونے پر استدلال نہیں ہو سکتا۔ البتہ ایمان کے ساتھ اعمال کی اہمیت پر استدلال درست ہے جن کے منکر مرجع اہل بدعت ہیں۔ واللہ اعلم۔

باب:- قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم انا اعلمکم باللہ وان المعرفة فعل القلب لقول اللہ تعالیٰ:۔ ولكن

یؤخذ کم بما کسبت قلوبکم“

(رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تفصیل کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو جانتا ہوں اور یہ کہ معرفت دل کا فعل ہے کیونکہ خدا کا ارشاد ہے ”لیکن اللہ تعالیٰ ان امور کی بابت تم سے مواخذہ کرے گا جو تمہارے قلوب سے صادر ہوئے ہیں۔“)

(۱۹) حدثنا محمد بن سلام البیکنی قال اخبرنا عبدة عن هشام عن عائشة قالت کان رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اذا امرهم من الاعمال بما یطیقون قالوا انا لسا کھیتک یا رسول اللہ ان اللہ قد غفر لک

ما تقلم من ذنبک و ما تاخر فی غضب حتی یعرف الغضب فی وجهہ لم یقول ان اتقاکم و اعلمکم باللہ انا۔

ترجمہ:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کو کوئی حکم فرماتے تو اس امر کی رعایت فرماتے تھے کہ وہ عمل کی طاقت و استطاعت سے باہر نہ ہو، صحابہؓ عرض کرتے یا رسول اللہ! ہم آپ جیسے نہیں ہیں، آپ کی تو پہلی بعد کی سب لغزشیں اللہ تعالیٰ نے معاف فرمادی ہیں، (یعنی ہمیں تو زیادہ سخت اعمال کا حکم ملنا چاہئے) اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر غصہ و ملال کے آثار ظاہر ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ میں تم سے زیادہ خدا کو جاننے والا اور اس سے ڈرنے والا ہوں، (اس لحاظ سے مجھے تم سب سے زیادہ اعمال کی ضرورت ہے۔

تشریح:- صحابہ کرام کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ اور سخت سے سخت اعمال انجام دے کر خدا کی خوشنودی حاصل کریں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کرتے، تو دیکھتے کہ بظاہر آپ کے سارے اوقات عبادت میں مشغول نہیں، دوسری دنیوی حاجات میں بھی وقت لگ جاتا ہے، تو وہ اس سے یہ سمجھتے تھے کہ آپ کو زیادہ اعمال کی ضرورت اس لیے نہیں کہ حق تعالیٰ نے آپ کی سب اگلی پچھلی لغزشیں معاف فرمادی ہیں، پھر جب آپ صحابہ کو ان کی وسعت و استطاعت کا خیال کر کے زیادہ دشوار احکام نہ دیتے، تو اور بھی خیال ہوتا کہ ہمارا حصہ دین میں بہت کم ہے، جو شاید نجات اخروی کے لیے بھی کافی نہ ہو۔

چنانچہ دوسری ایک حدیث میں زیادہ تفصیل آتی ہے کہ صحابہ کرام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رات دن کے اعمال کیا ہیں؟ آپ نے بتلائے تو صحابہ نے ان کو کم سمجھا اور سوچا کہ آپ کو اعمال کی ضرورت ہی کیا ہے؟ آپ مغفور و معصوم ہیں، لیکن ہم تو ایسے نہیں ہیں اس لیے ہمیں زیادہ اور سخت اعمال کی ضرورت ہے پھر کسی نے کہا میں ہمیشہ جہاد کروں گا، کسی نے کہا کہ میں ہمیشہ کے لیے بیوی سے الگ رہوں گا، کسی نے کہا میں ہمیشہ روزے رکھوں گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ساری بات معلوم ہوئی تو یہی فرمایا کہ میں تو تم سب سے زیادہ اعلم و اتقی ہوں، مقصد یہ ہے کہ اگر عبادت کی اتنی زیادتی کہ سارے دنیا کے کام محفل ہو جائیں محمود ہوتی اور خدا اس کو پسند فرماتا تو مجھے تو اپنا کوئی وقت بھی عبادت سے خالی نہ کرنا چاہئے تھا، کیونکہ تمہیں اگر آخرت کی فکر ہے تو مجھے تم سب سے زیادہ ہے، کیونکہ میرا علم خدا کی معرفت اور تقویٰ تم سب سے زیادہ ہے، پھر بھی تم دیکھتے ہو کہ میں عبادت کے علاوہ کھانا، پینا، سونا، اور گھر و باہر کے دوسرے کام بھی کرتا ہوں،

یہ تو ایک جواب ہوا دوسرے یہ کہ اور احادیث سے ثابت ہے کہ خدا کو سب سے زیادہ وہ عمل پسند ہے جو ہمیشہ کیا جائے خواہ وہ کم ہو تیسرے یہ کہ فرائض و طاعات کی ادائیگی کے بعد بقیہ وقت جائز طریقہ پر دوسرے کاموں میں صرف ہوتا ہے وہ سب بھی عبادات ہی کے حکم میں اور موجب اجر و ثواب ہے صرف اتنی ضرورت ہے کہ ہم اپنی نیت صحیح کر لیں وہ اس طرح کہ یہ سوچ کر وہ سب کام کریں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طاعات کے ساتھ ان سب دنیوی کاموں کی بھی اجازت دی ہے اور ہم جتنے کام کر رہے ہیں وہ سب خدا اور سول کی اطاعت ہی کا ایک جزو ہیں مثلاً کسب معاش کے تمام جائز ذرائع اختیار کرنا دولت زیادہ سے زیادہ کمانا بشرطیکہ اس دولت کے شرعی حقوق ادا ہوں اور طاعات و عبادات پر اس کا کوئی برا اثر نہ پڑے دنیوی علوم و صنائع کی تحصیل بشرطیکہ ان سے عقائد حقہ و اعمال شرعیہ پر اثر نہ پڑے گھرباہر کے کام کاج میں وقت صرف کرنا غرض تمام امور مباح میں وقت صرف کرنا اگر یہ سمجھ کر ہو کہ شریعت نے بشرط عدم ضرورت اپنی ان کی اجازت دی ہے اور جن کاموں سے کوئی دین یا دنیا کا فائدہ دوسروں کو پہنچ سکتا ہو وہ تو مزید اجر و ثواب کا باعث ہیں اسی طرح اپنے کنبہ قبیلہ اعزہ اقرباء اور عام مسلمانوں بلکہ عام انسانوں کی مالی و غیر مالی سرپرستی و امداد تو دین اسلام ہی کا ایک جزو ہے اور علوم نبوت کی تحصیل و اشتغال بالعلم تبلیغ دین امر معروف نہی منکر جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ تو دین کے بڑے ستون ہیں اس طرح اگر سوچ سمجھ کر اور نیت کی تہیج کے ساتھ ہم پوری زندگی گزاریں تو اس کا ہر لمحہ عبادت ہے لہذا اس کو کم سمجھنا مناسب نہیں۔ وَلَقَدْ نَادَانَا وَا الْمُسْلِمِينَ جَمِيعًا لِّمَا يَحِبُّ وَيَرْضَى۔

بحث و نظر: (۱) امام بخاریؒ نے یہاں ارشاد نبویؐ انا اعلمکم باللہ پر باب باندھا جو بظاہر کتاب العلم کے مناسب تھا، یہاں کتاب

الایمان میں اس کو کیوں لائے؟ ہمارے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ وجہ بیان فرمائی کہ علم و معرفت و یقین کا اطلاق احوال پر بھی ہوتا ہے اور علوم نبوت جس وقت انسان کے تمام جوارح پر چھا جاتے ہیں تو وہی بعینہ ایمان کی شان ہے جس کو حدیث میں بھی فرمایا گیا ہے من مات و هو یعلم ان لا اله الا الله الخ یہاں و هو یومن باللہ نہیں فرمایا حالانکہ مراد وہی ہے اسی طرح آیت انما یخشى الله من عباده العلماء میں بھی علما سے مراد وہ حضرات ہیں جن کے قلوب میں علوم نبوت راسخ ہو جاتے ہیں۔ اور ان علوم کی بشارت سے ایک قسم کا نورِ طاووت و انبساط ان کو حاصل ہو جاتا ہے اور وہی ایمان کا نور ہے جس کی زیادتی ایمان کی زیادتی اور کی ایمان کی کمی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ امام بخاری کا استدلال بطور ”الحاق نظیر بالظہیر“ یعنی جس طرح علم میں مراتب ہیں اسی طرح ایمان میں بھی ہیں کیونکہ علم سبب ایمان ہے۔ پس جب کہ سبب میں تشکیک ثابت ہے سبب یعنی ایمان میں بھی ثابت ہوئی۔

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے امام بخاری کا مقصد معتزلہ کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ خدا کی معرفت اول واجبات ہے اس کے بعد ایمان ہے امام بخاری نے بتلایا کہ معرفت فعل قلب ہے لہذا وہی ایمان ہے اور وہی واجب اول بھی ہے پس معرفت کوئی دوسری چیز علاوہ ایمان کے نہیں ہے جس کو واجب اول اور اس کے بعد ایمان کو دوسرا واجب قرار دیں۔

(۲) عنوان باب کا دوسرا جزو یہ ہے کہ معرفت فعل قلب ہے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہاں معرفت سے اضطراری معرفت تو ہو نہیں سکتی جیسی یعرفونہ کما یعرفون انباءہم میں ہے اول تو اس پر لغوی اعتبار سے فعل کا اطلاق ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ فعل کا اطلاق صرف اختیاری امر پر ہوتا ہے دوسرے اس کا ایمان سے تعلق بھی نہیں لہذا معرفت سے مراد وہی اختیاری معرفت ہوگی جو دل میں جاگزیں اور جوارح پر مسلط ہو جاتی ہے وہ کسی ہے اور یقیناً فعل قلب بھی ہے اور وہ عین ایمان بھی ہے امام بخاری کی یہ مراد اور بھی واضح ہو جاتی ہے اگر وہ معرفت کی جگہ یہاں ایمان کو فعل قلب کہتے مگر وہ عبارتی تفسیر کے عادی ہیں اس لیے اس طرح ادا کیا۔

## امام اعظمؒ سے تعصب

حضرت شاہ صاحبؒ نے اس موقع پر فرمایا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے بھی احواء العلوم وغیرہ میں نقل ہوا ہے کہ ایمان معرفت ہے اور امام صاحب کی مراد یہی معرفت ہے جس کی ہم نے اوپر شرح کی۔ اور امام بخاری کی مراد بتلائی اور امام احمد سے بھی یہی تعبیر منقول ہے مگر عجیب بات ہے کہ جب یہی بات امام احمد سے نقل ہوئی تو کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا۔ اور امام صاحب سے نقل ہوئی تو انکار و اعتراض کا رخ اختیار کیا گیا بقول عربی شاعر۔

اصم عن الشيء الذي لا اریده واسمع خلق الله حين اریده

جس بات کو میں سننا نہیں چاہتا اس کو سننے سے سب سے زیادہ بہرا ہو جاتا ہوں۔ اور جس کو سننا چاہتا ہوں اس کو ساری مخلوق سے زیادہ سننے والا ہو جاتا ہوں۔

(۳) امام بخاریؒ نے یہاں معرفت کے فعل قلب ہونے پر آیت ولكن يؤخذكم بما كسبت قلوبكم سے استشہاد کیا اس پر کسی نے اعتراض کیا کہ آیت مذکورہ تو یقین و خلف کے بارے میں ہے نہ کہ ایمان کے بارے میں لیکن ایسا اعتراض امام بخاریؒ کے استدلال طریقوں سے ناواقفیت کے باعث ہو سکتا ہے امام نے محض اس امر سے استدلال کر لیا کہ جس طرح کسب فعل قلب ہے معرفت بھی قلب کا فعل اور اس کا مکتوب ہے۔

(۴) ”امرهم بما يطيقون“ پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہی طریقہ تمام انبیاء علیہم السلام کا رہا ہے کہ اپنی جانوں پر تو سختی جھیلتے ہیں اعمال شاذہ اختیار کرتے ہیں اور دوسروں کے لئے سہولتوں آسانوں کے راستے نکالتے ہیں۔ عزیز علیہ ماعتنم حریص

علیکم بالمومنین رؤف وحیم ارشاد باری ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہارا کسی مشقت میں پڑنا نہایت ہی شاق ہے وہ تمہاری فلاح و بہبود پر نہایت حریص ہیں اور مومنوں کے لئے تو بہت ہی شفقت اور رحمت مجسم ہیں۔

(۵) ”یا رسول اللہ“! پر حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب کے موقعہ پر صلوٰۃ و سلام کے الفاظ ادا کرنے کا ثبوت نہیں ملا اس لئے..... اس کی قرأت میں بھی ان کا اتباع مناسب ہے۔

(۶) ”وقد غفر لک اللہ ماتقدم“ یہ اشارہ ہے آیت قرآنی ”لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتأخرو“ کی طرف جس میں فرمایا گیا کہ ہم نے آپ کو فتح مبین دی تاکہ آپ کی سب اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دیں کیونکہ فتح سے قبل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے بڑے بڑے مصائب و آلام برداشت کئے اور بہت سے محرکہ ہائے جہاد میں عظیم خطرات و مہالک سے دوچار ہوئے تھے اس کے بعد یہ بحث ہوئی کہ لیغفر میں لام کیسا ہے۔ اشاعرہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال معلل بالاغراض نہیں ہوتے لہذا یہ لام عاقبت ہے صاحب روح المعانی نے علامہ ابن قیم سے نقل کیا کہ ”سلف ان کو معلل بالاغراض مانتے تھے اور حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال مصالح و حکم کے ساتھ معلل ہیں یہ بات ظاہر ہے اور نصوص اس پر شاہد ہیں تاہم اس کو اتنا عام سمجھنا کہ کوئی فعل بھی اس کے افعال میں سے غرض سے خالی نہ ہو محل بحث ہے۔

اصنہانی نے شرح الطوالع میں لکھا کہ اس مسئلہ میں معتزلہ اور اکثر فقہاء کا اختلاف ہے اور میں اسی کا قائل ہوں جو سلف کا مسلک ہے کیونکہ دس ہزار سے زیادہ آیات و احادیث میں تعلیل کی صورت موجود ہے اور سب میں تاویل کرتے جانا انصاف سے بعید ہے۔ (روح المعانی صفحہ ۶۸۹/۲) دوسری بحث یہ ہے کہ انبیاء سے گناہ مرزد ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ یہ بحث نہایت اہم ہے اور پہلے سے ہمارا ارادہ تھا کہ اس کو مکمل طریقہ پر بخاری کی ”کتاب الانبیاء“ میں لکھیں گے اور وہی اس کے لئے زیادہ بہتر موقعہ ہے مگر دیکھا کہ بعض شائع شدہ تقاریر درس بخاری میں اسی حدیث مذکور کے تحت یہ بحث آگئی ہے اس لئے خیال بدل گیا اور یہاں بھی کچھ ضروری اجزاء پیش کرنے کا ارادہ ہو گیا۔ واللہ المیسر و علیہ التکلان۔

## عصمت انبیاء علیہم السلام

خدا کی مخلوق میں سے خدا کے بعد سب سے بڑا مرتبہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کا ہے وہ دنیا کے لئے خدا کے نائب و خلیفہ ہیں وہ مخلوق و باخلاق اللہ کے سب سے بڑے نمونے اس کی اطاعت و عبودیت کے سب سے اونچے پیکر مجسم علوم و معرفت الہیہ کے سب سے زیادہ عالم و عارف خدا کی ذات و صفات کے ہمہ وقتی مشاہدہ و استحضار سے مستفید و مستغیر غرض جتنی خوبیاں جتنے اوصاف کمال خدا کی ذات والا صفات جل مجدہ کے سوا کسی مخلوق میں جمع ہو سکتے ہیں وہ انبیاء و مرسلین میں جمع ہوتے ہیں۔ اسی لئے کسی ایک نبی کے مرتبہ کمال علمی و عملی کو بھی خواہ وہ کسی درجہ کا بھی ہو۔ بڑے سے بڑا ملک مقرب بھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور اپنے اپنے دور کے ہر نبی کو..... بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کا مصداق کہا جاسکتا ہے اس کے بعد ان انبیاء میں بھی باہم فرق مراتب ہے خداوند تعالیٰ کی لائیاں بارگاہ کے مراتب قرب بھی بے نہایت ہیں۔

اے برادر بے نہایت در گہیست ہرچہ بروے می ری بروے مہیست

انبیاء مرسلین کی مثال چاند سورج کی ہے کہ لاکھوں چاند اور سورجوں کے کہکشاں

کہکشاں سے مراد ”علم فلکیات جدید“ میں ثوابت ستاروں کا عددہ کی شکل کا نظام ہوتا ہے جو زمین کے مرکز سے بہت دور واقع ہے یہ ہمارا کہکشاں ہے جس کا ایک جزو ہمارا نظام شمسی ہے اور اس کی موٹائی یا بلندی ۳۷ ہزار نوری سال ہے (یعنی ۳۲ ہزار کھرب میل) اور چوڑائی تین لاکھ نوری سال ہے۔ پھر ہمارے اس کہکشاں کے علاوہ بھی اور بہت سے کہکشاں ہیں جن میں سے بعض تک اب یورپ و امریکہ کی نو



ایجاد عظیم دور بینوں کے ذریعہ رسائی ہو رہی ہے مثلاً کہکشاں سیدیم اینڈ رومیدہ جو ہم سے آٹھ لاکھ ۵۰ ہزار نوری سال دور ہے (روشنی کی رفتار ایک لاکھ چھیالیس ہزار میل فی سیکنڈ ہے اس رفتار سے روشنی ایک سال یعنی ۳۶۵ دن میں جو فاصلہ طے کرتی ہے اسے نوری سال کہتے ہیں (LIGHTYEAR) نظام شمسی ہمارے کہکشاں کا نہایت حقیر جزو ہے اور اس نظام شمسی میں ہمارے سورج جیسے تقریباً ایک کھرب ثوابت و سیارے ہیں جبکہ ہمارے سورج کا قطر ۸ لاکھ ۶۶ ہزار میل کا ہے اور اس میں روشنی اس قدر ہے جس قدر ۵۵۶۳ موم بتیاں ایک مربع فٹ میں جلانے سے حاصل ہو سکتی ہے ستارے میں سے ہمارا آفتاب سب سے چھوٹا ستارہ ہے اور وہ زمین سے تقریباً نو کروڑ ۲۹ لاکھ میل دور ہے ہماری زمین نظام شمسی کا ایک نہایت حقیر جزو ہے کیونکہ زمین کا قطر خط استوا پر صرف ۷۹۲۷ میل کا ہے سورج سے ہماری زمین تک روشنی ۸ منٹ میں پہنچتی ہے جبکہ بعض ستارے ایسے بھی خدا کی مخلوق ہیں جن کی روشنی زمین تک دو ہزار برس میں پہنچتی ہے یعنی جو روشنی آج سے دو ہزار سال قبل چلی تھی وہ ہمیں اس وقت نظر آ رہی ہے اس سے خدا کی خدائی کی وسعت اس کی مخلوقات کی کثرت و عظمت اور خلاق عوالم کی بے نہایت جبروت و بڑائی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے یورپ و امریکہ کے سائنس دانوں نے یہاں تک تحقیق کی ہے کہ بعض ستارے ایسے بھی ہیں کہ جن کی روشنی زمین تک کئی کروڑ برس میں پہنچتی ہے اور ایک ستارے کی دریافت حال میں ہوئی ہے جس کا فاصلہ زمین سے آٹھ سو مہاسنگ میل دور ہے ایسی باتوں سے ہمارے بہت سے مسلمانوں کو حیرت ہوگی اور بہت سے محض ان کو خیال آرائی سمجھیں گے مگر سوچنے کی بات ہے کہ قرآن مجید میں چاند سورج ستاروں اور ملکوت السموات والارض اور کم از کم زمین کے خطوں میں ہی گھوم پھر کر اس کے عجائب و غرائب میں فکر و نظر دوڑا کر ب اللہ العزیز کے وجود وحدانیت کا یقین حاصل کرنے کا حکم بار بار کس کو ملتا تھا قرآن مجید ماننے والوں کو یا نہ ماننے والوں کو؟ اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا ہے

نی میں اور پرانی روشنی میں فرق اتنا ہے انہیں ساحل نہیں ملتا انہیں کشتی نہیں ملتی

اکبر مرحوم کا دور یورپ و امریکہ کے لوگوں کے لئے بحرانی دور تھا جس میں وہ اسلام اور مسلمانوں سے تعصب رکھتے تھے اور حقائق عالم سے حقیقۃ الحقائق تک رسائی ان کے لئے دشوار ہو گئی تھی مگر خدا کا شکر ہے کہ وہ دور جاہلیت ختم ہوا اور اب اس دور کا یو و امریکہ بہت کچھ اسلام سے قریب ہو چکا ہے ہزاروں سعید روحیں اسلام کے حلقہ بگوش ہو چکی ہیں اور بڑے پیمانہ پر بھی وہاں اسلام کی روشنی پھیل سکتی ہے کیونکہ سائنس کی جتنی ترقی آگے ہو رہی ہے ان لوگوں کے دلوں میں حقیقۃ الحقائق کی جستجو بھی بڑھ رہی ہے چنانچہ ایک جدید فلاسفر سائنسدان ”ایف آرمولٹن“ نے کہا:-

”کائنات کا حجم یا لامحدودیت انسان کے لئے اتنی زیادہ اہم نہیں بلکہ جس چیز سے انسان ششدر و حیران رہ جاتا ہے وہ کائنات کی مکمل باضا بطلگی ہے کہ کوئی گڑبڑ نہیں کوئی چیز خلاف توقع نہیں ہے۔“

یہ مکمل باضا بطلگی کو قائم رکھنے والی کون سی ذات ہے جس علم نبوت کی ذرا سی بھی رن مل جائے تو اس کی معرفت ہی تو ساحل مراد تک رسائی ہے اس کے سوا اور کیا ہے؟ دوسرے الفاظ میں یوں کہئے کہ کل اوٹ پہاڑ ہے ساحل کے قریب کھڑے ہیں مگر ابر و غبار کی وجہ سے اس کو دیکھ نہیں سکتے۔ یہ پردہ سامنے سے ہٹ جائے یا آنکھوں کی روشنی بڑھ جائے تو ساحل نے روشناسی حاصل ہو۔

افسوس کہ دوسرے لوگ دنیوی علوم کی ترقی کے راستہ سے علی وجہ البصیرت ساحل مراد کے قریب آ رہے ہیں اور ہم میں سے لاکھوں کروڑوں مسلمان ایسے ہوں گے جو اپنے گھر کی دولت علوم نبوت کے ذریعہ بھی صحیح معنی میں خدا کے وجود وحدانیت سے نا آشنا ملیں گے۔ ظاہر ہے کہ حقیقی اسلام کے بغیر کسی واکمی اسلام کی دعوی داری کی کیا حیثیت ہے؟ ایسے ہی حالات سے متاثر ہو کر حالی مرحوم نے کہا تھا ہے

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے . گر کر جو ہمارا نہ ابھرتا دیکھے

مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد . دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

ہمارے گرد فضاء محیط میں موجود ہیں ہر دور کے ہر خطہ کے نبی کی مثال اس وقت کے چاند یا سورج کی ہے جس کے انوار و برکات روحانی و معنوی سے ساری دنیا کو روشنی ملی اور وہ تمام چاند و سورج اب بھی اپنی اسی آب و تاب کے ساتھ روشن ہیں مگر ہماری ارواح کو ان مادی اجسام میں مقید ہونے کی وجہ سے ان کا ادراک نہیں ہو سکتا حضرت نبی الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی دنیا میں شب معراج بہت سے انبیاء و مرسلین علیہم السلام سے ملاقات کی اور مسجد اقصیٰ میں سب نے آپ کے پیچھے مقتدی بن کر نماز جماعت ادا فرمائی۔

وہ سارے انبیاء شمس ہدایت تھے اور سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ان کے شمس اعظم تھے۔ آپ تمام علوم و کمالات انبیاء علیہم السلام کے جامع تھے حق تعالیٰ جل ذکرہ کی بارگاہ میں جو قرب و منزلت آپ کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو حاصل نہیں ہوئی ہے۔

اے ختم رسل مرتبہات معلوم شد دیر آمدہ زراہ دور آمدہ!

انبیاء علیہم السلام کے خصائص و فضائل بے شمار ہیں مگر نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص و فضائل کی شان سب سے بلند ہے آپ کے خصائص پر مستقل کتابیں لکھی گئیں جن میں سے امام سیوطی کی ”خصائص کبریٰ“ بہت مشہور و مستوعب ہے۔

افسوس ہے کہ اردو میں خصائص پر بہت کم مواد ملتا ہے حالانکہ ان سے نبی و رسول کی عظمت کا سکھ دلوں پر نقش ہوتا ہے کتاب الانبیاء میں ہم بھی خصائص نبوت اور بالخصوص خصائص نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تشریح و تفصیل کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہم یہاں صرف ایک خصوصیت کا ذکر کریں گے جس کے باعث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سب انبیاء علیہم السلام سے ممتاز ہیں اور وہ آپ کی سب اگلی پچھلی لغزشوں کی مغفرت کا اعلان ہے کیونکہ یوں لغزشیں تو تمام ہی انبیاء کی حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے بخش دی جاتی ہیں مگر اس طرح کھول کر اعلان صرف آپ ہی کے لئے ہوا ہے جس کی بڑی حکمت میدان حشر میں ظاہر ہوگی سارے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام امتوں کی شفاعت سے عذر کریں گے اور اپنی لغزشوں کو یاد کریں گے پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور درخواست شفاعت کریں گے تو آپ کسی لغزش کا ذکر نہیں کریں گے بلکہ انا لھا انا لھا فرمائیں گے یعنی میں تم سب کے لئے بارگاہ رب العزت میں شفاعت کرنے کے لئے تیار ہوں جس ذات اقدس کی ساری عمر امت کی خیر خواہی و غم خواری میں گزری تھی وہ میدان حشر میں اپنی اور اپنے سب بھائیوں کی امتوں کی اس ہولناک دن کی پریشانیوں پر خود ہی کس قدر بے چین ہوگا اور جنوں ہی ان سب کی خدمت کا ایک اور زریں موقع وہاں ہاتھ آیا کیسی جی داری سے ان کی سب کی دلداری انا لھا انا لھا کی تکرار سے فرمائیں گے گویا و ما را مسلناک الا رحمۃ للعالمین کا دنیوی زندگی کے ثبوت کے بعد دوسرا ثبوت آخرت میں اس شان کے ساتھ ہوگا

یارب تو کریمی و رسول تو کریم مدد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

## انبیاء کی سیرت صفات ملکات

عصمت انبیاء علیہم السلام کے بیان سے پہلے مناسب ہے کہ ان کے چند اہم خصوصی ملکات و احوال کا ذکر کر دیا جائے تاکہ ان کا تعارف زیادہ بہتر طریقہ پر ہو کر ان کے ساتھ تعلق عظمت و محبت میں بھی اضافہ ہو اور وجہ عصمت بھی زیادہ خوبی سے ذہن نشین ہوں۔

(۱) انبیاء علیہم السلام کی تربیت و تعلیم کا اہتمام اول سے آخر تک براہ راست اللہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کے تحت ہوتا ہے اس لیے ان کے تمام احوال زندگی دوسرے لوگوں کے احوال سے مختلف ہوتے ہیں ان کی طفولیت شباب کھولت شیعخت کے اطوار بھی سب سے جدا ہوتے ہیں ان کے ملکات بھی دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں اللہ یحببتی الیہ من یشاء و یہدی الیہ من ینیب (حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے مجتبیٰ و مصطفیٰ تو ان کو کرتے ہیں جن کو چاہیں اور اپنی ہدایت کا راستہ ہر اس شخص کو دکھا دیتے ہیں جو اس کی طرف رجوع و انابت

کرے) معلوم ہوا کہ پیغمبرانہ شان عطا ہونے کی شرط اور ہے اور ہدایت کی شرط الگ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت کے لیے کون سا ظرف موزوں ہے) معلوم ہوا کہ عطا نبوت خاص ملکات موہوبہ پر موقوف ہے۔

(۲) بار نبوت اٹھانے سے قبل ہی ان کے قلوب اس قدر حرکی و مصطفیٰ ہو جاتے ہیں کہ ان کے خواب و بیداری کے حالات یکساں ہو جاتے ہیں وہ اپنے نور باطن سے سامنے اور پیچھے کی چیزوں کو یکساں دیکھتے ہیں پست و بلند آواز کو یکساں سننے لگتے ہیں وہ ساری خلق کو خدا کا کنبہ سمجھتے اور دوست و دشمن بد خواہ و خیر خواہ کے ساتھ یکساں سلوک کرتے ہیں ان کی معصومانہ فطرت و فرشتگی پر فرشتوں کو رشک ہوتا ہے خلاصہ یہ کہ وہ بشر صورت مگر فرشتہ سیرت ہوتے ہیں۔

(۳) خلعت نبوت سے سرفراز ہو کر انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں کے لیے اسوہ حسنہ اور تمثالی نمونہ ہوتے ہیں ان کا ہر قول و فعل دعوت اتباع ہے کیونکہ ان کی تمام حرکات و سکنات مرضیات الہیہ کی آئینہ دار ہیں۔

وما یطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحیٰ ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنہ

(۴) انبیاء علیہم السلام کے نفوس پیدائشی و خلقی طور پر مطمئنہ ہوتے ہیں دوسرے انسانوں کی طرح نفوس امارہ نہیں ہوتے یعنی ان کے نفوس فطرۃ ہر معصیت و برائی سے متفر ہوتے ہیں اسی طرح دوسرا اور بیرونی دشمن انسان کا شیطان ہے وہ بھی انبیاء علیہم السلام کے اعلیٰ تقدس و تقویٰ کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شیطان میرا مطیع و متقاد ہو گیا ہے۔ اور فرمایا کہ شیطان میری صورت اختیار نہیں کر سکتا اس لیے جس نے مجھے دیکھا اس نے مجھے ہی دیکھا۔ بلکہ خیر الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں خیر الائم کے بھی بہت سے افراد کو اس قسم کے مناقب عالیہ عطا ہو گئے ہیں چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ شیطان تم سے ڈرتا ہے ایک دفعہ فرمایا کہ اے عمر! جس راستہ پر تم چلتے ہو اس پر شیطان نہیں چل سکتا ایک بار فرمایا کہ میں نے دیکھا جن وانس کے شیاطین سب ہی عمر سے ڈر کر دور بھاگ گئے ہیں۔ (جمع الفوائد صفحہ ۶۲۰ ج ۶)

(۵) انبیاء علیہم السلام کی بے نظیر قوت علم و عمل کے پورے پورے اثرات ان کے شرف محبت سے مستفیدین پر پڑتے ہیں اور وہ سب اپنے وقت کے نبی مرسل کے تمثالی نمونے بن جاتے ہیں چنانچہ نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی شان ان کے حالات و مناقب سے سب کو معلوم ہے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے اصحاب کی مثال ستاروں کی سی ہے جس سے بھی تم چاہو گے ہدایت حاصل کر لو گے وہ سب عدول تھے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک نہایت ہی ممتاز خصوصیت یہ بھی ہے کہ آپ نے اتنی بڑی تعداد میں جو ایک لاکھ چوبیس ہزار تک منقول ہے اپنے صحیح جانشین چھوڑے اور وہ سب ہی حق و ہدایت کے یثار تھے بعض حضرات نے چند صحابہ کے کبار معاصی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یہ رائے قائم کی کہ ”صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق نہیں ہیں“ یہ رائے ہمارے نزدیک حق صواب سے ہٹی ہوئی ہے اگر لکھو اے حدیث صحیح صحابہ کرام مثل نجوم اور سب کے سب عدول تھے تو پھر ان کو معیار حق نہ سمجھنا کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ ہاں! یہ تعبیر درست ہو سکتی ہے کہ معیار حق کا اولین درجہ قرآن و حدیث ہے اس کے بعد صحابہ کرام بھی ضروری و بدیہی طور پر معیار حق ہیں۔

ہم نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ آثار صحابہ کی حجت سے قطع نظر کا معاملہ تیسری صدی سے شروع ہوا اور یہی بات ترقی کر کے اس حد پر پہنچ گئی کہ اس زمانے کے بعض لوگوں نے برملا کہنا شروع کر دیا کہ صحابہ معیار حق ہی نہیں ہیں علاوہ اس کے کہ یہ بات خلاف تحقیق ہے اس کے مضراثرات نہایت دور رس ہوں گے۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی فیض کے بے مثال گہرے اثرات کا انکار کون کر سکتا ہے ان کے حالات پڑھ کر اسی طرح ایمان تازہ ہوتا ہے جس طرح انبیاء علیہم السلام کے حالات پڑھ کر ہوتا ہے ہمارے کاربر اساتذہ و یوبند تو فرمایا کرتے تھے کہ مشاجرات صحابہ کے صحیح حالات پڑھنے سے بھی ایمان تازہ ہوتا ہے کیونکہ ہر معاملہ میں ان کی نیک نیتی بے نفسی و خدمت دین کی جذبہ کار فرما نظر آتا ہے۔ جن چند صحابہ سے بہ تقاضائے بشریت کسی معصیت کا صدور ہوا ہے ان کی بے مثال عداوت و توبہ کی صورت حال کا کچھ ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ ایک شخص کی توبہ پوری ایک امت پر تقسیم ہو سکتی ہے ہمارے نزدیک تو ایسے صحابی یا صحابیہ کی زندگی بھی معیار حق و صداقت بن سکتی ہے پھر دوسرے کاربر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تو کہنا ہی کیا؟

کچھ اسی طرح کی تقریظ ائمہ مجتہدین متبوعین اور حضرات مجددین امت رحمہم اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی ہوئی ہے کہ ان کے کچھ نقائص واقعی یا غیر واقعی پر نظر کر کے ان کے مراتب عالیہ کو گھٹا کر دکھایا گیا اس قسم کی تحقیقات پر تنقیدی نظر ہم کچھ مقدمہ انوار الباری میں کر چکے ہیں اور کسی آئندہ فرصت میں بھی کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

انبیاء علیہم السلام کے جلیل القدر ملکات و اوصاف کی طرف چند اشارات پیش کرنے کے بعد مناسب ہے کہ وجوہ عصمت پر کچھ روشنی ڈالی جائے پہلے مسئلہ عصمت کے بارے میں اکابر امت کے نظریات معلوم کر لیجئے۔

### عصمت انبیاء کے متعلق مختلف نظریات اور حقیقت عصمت

عقیدہ سفارینی میں حافظ امین الدین عراقی سے نقل ہے کہ نبی بعد النبوة عمداً گناہ کرنے سے بالا جماع معصوم ہوتا ہے اور بطور سہو وقوع صغیرہ میں اختلاف ہے استاذ ابواسحاق اسرہائی اور قاضی عیاض مانعین جواز میں ہیں شیخ تقی الدین سبکی کا شمار مجوزین میں ہے اور حافظ عراقی کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔

علامہ تفتازانی نے لکھا کہ انبیاء علیہم السلام کے تمام ذنوب سے معصوم ہونے کے مسئلہ میں تفصیل ہے کفر و شرک سے تو بالا جماع معصوم ہیں قبل نبوت بھی اور بعد نبوت بھی اور حشو یہ کو چھوڑ کر جمہور امت کے نزدیک اسی طرح قبل و بعد نبوت تہمید کہاؤں سے بھی معصوم ہیں البتہ سہو کو اکثر نے جائز رکھا ہے صغائر کا صدور عمداً جمہور کے نزدیک اور سہو بالا اتفاق جائز ہے بجز ان باتوں کے جو اخلاقی گراؤں سے تعلق رکھتی ہیں (کیونکہ نبی کا وصف خلق عظیم ہے)

اس کے علاوہ عام اشاعرہ کا مسلک جواز وقوع صغائر سہو و عمداً قبل نبوت و بعد نبوت ہے اور عام ماترید یہ اس کی بالکل نفی کرتے ہیں ہمارے فقہاء حنفیہ بھی انبیاء علیہم السلام کی عصمت مطلقہ کے قائل ہیں۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عصمت حق تعالیٰ کا وہ خصوصی فضل و انعام ہے جس سے انبیاء علیہم السلام ہر آن و ہر لمحہ حق تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے مستعد رہتے ہیں اور کسی وقت بھی ادنیٰ تا فرمانی کا دھیان و خیال تک نہیں لاتے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان سے معصیت کا اختیار فرشتوں کی طرح سلب کر لیا جاتا ہے بلکہ اختیار و قدرت بدستور اور انسانوں کی طرح باقی ہوتے ہوئے بھی تا فرمانی کا ہر داعیہ ان کے دوائی خیر کے تحت ایسا دبا مٹا ہوا ہو جاتا ہے کہ اس کے ابھرنے کا امکان وقوع باقی نہیں رہتا واللہ اعلم۔

حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ نے ”منصب امامت“ میں عصمت کی تشریح اس طرح فرمائی:-

انبیاء علیہم السلام کی عصمت یہ ہے کہ ”حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے ان کے اقوال افعال عبادات عادات معاملات مقامات اخلاق و احوال کو نفس امارہ اور شیطان رجیم کی دخل اندازی اور خطا و نسیان سے محفوظ کر دیتا ہے اور مگرانی و حفاظت کرنے والے فرشتے ان پر مسلط فرما

دیتا ہے تاکہ بشریت کا غبار بھی ان کے دامن پاک تک نہ پہنچ سکے۔ اس کے بعد وجوہ و اسباب عصمت نمبر وار لکھے جاتے ہیں۔

### وجوہ و اسباب عصمت

(۱) عصمت کے ظاہری اسباب چار ہیں اور چونکہ یہ سب انبیاء علیہم السلام میں بکل معنی الکرہ موجود ہوتے ہیں اس لیے ان کی عصمت بھی یقینی ہے (۱) شر کے عواقب و نتائج کا ذاتی علم جو انبیاء کو اپنی عقل کامل کے ذریعہ ہوتا ہے (۲) وحی الہی سے اس علم و یقین میں مزید اضافہ (۳) تعلق مع اللہ اور تقرب خاص کے سبب نسیان و ترک اولیٰ پر بھی "اندیشہ مواخذہ" (۴) عدالت و تقاہت جو برائیوں سے بچاتی ہے۔ (۲) دیگر صفات کے علاوہ انبیاء علیہم السلام کی ایک بڑی صفت دائمی حضور مع اللہ کی ہے جو عصمت کے لیے بہت بڑا سبب و وسیلہ بن جاتی ہے۔ (۳) انبیاء علیہم السلام کو اپنی عصمت کا خود بھی پورا یقین ہوتا ہے اور کسی حکم رسول کی بجا آوری میں اگر امتی کی طرف سے کوئی تسامح پایا گیا ہے تو اس پر خدا اور رسول کی طرف سے تنبیہ کی گئی ہے مثلاً ایک تو اسی حدیث زیر بحث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غضب و غصہ کا اظہار معلوم ہو چکا ہے اور اسی نوع کی دوسری حدیث کا بھی ذکر ہم کر چکے ہیں تیسری حدیث بخاری کی باب الا اعتصام بالسنة میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عمل میں رخصت کا پہلو اختیار فرمایا جس پر عمل کرنے کو بعض لوگوں نے پسند نہ کیا حضور کو اطلاع ہوئی تو آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔

لوگوں کا عجیب حال ہے کہ جس عمل کو میں نے اختیار کیا اس سے احتراز کرتے ہیں واللہ! میں ان سے زیادہ خدا کا علم رکھتا ہوں اور سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوں۔

چوتھی حدیث بھی بخاری میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے ایک دوسرے صحابی کا جھگڑا باغ میں آپاشی پر ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نوبت پہنچی تو آپ نے حالات سن کر فیصلہ فرمایا کہ پہلے زبیر آپاشی کر لیں پھر اپنے انصاری پڑوسی مذکور کے باغ میں پانی جانے دیں۔ انصاری نے کہا کہ آپ نے ایسا فیصلہ اس لیے کیا کہ زبیر آپ کے بھو بھی زاد بھائی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات سے رنج و ملال ہوا۔ کیونکہ آپ کا فیصلہ حق کا فیصلہ تھا اس کو قبول نہ کرنا یا رسول کے فیصلہ کو دنیوی مصالح و تعلقات پر محمول کرنا اسلامی شان کے خلاف ہے حضرت زبیر کا بیان ہے کہ اسی معاملہ میں یہ آیت نازل ہوئی اَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمَوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمُ الْاٰیَةُ (پس نہیں اور قسم ہے تیرے رب کی نہیں مومن ہوں گے وہ لوگ تا آنکہ اپنے تمام نزاعی امور میں آپ کو حتمی طور پر حکم نہ مانیں اور وہ بھی اس شان سے کہ آپ کے فیصلہ سے اپنے دلوں میں بھی کسی قسم کی تنگی و گرائی محسوس نہ کریں اور اس پوری پوری طرح تسلیم کر لیں)

درحقیقت یہی ایمان والوں کی شان ہے کہ وہ نبی کے مرتبہ کو صحیح طور سے سمجھتے ہیں اس کی پوری زندگی اور ہر قول و فعل کو اپنے لیے اسوہ اور عملی نمونہ جانتے ہیں جن چیزوں کا بھی حکم بارگاہ رسالت سے ملتا ہے اس پر بے چون و چرا عمل کرتے ہیں اور جن چیزوں سے روک دیا اس کے پاس نہیں پہنچتے اسی لیے سنت رسول کا اتباع اور امور بدعت سے قطعی اجتناب ایک مومن کی زندگی کا اہم ترین نصب العین ہے۔

جس حدیث کی اس وقت ہم نے تفصیل کی اس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور ایک انصاری کے جھگڑے کا ذکر ہے جو بدری صحابی تھے کوئی معمولی صحابی بھی نہیں مگر نزول قرآن مجید کا دور تھا رفتہ رفتہ دین مکمل ہو رہا تھا اس لیے بڑے بڑے صحابہ سے بھی لغزشیں ہوئی تھیں اور خدا اور رسول خدا ان کی اصلاح فرماتے تھے اور ان سب احوال و واقعات سے ہمیشہ کے لیے امت محمدیہ کو روشنی ملتی رہے گی اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے مکمل نزول اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی سامنے آنے کے بعد صحابہ کرام کی علمی و عملی زندگی مکمل ہو گئی تھی اور جس

طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ زندگی میں مرضیات الہیہ اور مخلوق باخلاق اللہ کا کامل و مکمل مرقع پیش ہو گیا تھا اس مرقع کا فوٹو آفسٹ ہو کر ہر صحابی رسول کی لوح قلب پر اس کی کاپی چھپ گئی تھی فوٹو آفسٹ کی مثال ہم نے وضاحت کے لیے اور اس خیال سے دی ہے کہ فوٹو میں غلطی کا امکان نہیں رہتا اور شاید اسی لیے پورے وثوق کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”اصحابی کما لنجوم بالہم اقتلہم اھتدیتہم“ کیونکہ ان پر آپ کے اعمال زندگی کی چھاپ پوری اور صحیح طور سے پڑھ چکی تھی صحابہ کے بعد کے دور میں نقل و روایت شروع ہوئی جس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے اسی لیے تابعین و من بعدہم کے لیے کوئی ایسی توثیق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے صادر نہیں ہوئی البتہ اتنا فرمایا: ”خیر القرون قرنی ثم الذین یلوئہم ثم الذین یلوئہم“ اور یہ توثیق صرف خیریت کی ہے۔ کمالاً تکملی۔

## صحابہ معیار حق ہیں

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر ہم صحابہ کرام کو بھی معیار حق نہیں مانیں گے تو دین اسلام کے ایک نہایت شائد اور دور کوتا ایک سمجھ لیں گے اور جو کمزوری تابعین اور ان کے بعد آئی اس کو بہت پہلے سے مان کر دین کے بیشتر اجزاء کو جو صحابہ کے قادی و آثار وغیرہ پر موقوف ہیں کمزور کر دیں گے غالباً اتنی صراحت کافی ہے لیکن ضرورت ہوئی تو ہم اس سے زیادہ مکمل کر بھی کچھ عرض کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ وہو المستعان۔

## ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک شبہ یہ ہو سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے بعض لغزشیں ہوئی ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے اور ان کا اعتراف خود انبیاء علیہم السلام سے بھی ثابت ہے اور احادیث شفاعت میں بھی حشر کے روز ہر نبی کا اپنی کسی لغزش وغیرہ کے سبب شفاعت سے اعتذار ثابت ہے اس کے چند جوابات ہیں وہ بھی ذہن نشین کر لیجئے۔

(۱) انبیاء علیہم السلام کی جن لغزشوں کا ذکر قرآن مجید میں کیا گیا ہے وہ ان کی پوری زندگی کے ہزار ہا نیک اعمال میں سے صرف ایک دو عمل ہیں جن کی عدم اہمیت ظاہر ہے۔

(۲) وہ لغزشیں بھی کفر و شرک یا گناہ کبیرہ کی قسم سے نہیں ہیں۔

(۳) اکثر لغزشوں کا تعلق خطا و نسیان سے ہے جن کا مواخذہ امت سے بھی نہ ہوگا۔

(۴) انبیاء علیہم السلام پر عتاب ہے اس لئے ہوا کہ حسنات الابراہیم منبتات المقربین پھر جن کے دے جے ہیں سواں کے سوا مشکل ہے۔

نیز اس لئے کہ امت کے کان اچھی طرح کھول دیئے جائیں کہ خدا کی بارگاہ علیل میں رعایت بڑے سے بڑے کی بھی نہیں کہ رسولوں سے اوپر تو کسی کا مرتبہ ہو ہی نہیں سکتا مگر وہ بھی خدا کی مخلوق اور بندے ہیں باوجود مراتب عالیہ اور اعلیٰ ترین تقرب بارگاہ رب العزت کے ان کی لغزشوں پر بھی گرفت ہو سکتی ہے اور یہ بھی نہیں کہ اگر ان کی لاکھوں لاکھ نیکیاں ہیں تو ایک دو لغزشوں پر نظر نہ ہو یوں شان رحمت سے جب غیر نوازے جائیں گے تو اپنے کیسے محروم ہو سکتے ہیں۔

غرض ان لغزشوں کا ذکر اور بعض جگہ زیادہ تند و تیز لہجہ میں بھی صرف اپنی شان جلال و جبروت کا اظہار ہے اسی لئے ایک ایک ہی لغزش کو کہیں سخت گرفت میں لیا ہے اور دوسری جگہ اس کو شان رحمت کے انداز سے دکھلایا ہے اس کی مثال حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش میں ملتی ہے ایک جگہ ”فعمی ادم ربہ فغوی“ سے ادا فرمایا اور دوسری جگہ ”ففسی ولم نجد له عذراً“ فرمایا اور بات صرف اتنی تھی کہ آدم و ذریت آدم کو اپنے علم تقدیری کے اعتبار سے جنت میں ہمیشہ کے لئے اس وقت رکھا ہی نہیں گیا تھا بلکہ دنیا میں بھیج کر ایک معین مدت تک کے لئے آباد کرنا اور اعمال (اور مردواہی) کا مکلف کرنا تھا پھر سب کو آخرت میں اپنے اپنے اعمال کے موافق صحیح طور سے مستحق جنت و جہنم



بنانا تھا غرض ایک عبوری دور کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کو داخل جنت کیا اور بطور نبی شفقت ایک خاص درخت کے پھل کھانے سے روک دیا شیطان نے اسی کے کھانے پر طرح طرح سے آمادہ کیا اور خدائے برتر کی قسمیں تک کھائیں کہ اس درخت کے پھل کھا کر تم فرشتے بن جاؤ گے (جس سے خدا کا تقرب اور بڑھ جائے گا یا تم ہمیشہ جنت میں رہو گے) نکالے نہ جاؤ گے (نکالے نہ جاؤ گے) سنتے سنتے آدم علیہ السلام کا اشتیاق ادھر بڑھا اور سوچا کہ نبی تشریع تو ہے نہیں نبی شفقت ہے کچھ زیادہ نقصان اور وہ بھی شرعی ضرر تو ہوگا نہیں اور ممکن ہے وہ مبینہ فائدہ حاصل ہو جائیں شیطان کی باتوں سے دھوکہ کھا گئے اپنے منصب رفیع کو بھول گئے کہ نبی کو خدا کے معمولی سے احکام کی بھی زیادہ سے زیادہ رعایت کرنی چاہئے اور اس کے کسی امر و نہی کے مقابلہ میں کسی عقلی مصلحت و فائدہ پر دھیان نہ دینا چاہئے تاہم یہ صرف ایک بھول تھی اور اس کے ساتھ عزم بھی نہ تھا کہ خدا کے حکم کو جان بوجھ کر سوچ سمجھ کر نظر انداز کیا ہو جو نبی تشریح کی صورت میں ہو سکتا تھا نبی شفقت میں صرف اتنا ہوتا ہے کہ اس کے خلاف سے اپنا ذاتی کوئی ضرر ہو سکتا ہے۔ آدم علیہ السلام نے اس کے مقابلہ میں نفع کثیر کا خیال باندھ لیا یہ کیا خبر تھی کہ اس نبی شفقت پر عمل نہ کرنے کے اثرات اتنے زیادہ اور دیر پا ہوں گے کہ ذریت آدم کو جنت کی نعمتوں سے محروم ہو کر ہزاروں ہزار سال بطور ابتلائی دور کے گزارنے پڑیں گے اس لغزش پر حضرت آدم علیہ السلام کو جس قدر عداوت ہوئی۔

اور برسہا برس تک اس سے توبہ و استغفار فرماتے رہے وہ ان کی پیغمبرانہ علوشان کا مظاہرہ تھا جو احکام الہامی کی اعلیٰ و ارفع ذات کی نبی شفقت کی عدم رعایت کا لازمی نتیجہ تھا ورنہ فی نفسہ اس کی حیثیت ایک لغزش یا نسیان سے زیادہ نہ تھی اس لئے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جد بزرگوار حضرت آدم علیہ السلام کو الزام دینا چاہا کہ آپ کی لغزش کے باعث آپ کی ساری ذریت ایک طول طویل ابتلا کی دلدل میں پھنس گئی تو دادا جان (ارواحِ فدا) نے کیسا کھرا جواب دیا کہ تم مجھے ایسی بات پر ملامت کرنے لگے ہو جو تقدیر الہی میں میری پیدائش سے بھی ہزاروں سال پہلے لکھی ہوئی تھی سرورِ دو عالم محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان فرما کر ارشاد فرمایا کہ دادا جان علیہ السلام کی حجت بھائی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں قوی تھی اس لئے وہ غالب رہے اور بھائی جان کو لا جواب ہونا پڑا۔

## شرک فی التسمیہ والی لغزش بے بنیاد ہے

اس لغزش کے علاوہ جو بات شرک فی التسمیہ والی حضرت آدم علیہ السلام کی طرف منسوب کی گئی وہ قطعاً غلط ہے اور جو حدیث ترمذی میں روایت کی گئی وہ حسب تصریح حافظ ابن اثیر و شیخ التفسیر علامہ آلوسی صاحب روح المعانی وغیرہ اسرائیلیات سے ہے اور اسرائیلیات میں سے بلکہ دوسری اخبار آحاد سے بھی ہم وہی چیز لے سکتے ہیں جو قطعاً اسلام کے خلاف نہ ہو ظاہر ہے کہ نبی کا ہر شائبہ شرک سے بری ہونا قطعی و اجماعی مسئلہ ہے۔

لہذا آیت جعلالہ شوکاء میں حضرت آدم علیہ السلام و حواء مراد نہیں بلکہ جس طرح محققین اہل تفسیر کی رائے ہے وہی اصوب و اسلم ہے کہ حضرت آدم و حواء کا ذکر بطور تمہید تھا پھر ذکر ان کی اولاد کا شروع ہوا کہ ہر ماں باپ اچھی اولاد کی تمنا و دعا تو خدا سے کرتے ہیں اور وہی عطا بھی کرتا ہے مگر بد عقیدہ ماں باپ شرک کی صورت میں اختیار کر لیتے ہیں۔ کوئی اپنے بیٹے کا نام عبدالعزیز کوئی عبد مناف کوئی عبد القیس کوئی عبدالدار رکھ دیتا ہے یہ لوگ ان جنوں کو خدا کا شریک سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ جو خود ہی مخلوق ہیں وہ کس طرح خدا یا خالق کے شریک بن سکتے ہیں پھر ایسے نام رکھنا بڑا شرک نہ بھی ہو تو شرک فی التسمیہ تو ضروری ہے جس سے بچنا چاہئے۔

اس کے علاوہ یہ کہ جس نبی سے کوئی لغزش دنیا میں ہوئی ہے اس کا ذکر احادیث شفاعت میں آیا ہے اور کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام قیامت کے روز اس لغزش کا ذکر کریں گے کہ مجھ سے شرک فی التسمیہ ہو گیا تھا اس لئے شفاعت نہیں کر سکتا البتہ اکل

شجرہ والی لغزش کا ذکر ضرور ملتا ہے۔ اگر مذکورہ بات صحیح ہوتی تو یہ بہت بڑا عذر بن سکتا تھا جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو اس امر کو بھی بطور عذر پیش کر دیں گے کہ مجھے لوگوں نے ابن اللہ کہا تھا یا خدائی کا شریک بتالیا تھا حالانکہ اس بات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کسی ادنیٰ اشارے کو بھی دخل نہیں اسی لئے نہ ان سے اس پر مواخذہ ہوا اور نہ ہوگا۔

## شک فی الاحیاء والی لغزش بے بنیاد ہے

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول رب ارنی کیف نحیی الموتی کو کسی درجہ میں بھی شک فی الاحیاء وغیرہ میں بھی شک فی الاحیاء وغیرہ پر محمول کرنا غلط ہے اول تو آگے قال اولم تو من الایہ سے یہ بات خود صاف ہو گئی کہ کسی شک و شبہ کی بات تھی ہی نہیں جو ایمان کے خلاف پڑتی دوسرے یہ کہ حدیث شفاعت میں بھی اس کا ذکر نہیں ورنہ جس طرح دینی مصلحت کے لئے تین مرتبہ تو یہ کے کلمات کہہ دینے کو عذر بنائیں گے اس بات کو بھی پیش کر کے ذیل عذر کر سکتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول ہذا رہی کی بھی توجیہ ہے کہ وہ بطور ذہنی انتقالات کے یا مقابل کفار و مشرکین کے فاسد مزعومات پر فرما رہے ہیں کہ یہ رب ہے! پھر غروب ہونے پر بتلایا کہ کیا رب کی یہ شان ہوتی ہے؟ اور آخر میں رب حقیقی کا تعارف کرادیا اور واقعی کوئی لغزش ہوتی تو اس کو بھی وہ شفاعت کے وقت سند عذر بناتے

اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کی لغزشوں کا حال ہے جس کی تفصیل حسب موقع پیش ہوگی یہاں اتنی بات صاف ہو گئی کہ انبیاء سب معصوم تھے اور وہ خود بھی اپنے کو معصوم ہی سمجھتے تھے یہ اور بات ہے کہ خدائے تعالیٰ کی مبرا و منزہ ذات گرامی صفات کا شعور جس قدر قوی ہوتا ہے اسی قدر بشری کمزوریوں کا احساس بھی قوی تر ہو جاتا ہے اور اس مقام رفیع میں بڑے بڑوں کو اپنی حسنت بھی میثات معلوم ہوتی ہیں لغزشیں تو پھر لغزشیں ہیں۔

یہاں اس امر پر بھی تنبیہ ضروری ہے کہ جن آیات میں انبیاء علیہم السلام کو خطاب کر کے بعض معاصی و رذائل اور کفر و شرک سے اجتناب کرنیکی ہدایت کی گئی ہے ان سے مقصود تو غیر ہی ہیں صرف نوازش خطاب سے انبیاء کو نوازا گیا ہے۔

چشم سوئے فلک و روئے سخن سوئے تو بود

اس طرز خطاب کے بہت فائدے ہیں ایک حکمت یہ بھی ہے ان امور کی اہمیت کا زیادہ سے زیادہ احساس کرانا وغیرہ ایسے ہی انبیاء علیہم السلام کی کثرت توبہ و استغفار بھی ان کی شان عصمت کے خلاف نہیں کیونکہ توبہ کے معنی رجوع و انابت الی اللہ کے ہیں اس کی ضرورت جس طرح ایک عاصی و خطا کار کو ہے بڑے سے بڑا نبی و ولی بھی اس کا محتاج ہے اس لئے اس نسخہ کیسما کی سب ہی کو ضرورت ہے اور استغفار جس طرح گناہوں سے ہوتی ہے معمولی لغزشوں اور ذرا ذرا سی غفلتوں پر بھی ہوتی ہے چنانچہ نبی امی فدائہ ابی و امی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے دل پر کبھی غبار آتا ہے جس کی وجہ سے میں ستر بار استغفار کرتا ہوں انبیاء علیہم السلام حضور و دام کی دولت سے مشرف ہوتے ہیں کہ ہمہ وقتی خدا کا مشاہدہ اور دھیان ان کو حاصل رہتا ہے پھر نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو سب سے زیادہ اعلیٰ و ارفع ہے فرمایا کہ میری آنکھیں سوئی مگر دل جاگتا رہتا ہے یہی قلب منور جو ہر وقت خدا کے ذکر و تصور میں مستغرق رہتا ہے اگر کبھی اتفاق سے اس پر کوئی لمحہ غفلت کا گزر گیا تو اسی کو غین و غبار سے تعبیر فرمایا اور اپنے مرتبہ و مقام کے لحاظ سے اس کو ستر مرتبہ استغفار فرما کر پھر سے صاف و شفاف فرمایا یہ تھی نبوت کی شان رفیع کہ ذرا سا لمحہ بھی غفلت کا گوارا نہیں جبکہ غفلت کا لفظ لکھتے ہوئے بھی دل ڈر رہا ہے کہ اس کا مصداق شاید ہزاروں لاکھوں جز بھی وہاں نہ ہوگا۔

سرور دو عالم ارواح فدائہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں آپ کی امت کے لئے بڑا سبق ہے آج کتنے ہیں جو اپنے آئینہ قلب کو صاف رکھنے کی فکر کرتے ہیں کیا صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث ان کے سامنے نہیں کہ ایک گناہ کرنے سے دل پر سیاہ نقطہ لگ

جاتا ہے اور توبہ و استغفار سے اگر اس کو صاف نہ کر لیا جا۔ بہ تو اسی طرح دوسرے اور تیسرے گناہ سے اس پر سیاہ نقطوں کا اضافہ ہوتا رہتا ہے جو معاذ اللہ غفلت میں پڑے رہنے سے کبھی کبھی پورا کا پورا بھی سیاہ ہو جاتا ہے۔

خدا سے ڈرنا چاہئے ارتکاب معاصی و ترک واجبات و فرائض سے سخت پرہیز کرنا چاہئے اور اگر کبھی غفلت ہو جائے تو اس کا تدارک فوراً کرنا چاہئے جس کا نہایت آسان نسخہ توبہ و استغفار ہے یہ خدائے تعالیٰ کا امت محمدیہ کے لئے بہت ہی بڑا فضل و انعام ہے کہ مومن کے لئے توبہ و استغفار کا دروازہ ہر وقت کھلا رکھا ہے اگر ایمان کی چنگاری بڑے سے بڑے اور زیادہ سے زیادہ گناہوں کی راکھ میں بھی مستور ہو گئی ہے تو وہ ساری راکھ کا ڈھیر توبہ و استغفار کی پھونک سے دور ہو سکتا ہے اور ایمان کی چنگاری پھر سے پوری آب و تاب سے روشن ہو جاتی ہے

الثائب من الذنب کمن لا ذنب له۔ واللہ الموفق۔

اب ہم بقیہ وجوہ اسباب عصمت انبیاء علیہم السلام کا ذکر کرتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ اپنے خاص محافظ دستے فرشتوں کے انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے لئے مقرر فرماتے ہیں تاکہ اگر کسی وقت کسی نبی کے لئے حالات ماحول اور نزاکت وقت سے ایسی صورت پیش آ جائے کہ بشریت کے تقاضوں کو روک تھام دشوار تر ہو جائے تو اس وقت بھی نبی کا قدم ڈمگنا نہ سکے کیونکہ نبی کی ذرا سی لغزش سے امت پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے حدیث میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام بھول گئے تھے تو ان کی ساری ذریت کو بھول کی بیماری نے پکڑ لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی لغزش نبی سے ہو جائے تو اسی قسم کی لغزش کا شکار اس کی ساری امت ہو سکتی ہے اس لئے انبیاء کا دامن تمام گناہوں سے پاک و صاف ہی رکھا جاتا ہے اور اس کے لئے قسم قسم کے اسباب حفاظت کے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس بات کو پوری طرح سمجھنے کے لئے حضرت یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ اپنے سامنے لے آئیے کہ بچپن میں کس طرح گھر کے بہترین ماحول (خاندان نبوت) سے نکلے (جہاں نہایت اعلیٰ تربیت خود اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہو سکتی تھی جو بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے) عزیز مصر کے گھر پہنچایا اور بغیر ظاہری اسباب کے صرف اپنے الطاف غیبیہ و شان ربوبیت خاصہ سے آپ کی تربیت فرمائی بظاہر زندگی شہزادوں کی طرح عزیز مصر کے محل میں گزر رہی ہے عزیز مصر اور اس کی بیوی زلیخا انتہائی پیار و شفقت سے آپ کو پال رہے ہیں عزیز مصر کی زلیخا کو بڑی تاکید ہے کہ اس بچہ کا نہایت خیال رکھا جائے یہ ظاہری بدن کی تربیت کا سامان ہے اور دل و دماغ کی تربیت خود رب العظیم فرما رہے ہیں اب حضرت یوسف علیہ السلام (جو حسن و جمال میں یکتائے زمانہ تھے) جوں جوں بڑے ہو رہے ہیں زلیخا کے دل میں ان کی محبت کی پیٹنگ بڑھ رہی ہے

یزیدک وجہہ حسنا اذا ما زدتہ نظرا

(حسین و جمیل چہرہ پر جتنی زیادہ نظر کی جاتی ہے اتنی ہی اس کے حسن و جمال کی کشش بڑھ کر جاتی ہے)

اسی لئے حدیث میں آنکھیں سینکے کی ممانعت ہے اور حسن و جمال کی فتنہ سالانوں سے بچنے کا واحد اور کیسا اثر نسخہ یہ بتلادیا گیا ہے کہ ایک نگاہ دفعۃً پڑ جائے تو خیر دوسری تیسری نگاہ ڈالنا غضب ہے چہ جائیکہ مستقل سنکائی کی عادت اختیار کر لی جائے تو اس سے بڑا اور برا تو دوسرا مرض ہی نہیں اور سب سے بڑی ایک خرابی یہ ہے کہ ہر کام سے آدمی تھک جاتا ہے ہر چیز سے دل بھر جاتا ہے مگر صرف آنکھ ایسی چیز ہے کہ وہ دیکھنے سے نہیں تھکتی اور نہ کبھی سیر ہوتی ہے غرض اس بیماری کا کوئی علاج نہیں عربی کے مشہور شاعر حنتی نے کہا تھا کہ ”خدا میرے محسن و مکرم بادشاہ کو آنکھوں کی فسوں کاریوں سے محفوظ رکھے کیونکہ ان کا مقابلہ نہ وہ اپنی فوج فرا سے کر سکتا ہے نہ جو درخشاوت سے کر سکتا ہے۔ قاری شاعر نے کہا۔

زنا توانی خود ایں قدر خبر دارم کہ از رخس تو انم کہ دیدہ بردارم

اکبرالہ آبادی مرحوم بہت مایوس ہیں کہ اس زمانہ میں کم از کم اس حکم شرعی پر عمل بہت کم ہے کیونکہ شریعت نے دونوں طرف بند لگائے تھے جب ایک بند ٹوٹ چکا ہے تو صرف ایک بند سے کام کیسے چلے گا؟ وہ کہتے ہیں۔

نئے طریقوں پہ مقصد شرع کا فرمانہ ہو سکے گا اور جو پردہ نہ ہو سکے گا ادھر بھی تقویٰ نہ ہو سکے گا مگر شریعت کا قانون ہے کہ جتنے زیادہ نامساعد حالات و ماحول میں شرعی حکم پر عمل کیا جائے گا اتنا ہی اس کا اجر و ثواب بھی بڑھ جائے گا اس لئے شکست ہمت کا اسلام میں کوئی درجہ نہیں یہ مردان خدا کا دین ہے یہاں پست ہمتی و کم حوصلگی جرم عظیم ہے۔ اس سلسلہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے زیادہ آزمائش کس کی ہو سکتی ہے؟ ایک ملکہ حسن و جمال یکائے روزگار شاہزادہ حسن و جمال پر بری طرح فریفتہ ہو جاتی ہے دونوں کی زندگی ایک ہی گھر میں گزر رہی ہے۔ زلیخا بقول غالب۔

دیدار بادہ حوصلہ ساقی نگاہ مست بزم خیال میکدہ بے خروش ہے

اس ماحول سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے کوئی شرعی و عقلی پابندی اس پر نہیں ہے اکبر مرحوم دیکھتے کہ ایک طرف کا بند پوری طرح شکست ہے وہ حسن رہ گزر سے ہی ڈر گئے یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی سرگزشت پڑھتے کہ ایسے نازک ترین موقع پر انہوں نے کس جی داری سے شریعت کو تھاما کیا ان کی ایمانی، عملی، فکری، عصمت پر ذرہ کے برابر بھی کوئی داغ آ سکا؟

ان کے دل و دماغ فکر و نظر کی حفاظت خود رب العالمین فرما رہے تھے اور اس کے فرشتے پہرہ پر لگے ہوئے تھے خدائی احکام کا پورا تسلط حضرت یوسف علیہ السلام کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا ایسے حالات میں خلاف عصمت کوئی بات کس طرح ہو سکتی تھی دوسروں کے لئے یہ بات بہت دشوار تھی مگر خدا کے مطیع بندوں اور خصوصیت سے انبیاء علیہم السلام کے لئے ایسے دشوار گزار مرحلے آسان ہو جاتے ہیں وہ ایسے مواقع میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اس کی استعانت چاہتے ہیں زلیخا نے پوری تیاریاں کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے دام میں پھانسنے کی آخری کوشش کر ڈالی مگر آپ بڑے اطمینان کے ساتھ ”معاذ اللہ“ کہہ کر خدائی حصار میں داخل ہو گئے جہاں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت و تدبیر بیکار محض ہو جاتی ہے۔

آگے کیا ہوتا ہے اسے بھی سن لیجئے! پہلے ہر دو طرف سے صرف ذہنی بات چیت تھی زلیخا نے پورے اطمینان سے اپنی تدابیر پر بھروسہ کر کے کہا تھا کہ ادھر آئیے! اور حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمادیا کہ یہ بات ممکن نہیں! اس پر بھی زلیخا باز نہ آئی اور پورے عزم و حوصلہ سے عملی قدم اٹھانے کی تدابیر کر ڈالیں تو دوسری طرف حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کے جال سے نکلنے کی پوری عملی تدابیر اختیار فرمائیں آگے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ واقعی اس قدر نازک موقع تھا کہ اس کے توڑ میں پیغمبرانہ اولوالعزمی کے ساتھ بشری تدابیر کمزور پڑ سکتی تھیں چنانچہ اس کمزوری کا احساس حضرت یوسف علیہ السلام کے قول ”والا تصرف عنی کیدھن احصب الیھن“ سے بھی ظاہر ہوتا ہے اس لئے ہم نے بھی اپنے طریقہ پر اپنی برہان و حجت دکھلا کر ان کی مدد کی اس کے بغیر ممکن تھا کہ وہ اس قدر ثابت قدمی نہ دکھا سکتے اس اگر نگر والی بات سے ہو سکتا ہے کہ آپ اس قسم کا خیال دل میں لائیں کہ پیغمبرانہ عصمت میں بھی رخنہ پڑنے کا امکان ضرور ہے مگر یہاں ہمیں دکھانا بھی یہی ہے کہ اگر ایسی سنگین صورت حال بھی پیش آ جائے جیسی حضرت یوسف علیہ السلام کو پیش آئی تو نبی کی عصمت کی نگرانی خدا کی بالواسطہ یا بلاواسطہ حفاظت سے بھی ہوتی ہے اور اس قسم کی گارنٹی غیر انبیاء علیہم السلام کے لئے نہیں ہے لہذا انبیاء کی عصمت ہر صورت میں بے داغ، بے شک و لا ریب ہے۔ وحوالہ مراد۔

(۵) انبیاء علیہم السلام کو پیدائشی طور پر بہت سے خواص اہل جنت کے دنیا میں بھی حاصل ہوتے ہیں مثلاً دائمی حیات، دائمی عبادت (کہ قبور میں بھی مشغول عبادت رہتے ہیں کثرت ازواج۔ وفات پر اجساد مبارکہ کا عدم تغیر و غیرہ لہذا اہل جنت ہی کی طرح ان کے لئے دنیا میں عصمت بھی ثابت ہے واضح ہو کہ جنت والی جنت کے بہت سے نمونے دنیا میں دکھائے گئے ہیں بلکہ بعض چیزیں جنت کی دنیا میں اتار دی گئی ہیں مثلاً مقام ابراہیم، حجر اسود وغیرہ اور حضرت شاہ صاحب قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ دنیا کی کچھ چیزیں جنت میں جائیں گی مثلاً بیت اللہ، مسجد حرام اور دوسری تمام مساجد جنت کے علاقہ سے تعلق رکھتی ہیں اور سب اسی طرح جنت کی طرف اٹھائی جائیں گی۔ واللہ اعلم۔

## عصمت انبیاء کے متعلق حضرت نانوتویؒ کی تحقیق

عصمت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ایک نہایت مکمل و مدلل تحقیق حضرت حجتہ الاسلام مولا نانوتویؒ قدس سرہ کے مکتوبات گرامی میں ملتی ہے اس کا بھی کچھ خلاصہ ملاحظہ کیجئے! آپ کے نزدیک انبیاء کرام علیہم السلام تمام صفات و کمالات سے قبل نبوت و بعد نبوت ہر زمانے میں معصوم ہوتے ہیں مندرجہ ذیل ہر دو دلیل آپ کے مکتوب گرامی سے ماخوذ ہیں۔

(۶) قرآن مجید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مطلقہ کا امر کیا گیا ہے جب ہر معاملہ میں آپ کی اتباع ضروری ہوئی تو آپ کی عصمت ضروری ٹھہری اور نہ معصیت میں بھی اتباع ماننی پڑے گی جو خدا کا حکم نہیں ہو سکتا۔

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے جن و انس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور ظاہر ہے کہ معصیت عبادت و طاعت کی ضد ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے اندر مادہ شیطانی نہیں ہے جس سے معصیوں کا صدور ہوتا ہے عام انسانوں میں چونکہ مادہ ملکی اور مادہ شیطانی دونوں ہوتے ہیں اس لئے ان سے دونوں کے لوازم و آثار یعنی اچھے و برے اعمال بھی صادر ہوتے ہیں ملائکہ میں چونکہ صرف نیکی کا مادہ و دیعت کیا گیا ہے وہ صرف نیک اعمال کرتے ہیں گناہ نہیں کر سکتے اس کے برعکس شیاطین میں صرف مادہ معصیت و کفر رکھا گیا ہے ان سے کفر و معصیت ہی کا صدور ہوتا ہے ایمان و اعمال صالحہ کا نہیں ہو سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر چونکہ صرف مادہ ملکی و دیعت کیا گیا ہے اس لئے ان سے بھی ملائکہ کی طرح صرف نیکیاں صادر ہوں گی اس لئے وہ معصوم ہیں اور ان کی کامل اتباع کا حکم دیا گیا ہے اور چونکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ انبیاء سابقین کے طریقوں کی پیروی کیجئے اس سے معلوم ہوا کہ وہ سب بھی معصوم تھے ورنہ یہاں حضور کو ان کی مطلق اتباع و اقتدار کا حکم نہ ہوتا۔

حضرت نانوتویؒ نے یہاں اس امر کی بھی وضاحت فرمادی ہے کہ اگرچہ انبیاء علیہم السلام کی ذات میں وہ قوت نہیں ہوتی جو صمد و عصیان کا اقتضاء کرتی ہے مگر کسی خارجی و عارضی سبب سے صدور عصیان کا امکان ضرور باقی رہتا ہے اسی لئے قدرت ان کی نگہبان رہتی ہے اور اس قسم کی نافرمانی سے بھی بچا لیتی ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔ ”کذلک لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصین“ (سورۃ یوسف) حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اس آیت سے چند فوائد معلوم ہوئے۔

(۱) جو نوع سوء اور فحشاء کی تعریف میں نہ آتی ہو اس کا صدور کسی عارضی وجہ سے مستثنیٰ ہو سکتا ہے۔

(۲) سوء و فحشاء کا تحقق خارجی اسباب سے یہاں بھی ہو سکتا ہے۔

(۳) اس امکان مذکور کے باوجود قدرت ان کے صدور سے بھی نگہبان رہتی ہے پھر لکھا معصومیت ہاں معنی کہ ذات معصوم میں صدور معاصی کا منشا بھی نہ ہو صرف انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے اولیاء اللہ کی بھی یہ شان نہیں البتہ بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بھی حفاظت فرماتے ہیں تو ان کا درجہ محفوظیت کا ہے جو معصومیت سے کم تر ہے۔

(۷) قرآن مجید میں ہے ”عالم الغیب“ فلا یتظہر علی غیبه احداً الا من ارضی من رسول فانه یسلک من بین یدیه و من خلفه رصداً (جن) وہ عالم الغیب ہے اپنی غیب کی خبریں بجز اپنی پسندیدہ مخلوق رسولوں کے اور کسی کو نہیں دیتا اور ان کی وحی کے آگے پیچھے فرشتوں کے پہرے اور چوکیاں رکھی جاتی ہیں (تاکہ کسی طرف سے شیطان اس میں دخل نہ دے سکیں) معلوم ہوا کہ پیغمبروں کے علوم و اخبار میں غلطی کا کوئی امکان نہیں اس کے علاوہ انبیاء کا اپنے تمام اعمال زندگی میں معصوم ہونا وہی اسی آیت سے ثابت ہے جس کے لئے حضرت نانوتویؒ کا طریق استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کو اپنا برگزیدہ و پسندیدہ فرمایا اور یہاں کوئی قید و شرط بھی نہیں کہ فلاں عمل کے باعث وہ

مرتضیٰ ہوئے۔ لہذا ثابت ہوا کہ وہ اپنی پوری زندگی کے اعمال کی رو سے برگزیدہ و پسندیدہ ہیں اور یہی شان عصمت ہے۔

عظمت و عصمت انبیاء علیہم السلام کی بحث چونکہ نہایت اہم ہے اور مذاہب حق کی عظمت و فضیلت و حقیقت کا مدار بھی بڑی حد تک اس پر ہے اس لئے ہم نے یہاں کسی قدر تفصیلی بحث کی باقی انبیاء علیہم السلام کے مکمل حالات و مناقب و فضائل کے لئے حضرت مولانا حفظ الرحمن صاحب سیوہارویؒ کی کتاب ”قصص القرآن“ کا مطالعہ کیا جائے جو چار ضخیم جلدوں میں ندوۃ المصنفین دہلی سے شائع ہو چکی ہے اردو زبان میں وہ نہایت بیش قیمت نادر علمی ذخیرہ ہے جو بھگوانہ کافی احتیاط سے مرتب ہوا ہے۔ اس کے بعد گزارش ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے بیان حالات میں ادنیٰ درجہ کی بے احتیاطی یا محض واعظانہ رنگ کی نکتہ آفرینیاں مناسب نہیں انبیاء علیہم السلام کے بارے میں کوئی بات بھی لکھنی ہو۔ خصوصاً نئی قسم کی تو اس کے لئے نہایت وسیع مطالعہ کثیر معلومات اور مکمل احتیاط کی ضرورت ہے کہ اکابر سلف کی تحقیقات بھی نظر انداز نہ ہو سکیں کیونکہ جمہور سلف اور ائمہ محدثین و مفسرین کو چھوڑ کر ایک دو عالموں کی رائے پر کوئی جدید نظریہ قائم کر لینا اور اس کو شرعی دعویٰ کی صورت میں پیش کر دینا بہت سی دینی معزتوں کا سبب بن سکتا ہے۔

علی الخصوص حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور خاتمہ الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تو انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے معلوم ہے کہ یہود نصاریٰ نے کسی قدر غلط باتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کر دی تھیں جن کا ازالہ قرآن و حدیث میں کیا گیا ہے۔ پھر امت محمدیہ میں بھی کچھ غیر محتاط قلموں سے ایسے مضامین نکل گئے جن سے فرق باطلہ کو قوت ملی اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی افراط و تفریط ہوئی ہے جس کے معرناج سب کو آشکار ہیں ہمارے اکابر حضرات دیوبند کی یہ شان تھی کہ ان کی تحریر و تقریر نہایت محتاط ہوتی تھی حتیٰ کہ مواعظ میں بھی اتنی احتیاط برت گئے جو ہمارے اس دور کے اکثر علماء سے دشوار نظر آ رہی ہے حضرت تھانویؒ کے مواعظ شائع شدہ ہیں حضرت علامہ کشمیریؒ اور حضرت عثمانیؒ کے مواعظ بھی اکثر سننے کا شرف حاصل ہوا مگر آج کل جو سیرت کے جلسوں میں بیان ہوتے ہیں ان کا رنگ بالکل دوسرا دیکھنے میں نظر آ رہا ہے جس کا مقصد عوام کو خوش کرنا اور ان کی داد حاصل کرنا معلوم ہوتا ہے۔ آخر اس عوام پسندی کے رجحان سے ہمارا کوئی شعبہ زندگی بھی محفوظ رہ سکے گا یا نہیں؟ ہر وعظ اور تقریر سیرت پر اس کی اجرت اور نذرانے وصول کئے جاتے ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر وصول کرنے کی فکر میں رہتا ہے کیا یہی ہمارے اکابر و اسلاف کی شان تھی اور کیا ایسے مواعظ و تقاریر سیرت سے عام مسلمانوں پر اچھے اثرات پڑ سکتے ہیں؟ مدارس سے بڑی بڑی تنخواہیں لیتے ہیں پھر بھی عوام سے گرانقدر نذرانوں کے متمنی رہتے ہیں

اہل بدعت کی جن باتوں کو ہمارے اکابر نے خلاف تحقیق و احتیاط بتلایا تھا آج ہم خود اپنی تقاریر و تصانیف میں ان سے احتیاط کو غیر ضروری سمجھنے لگے ہیں۔

ہمارے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ اپنے مواعظ میں یہ جملہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ ”بھائی! عمل تو ہمارے پاس بھی نہیں ہے مگر خدا کا شکر ہے کہ علم صحیح ہے اس لئے جو بات بتائیں گے وہ دین کی صحیح ترجمانی یعنی نکسالی و معیاری ہوگی۔ کاش! ہم اپنے اس مرکز سے دور نہ ہوں۔ واللہ الموفق والمیسر۔“

### بقیہ فوائد متعلقہ حدیث باب

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ حدیث میں ذنب کا ذکر ہے جو سب سے کم درجہ ہے جس نے معنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات معظمہ اور شان رفیع کے لحاظ سے غیر مناسب امر کے ہیں اس سے زیادہ درجہ خطا کا ہے جو نادرست و ناصواب فعل کو کہتے ہیں اور ان سب کے اوپر معصیت کا درجہ ہے جو عدول حکمی نافرمانی ہے اور صغائر و کبائر کی تقسیم بھی اسی میں جاری ہوتی ہے ذنب و خطا میں نہیں۔



## اشکال و جواب

جب انبیاء علیہم السلام سب ہی مغفور ہیں تو پھر زیر بحث آیت وحدیث میں صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت ذنوب کا ذکر کیوں ہوا؟ جواب یہ ہے کہ یہاں تخصیص اعلان مغفرت کے لئے ہے، کیونکہ آپ کے لیے شفاعت کبریٰ اور مقام محمود مقدر ہو چکی ہے لہذا دنیا میں اعلان مناسب ہوا تا کہ قیامت کے ہولناک دن میں آپ کے قلب مبارک کو ڈھارس اور سکون حاصل ہو اور بے تامل شفاعت کبریٰ فرما سکیں، اگر دنیا میں آپ کی مغفرت کا اعلان نہ ہوا ہوتا تو ممکن تھا آپ بھی اپنے ذنوب کو اسی طرح یا فرما کر عذر فرما دیتے جیسے دوسرے انبیاء علیہم السلام کریں گے۔ چنانچہ اس روز عذر کے ساتھ انبیاء علیہم السلام یہ بھی فرمائیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ! کہ ان کے تمام گزشتہ ذنوب بخشے جا چکے ہیں۔

## دوسرا اشکال و جواب

جو ذنوب بعد کو ہونے والے ہیں ان کی مغفرت پہلے سے ہو جانا کیوں کر ہے؟ اس کے کئی جواب ہیں:-  
(۱) اگرچہ مغفرت کا عام مفہوم یہی ہے کہ وجود ذنوب کے بعد اس کا وجود ہو مگر اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ اگر تم سے کوئی ذنب ہو تو ہم اس پر مواخذہ نہیں کریں گے، پس مغفرت بمعنی عدم مواخذہ ہوئی۔  
(۲) علم خداوندی میں سب اگلے پچھلے موجود ہیں، کیونکہ اس میں تقدم و تاخر نہیں ہے، پس سب کی مغفرت بھی دفعۃً درست ہے۔  
(۳) مغفرت احکام آخرت سے ہے، جہاں سب ذنوب ماضی سے متعلق ہو چکیں گے۔

## حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کا ارشاد

کہ وعدہ مغفرت کا مقتضی عمل و احتیاط ہے نہ کہ عدم عمل و ترک احتیاط اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باوجود مغفرت ذنوب کے بہت زیادہ عبادت فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ راتوں کو نوافل میں کھڑے کھڑے پاؤں متورم ہو جاتے تھے صحابہ کرام عرض کرتے کہ آپ کو اس قدر زیادہ عبادت کی کیا ضرورت ہے؟ تو فرماتے: کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟!

## عتاب نبوی کا سبب

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ زیر بحث حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عتاب و غضب کی وجہ یہ تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں اپنے لیے اعمال شاقہ کے احکام کی درخواست، صحابہ کرام کے لیے ان کے مرتبہ رفیع کے لحاظ سے موزوں نہ تھی، کیونکہ ایسی درخواست فطرت سلیمہ کے خلاف تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب صحابہ میں سے کسی سے کوئی غلطی اجتہادی خطا کے درجے کی ہوتی تو کچھ نہ فرماتے نہ غصہ ہوتے، لیکن کوئی بات خلاف فطرت سلیمہ ہو جاتی تو ناگواری اور غصہ کا اظہار فرماتے تھے، اس قسم کی مثالیں آئندہ ذکر ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور یہاں صحابہ کرام کی درخواست مذکور کا بے محل اور غیر موزوں ہونا اوپر کی تفصیلات سے واضح ہو چکا ہے۔  
”ان اعلمکم“ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ جملہ اس طرف اشارہ ہے کہ جس کا علم و معرفت خداوندی زیادہ ہوتی ہے اس کی عبادت خدا کو زیادہ پسند ہوتی ہے، کیونکہ عبادت نام ہی مطاع کی مرضی کے موافق طاعت کرنے کا ہے۔ حق تعالیٰ کس عبادت سے اور کس وقت اور کس موقع محل میں زیادہ خوش ہوتے ہیں، جتنا علم ان امور کا زیادہ ہوگا تقرب خداوندی بھی ان کے مطابق ادا کرنے سے زیادہ ہوگا، اعمال کی مشقت رضا خداوندی یا تقرب کا معیار نہیں ہے۔

نماز جیسی مقبول و پسندیدہ عبادت بھی غیروقت مثلاً طلوع و غروب آفتاب کے وقت خدا کے یہاں قابل رد و پسند ہوتی ہے، غرض ان لوگوں کو

اس سے تنبیہ کی گئی جو مشقتوں کے تحمل میں زیادہ فضیلت تلاش کیا کرتے ہیں اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اولیاء اللہ اگرچہ مقدار کے اعتبار سے طاعات و عبادات میں بڑھے ہوئے ہیں مگر کیفیت کے لحاظ سے انبیاء علیہم السلام کے کم اعمال کا پاسبان بھی نہیں ہو سکتے مثلاً ترمذی شریف میں حضرت عمیر بن ہانی کے متعلق ماثور ہے کہ وہ ہر دن میں ایک ہزار سجدے کرتے تھے اور ایک لاکھ مرتبہ تسبیح کرتے تھے (باب ماجاء اذا انتبه من اللیل)  
حضرت امام ابو یوسفؒ کے بارے میں منقول ہے کہ اپنے زمانہ قضا میں ہر روز دو سو رکعت پڑھ لیا کرتے تھے اسی طرح اولیاء اللہ کی بڑی بڑی عبادات و ریاضات کے حالات منقول ہوئے ہیں۔

ولفنا الله لما يحب و يرضى

باب من كره ان يعود في الكفر كما يكره ان يقذف في النار من الايمان.

(جو کفر طرف لوٹنے کو ایسا ہی برا سمجھے جیسا آگ میں ڈالے جانے کو تو یہ بھی ایمان کی علامت ہے)

۲۰ - حدثنا سليمان بن حرب قال حدثنا شعبة عن قتادة عن انس عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ثلاث من كن فيه وجد حلاوة الايمان من كان الله ورسوله احب اليه مما سواهما و من احب عبدا لا يحبه الا الله و من يكره ان يعود في الكفر بعد اذا نقله الله كما يكره ان يلقى في النار  
ترجمہ:- حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں تین خصلتیں ہوں گی وہ ایمان کی حلاوت و لذت پالے گا جس شخص کو اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات عالم سے زیادہ محبوب ہوں اور جس شخص کو کسی سے محبت ہو تو وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور جس کو کفر کی طرف لوٹنا ایسا ہی برا معلوم ہو جیسا آگ میں ڈالا جاتا۔

تشریح:- یہ حدیث اور اس کی تشریح وغیرہ پہلے گزر چکی کفر کی طرف لوٹنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس سے مقصود صرف نیا اسلام لانے والا ہی ہو بلکہ وہ بھی اس میں داخل ہے جو پہلے ہی سے مسلمان تھا کیونکہ جب اسلام لانے والا کفر کی طرف لوٹنے سے اس قدر متنفر و بے زار ہوگا تو جو شخص اباعن جد مسلمان چلا آ رہا ہے اس کو تو کفر و شرک سے اور بھی زیادہ بیزار ہونا چاہئے اور اس کو ایمان کی حلاوت بھی زیادہ حاصل ہونی چاہئے۔  
افسوس ہے کہ آج کل مسلمانوں کو دین و علم دین سے ناواقفیت و لاپرواہی کے باعث ایمان و اعمال صالحہ سے بے تعلقی عام ہوتی جا رہی ہے اور اس لئے وہ ایمان و اعمال کی قدر و قیمت بھی نہیں پہچانتے اور بعض نو مسلموں کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ چونکہ پورے علم و بصیرت کے ساتھ ایمان و اسلام قبول کرتے ہیں وہ ایمان و اعمال کے زیادہ گرویدہ نظر آتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ بغیر علم و معرفت کے کوئی ترقی صحیح و پائیدار نہیں ہو سکتی۔

باب تفاضل اهل الايمان في الاعمال (اعمال کی وجہ سے اہل ایمان کا ایک دوسرے سے بڑھ جانا)

۲۱ - حدثنا اسمعيل قال حدثني مالك عن عمرو بن يحيى المازني عن ابيه عن ابي سعيد بن الخدري عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يدخل اهل الجنة الجنة و اهل النار النار ثم يقول الله اخرجوا من كان في قلبه مثقال حبة من خردل من ايمان فيخرجون منها قد اسودوا فيلقون في نحر الحيا او الحياة شك مالك فليبتون كما تنبت الحبة في جانب السيل الم ترالها تخرج صفراء ملتوية قال وهيب حدثنا عمرو والحياة وقال خردل من خير

ترجمہ:- حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اہل جنت جنت میں اہل دوزخ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیں گے جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر (بھی) ایمان ہے اس کو (دوزخ سے) نکال لو۔ تب (ایسے لوگ) دوزخ سے نکال لئے جائیں گے وہ جل کر کوئلے کی طرح سیاہ ہوں گے پھر وہ زندگی کی نہر میں ڈالے جائیں گے یا بارش کے پانی میں (یہاں راوی کو شک ہو گیا کہ اوپر کے راوی نے کون سا لفظ استعمال کیا) اس وقت وہ دانے کی آگ آئیں گے (یعنی تروتازہ و شاداب ہو

جائیں گے) جس طرح سیلاب کے کنارے دانساگ آتا ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ دانہ زردی مائل پچ در پچ نکلتا ہے۔

وہیب نے کہا ہم سے عمر و نے (حیا کی بجائے) حیاۃ اور (خردل من ایمان کی بجائے) خردل من خیر (کا لفظ) بیان کیا۔

تشریح: حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ یہاں حدیث ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ میں تفاضل کا لفظ ہے جو اشخاص سے متعلق ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اس کا استعمال انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہوا ہے کیونکہ ان میں کی نقص نہیں ہے اور آئندہ حدیث انس رضی اللہ عنہ میں (جو ۳۲ پر آ رہی ہے) باب زیادة الايمان و نقصانه ذکر کیا ہے کیونکہ زیادتی و کمی معانی میں ہوتی ہے اشخاص میں نہیں۔ پس یہاں عاملین پر نظر کر کے تفاضل کا لائے اور وہاں نفس ایمان پر نظر کر کے زیادہ و نقص لائیں گے دوسری بات یہ ہے کہ یہاں اعمال کے لحاظ سے تفاضل بتلایا ہے اگرچہ ایمان میں برابر ہوں اور وہاں ایمان میں کی و زیادتی بتلانی ہوگی پھر خواہ اعمال میں بھی متفاضل ہوں یا نہ ہوں۔

یہ خطاب اللہ تعالیٰ کس سے فرمائیں گے کہ دوزخ سے نکال لو علامہ قسطلانی نے تصریح کی ہے کہ مراد ملائکہ ہیں چنانچہ ایک روایت میں للملائکہ کا لفظ بھی موجود ہے کہاں سے نکال لو اس کو بھی علامہ موصوف نے لکھا کہ مراد دوزخ سے نکالنا ہے جیسا کہ اصیلی کی روایت میں من النار کا لفظ زائد روایت ہوا ہے پھر یہ نکالنے کا حکم ان لوگوں کے لئے ہوگا جنہوں نے توحید کے ساتھ کوئی قلبی نیکی (حسن نیت وغیرہ) کی ہوگی کیونکہ ایک روایت میں یہ زیادتی موجود ہے اخر جو ان قال لا اله الا الله و عمل من الخیر ما یزین کلا (نووی قسطلانی فی شرح البخاری صفحہ ۱۵۷)

یہی حدیث ابی سعید خدری مسلم شریف میں زیادہ تفصیل سے مروی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اہل جنت جنت میں پہنچ کر حق تعالیٰ کی جناب میں عرض کریں گے کہ اے رب! ہمارے بہت سے ساتھی تھے جنہوں نے دنیا میں ہمارے ساتھ نمازیں پڑھی تھیں۔ روزے رکھے تھے حج کیا تھا اور آج وہ ہمارے ساتھ جنت میں نہیں آئے حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم ان کو دوزخ سے نکال لاؤ۔

جا کر پہچان لو وہ ان لوگوں کو حق تعالیٰ کی اجازت سے نکال لائیں گے اور عرض کریں گے کہ جتنے ظاہری اعمال کے اعتبار سے ہم پہچان کر نکال کر لا سکتے تھے نکال لائے اور اب کوئی ایسا نہیں رہا ہے۔ یہ غالباً وہ لوگ ہوں گے جن کے ظاہری اعمال بکثرت ہوں گے مگر معاصی کے باعث دوزخ میں ڈال دیے گئے ہوں گے اس کے بعد حق تعالیٰ ہی کے فرمانے سے وہ اہل جنت دوسری بار ان کو بھی نکال لائیں گے جن کے بہت تھوڑے نیک عمل ہوں گے یا صرف اکاد کا عمل ہوگا جو پہلی بار میں نظر انداز ہو گیا ہوگا۔ تیسری بار میں حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اچھا! اب تم پھر جاؤ اور ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے ظاہری اعمال کچھ نہیں تھے مگر ان کے قلبی اعمال (کوئی اچھی نیت اچھے ارادے وغیرہ ہوں گے) علامہ نووی نے یہ بھی لکھا کہ حق تعالیٰ ان کو قلبی اعمال کی معرفت کے لیے علامت بھی بتلا دیں گے اور وہ ایسے لوگوں کو بھی نکال لائیں گے جو تھے اور آخری مرتبہ میں وہ لوگ نکالے جائیں گے جن کے پاس نہ ظاہری اعمال کم یا زیادہ ہوں گے نہ اعمال قلب ہوں گے صرف اقرار توحید یا ایمان کا کچھ حصہ ان کے پاس ہوگا حدیث میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ سے درخواست کریں گے کہ بار آ لہا! مجھے اجازت دیجئے کہ ان لوگوں کو نکال لاؤں حق تعالیٰ جواب دیں گے کہ یہ کام آپ کے لیے نہیں ہے پھر حق تعالیٰ اپنی ارحم الراحمین کا اظہار فرمائیں گے اور ایسے لوگوں کو خود ہی نکالیں گے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ فیکبض الله قبضة من النار فیخرج منها قومالم یعملوا خیر اقط (حق تعالیٰ اپنا مٹھ بھر کر دوزخ سے ایسے لوگوں کو نکال لیں گے جنہوں نے کسی قسم کی بھی کوئی نیکی نہ کی ہوگی یعنی علاوہ ایمان یا کلمہ توحید کے) کیونکہ بغیر ایمان کے تو کوئی صورت نجات کی ہوگی ہی نہیں یہ طے شدہ اور یقینی وحی بات ہے۔

جہنم سے نکلے ہوئے لوگ چونکہ مجلس کرکالے سیاہ ہو گئے ہوں گے اس لیے جنت کے دروازہ پر جو نہر حیات جاری ہوگی اس میں ان کو غسل دیا جائے گا جس سے جہنم کے تمام اثرات زائل ہو جائیں گے اور وہ لوگ اس آب حیات کے اثر سے فوراً ہی ایک نئی سرسبز و شاداب زندگی سے بہر مند ہو جائیں گے۔

بحث و نظر: حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ تراجم بخاری میں سے یہ ترجمہ عنوان باب مشکل ترین تراجم میں سے ہے جس کی چار وجہ ہیں۔

(۱) یہ حدیث اور حدیث انسؓ (صفحہ نمبر ۴۲) دونوں کا مضمون ایک ہی ہے (اگرچہ اصطلاح محدثین میں دو اس لیے ہو گئیں کہ ہر ایک کا راوی الگ صحابی ہے اور اسی اصطلاح کے تحت مسند احمد کی احادیث کا شمار میں ہزار کہا گیا ہے۔

پھر باوجود مضمون واحد ہونے کے ترجمے الگ الگ کیوں قائم کئے گئے؟

(۲) امام بخاریؒ نے جو یہاں حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث ذکر کی ہے اس میں عمل کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایمان کا ذکر ہے اور حدیث

انسؓ میں خیر یعنی عمل کا ذکر ہے پس یہاں کا ترجمہ وہاں اور وہاں کا یہاں ہونا چاہئے تھا؟

(۳) امام بخاریؒ نے یہاں اصل میں ایمان کا لفظ رکھا اور خیر کا لفظ بطور متابع لائے اور حدیث انسؓ میں برعکس کیا حالانکہ ترجمہ کی

مناسبت سے برعکس صورت ہونی چاہئے تھی؟

(۴) زیادۃ نقص ایمان کی بحث پہلے گزر چکی ہے پھر یہاں اس کا اعادہ کیوں کیا گیا؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اس موقع پر شارحین بخاری نے جیسی ضرورت تھی پر مخزکلام نہیں کیا حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب میں مسئلہ ایمان پر خوب تفصیل سے لکھا ہے لیکن اشکالات مذکورہ پر کچھ نہیں لکھا کیونکہ انہوں نے حل تراجم ابواب بخاری سے کوئی تعرض نہیں کیا ہے وہ اس طرف توجہ کرتے تو اچھا لکھ سکتے تھے اس کے بعد حافظ ابن حجرؒ کے جوابات لکھے جاتے ہیں۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ کے جوابات ذکر ہوں گے۔

اشکال اول و ثانی کا جواب حافظ نے یہ دیا کہ دونوں حدیث میں زیادۃ نقص ایمان و تفاضل اعمال کے لیے دلیل ملتی ہے اس لیے امام

بخاری نے ہر احتمال پر ترجمہ قائم کر دیا۔

پھر حدیث ابی سعیدؓ کو تفاضل اعمال کے ترجمہ سے خاص کر دیا کیونکہ اس کے اندر تفاوت مراتب ایمان کا ذکر نہیں تھا اس کے لیے زیادۃ نقصان والا ترجمہ مناسب نہیں تھا البتہ یہ ترجمہ حدیث انسؓ کے لیے موزوں تھا کہ اس میں تفاوت اختلاف وزن شعیرہ برہ ذرہ کے لحاظ سے تھا چوتھے اشکال کا جواب حافظ نے یہ دیا ہے کہ پہلے ایمان میں زیادتی و نقصان کا ذکر تھا اور یہاں نفس تصدیق میں زیادتی و نقصان کا ذکر کر رہے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاریؒ نے کسی جگہ بھی نفس تصدیق کے لحاظ سے ایمان میں زیادتی کا ذکر نہیں کیا ہے ان کا مختار مسلک تو ایمان کو مرکب مان کر زیادتی کا قول ہے خواہ اجزاء کے لحاظ سے ہو یا اسباب کے اعتبار سے اسی لیے انہوں نے کہیں تصدیق و اعمال میں تقابل نہیں کیا غرض حدیث انسؓ میں امام بخاریؒ کے نزدیک زیادتی و نقصان باعتبار مجموعہ کے ہے باعتبار نفس تصدیق کے نہیں لہذا حافظ کی توجیہ مذکور قائل کی منشا کے خلاف ہے اسی طرح حافظ کا جواب اشکال اول و ثانی سے بھی چلنے والا نہیں ہے کیونکہ تفاوت موزونات اور ذکر مراتب حدیث ابی سعیدؓ میں بھی حسب روایت مسلم موجود ہے اگر کہا جائے کہ تفاوت مذکور روایت بخاری میں تو نہیں ہے تو ہم کہیں گے کہ روایت بخاری میں تو اعمال کا بھی ذکر نہیں ہے پھر اس پر امام بخاریؒ کا ترجمہ تفاضل اعمال کا قائم کرنا کیسے درست ہوگا؟

## حضرت شاہ صاحب کے بقیہ جوابات

اس کے بعد حضرت شاہ صاحبؒ کے جوابات ملاحظہ فرمائے۔

(۱) امام بخاریؒ نے حدیث ابی سعیدؓ کو تفاضل اعمال کے ساتھ دو وجہ سے خاص کیا اول اس لیے کہ انہوں نے دونوں مفصل روایتوں

پر نظر رکھی اور چونکہ مسلم کی روایت ابی سعیدؓ میں اعمال کا بھی ذکر موجود ہے اس لیے ترجمہ تفاضل اعمال کا قائم کیا اور حدیث انسؓ کے کسی طریقہ میں بھی ذکر اعمال نہیں ہے اس لیے وہاں ایمان کا بھی ذکر موجود ہے اس لیے ترجمہ تفاضل اعمال کا قائم کیا اور حدیث انسؓ کے کسی

طریقہ میں بھی ذکر اعمال نہیں ہے اس لیے وہاں ایمان کی زیادتی و نقصان کا ترجمہ مناسب ہے دوسرے یہ کہ امام بخاری نے حدیث ابی سعید میں لفظ ایمان ذکر کیا۔ اور اس کے بعد اس کی مراد متابعت بالخیر کے ذریعہ عمل متعین کی گویا اس امر پر متنبہ کیا کہ مراد امراتب ایمان سے مراتب اعمال ہیں پس لفظ ایمان مفسر اور لفظ خیر اس کا مفسر ہوا امام بخاری کے یہاں ایمان کا اطلاق خیر پر جائز و درست ہے اور حدیث انس میں برعکس کیا کہ لفظ خیر کو اصلاً ذکر کیا اور اس کی مراد متابعت لفظ ایمان سے متعین کی یہ جواب اول و ثانی سے ہوا۔

(۲) تیسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری اپنے علم و وجدان کے مطابق طریقے اختیار کرتے ہیں ہر مقام پر متعین صحیح وجہ نہیں معلوم ہو سکتی اور یہاں بھی ہم اس کا تعین نہیں کر سکے۔

(۳) چوتھے اشکال کا جواب سہل ہے کہ پہلے ایمان کی زیادۃ و نقص پر قصداً کوئی ترجمہ نہیں لائے تھے اسطر ادا بیان ہوا تھا اسی لئے کوئی حدیث اس کے لئے ذکر نہیں کی تھی یہاں قصداً لائے اور اپنے طریقہ پر استدلال کے لئے حدیث بھی روایت کی پھر فرمایا کہ میرے نزدیک دونوں حدیث میں خیر ایمان سے زائد چیز ہے لیکن حدیث الباب میں وہ اعمال قلب سے ہے اور حدیث انس میں متعلقات ایمان سے ہے جو نور ایمان اور انشراح و انبساط کی کیفیت ہے نہ کہ عمل قلبی حسن نیت وغیرہ دوسرے شارحین بخاری نے دونوں میں ایک ہی طریقہ پر سمجھا ہے۔ نیز یہ کہ دونوں حدیث کے درمیانی مراتب تو ایک دوسرے کے ساتھ آگے پیچھے بے ترتیب باہم جڑتے ہیں مگر آخری مرتبہ دونوں میں مشترک ہے یعنی حدیث ابی سعید میں جن لوگوں کے سب سے آخر میں جہنم سے نکالے جانے کا ذکر ہے بعینہ ان ہی لوگوں کا ذکر حدیث انس میں بھی ہے (جن کے پاس نہ کوئی عمل اعمال جوارح سے ہوگا نہ کوئی نیکی اعمال قلب سے ہوگی نہ ثمرات ایمان میں سے کچھ ان کے ساتھ ہوگا اور رحم الرحیمین ان کو محض اپنے فضل و شان انعام خصوصی سے بلا عمل و خیر کے جنت میں داخل فرمادیں گے۔

### شیخ اکبرؒ کی رائے

جن لوگوں کو بلا عمل کے سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا ان کے بارے میں چونکہ صرف کلمہ طیبہ کا قائل ہونا ذکر ہوا ہے اس لیے شیخ اکبرؒ نے یہ رائے قائم کی کہ وہ لوگ اہل فترت ہیں جن کو کسی رسول و نبی کا زمانہ نہیں ملا۔ لہذا ان کے لیے ایمان بالرسول کی شرط نہ رہی صرف توحید ہی نجات کے لیے کافی ہوگئی۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ شیخ اکبرؒ کی رائے مذکور اس موقع پر درست نہیں ہے کیونکہ وہ لوگ اہل توحید و رسالت ہی ہوں گے صرف کلمہ کا ذکر اس لیے ہوا ہے کہ کلمہ طیبہ یا کلمہ خلاص اسلام کا شعار و عنوان بن چکا ہے پس کلمہ کا ذکر شہادت رسالت کی تصریح سے مستغنی کر دیتا ہے اور فرمایا کہ حدیث قوی اس بارے میں وارد ہے کہ اہل فترت کا محشر میں امتحان لیا جائے گا اس طرح کہ ان کو حکم ملے گا اپنے آپ کو دوزخ میں ڈال دیں جو شخص فرمانبرداری کرے گا وہ نجات پائے گا اور جو انکار کرے گا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

اسی طرح جن لوگوں نے اس حدیث سے یہ سمجھا ہے کہ وہ لوگ صرف قائل بالکلمہ ہوں گے تصدیق باطن ان کے پاس نہ ہوگی انہوں نے بھی غلطی کی ہے کیونکہ صرف قول بلا تصدیق قلبی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔

لہذا مراد وہی لوگ ہیں جن کے پاس ایمان اور تصدیق بالشہادتین تو ضرور ہوگی مگر کوئی عمل نہ ہوگا اور وہ صرف کلمہ توحید کی برکت سے جہنم سے آزاد ہو کر دخول جنت کا شرف حاصل لیں گے۔

### امام بخاریؒ کے استدلال پر ایک نظر

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ اس امر پر سب شارحین کا اتفاق ہے کہ خیر سے مراد دونوں حدیث میں نفس ایمان پر زائد چیز ہے کیونکہ قرآن مجید میں ”او کسبت فی ایمانہا خیرا“ وارد ہے جو اس امر کی واضح دلیل ہے کہ خیر سے مراد عمل زائد علی الایمان ہے ایسے

ہی فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره و من يعمل مثقال ذرة شرا يره بھی اس کی دلیل ہے لیکن اکثر شراح نے خیر سے مراد وہ عمل لیا ہے جو جوارح قلب کسی سے بھی صادر ہو۔ اور ہم کہتے ہیں کہ خیر سے مراد اعمالِ قبلہ یا آثارِ ایمان میں اعمال جوارح نہیں ہیں کیونکہ اعمال جوارح والوں کو تو پہلے ہی نکال لیا جائے گا اس کے بعد حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ اب ان کو بھی نکال لو جن کے قلب میں کوئی حصہ بھی خیر کا ہو۔ تاہم یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہاں خیر سے مراد سب کے نزدیک امرِ زائد علی الایمان ہے تو یہاں سے زیادہ نقصان ثابت کرنا بھی نفسِ ایمان میں زیادہ نقصان کو ثابت نہ کرے گا بلکہ خیر میں کرے گا جو نورِ ایمان ہے اور زائد علی الایمان شاید امام بخاری اس نورِ ایمان کو بھی ایمان ہی کا ایک جز سمجھتے ہیں جس طرح اعمال وغیرہ کو مگر یہاں تو اس ایمان سے بحث ہو رہی ہے جو مدارِ نجات ہے۔ اور جب جہنم سے وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جن کے پاس کوئی عمل یا خیر بھی نہ ہوگی تو صاف طور سے واضح ہوا کہ مدارِ نجات یہی کلمہِ اخلاص ہے اور وہی ایمان بھی ہے جس میں زیادتی و نقصان نہیں ہوتا جو ائمہ حنفیہ اور دوسرے محققین کی رائے ہے۔ (تفصیل پہلے گزر چکی ہے)

### نکتہ بدیعہ

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے بارے میں صرف توحید کا ذکر اور شہادت رسالت کا بیان نہ فرمانا اور ارحم الراحمین جل ذکرہ کا ان کے اخراج کے لیے اختصاص و انفراد اس لیے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ صرف اس امت یا کسی دوسری امت کے افراد نہ ہوں گے بلکہ تمام امتوں میں سے ہوں گے لہذا ان کی صرف جہتِ عبودیت کی رعایت کی گئی امتیاع کا لحاظ نہیں کیا گیا جو رسولوں کے اعتبار سے ہوتی ہے پس مقررہ اصطلاحی کلمہ ذکر کیا گیا یعنی کلمہ توحید کلمہ متبدلہ بابتہ شہادت رسالت حذف کر دیا گیا۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے قول باری تعالیٰ و ما ارسلا من قبلك من رسول الا نوحي اليه لا اله الا انا فاعبدون میں صرف توحید کا ذکر ہوا حالانکہ وہ سب رسول اپنی اپنی رسالت کا اقرار بھی کر لیا کرتے تھے کیونکہ ایسا کوئی کلمہ مقررہ متعینہ نہیں تھا جس سے ہر نبی کی رسالت کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا۔

پھر یہ اس لیے بھی منقول ہے کہ محشر میں جب انبیاء ملائکہ و صالحین کی شفاعتوں سے نامعلوم تعداد جہنم سے نکالی جا چکے گی تو حق تعالیٰ کی رحمت عامہ کے بعد رحمت خاصہ کا ظہور بھی ہونا چاہئے جس کا درجہ سب کی شفاعتوں سے اوپر اور درامد الوریاء ہے کہ وہ الرحم الرحمین اہل البارین اکرم الاکرمین واجود الجوادین ہے اسی لیے وہ اپنے فضل خاص سے ایسے لوگوں کو جہنم سے نکال کر داخل جنت فرمائے گا جن کا کوئی عمل خیر نہ گا جس کی وجہ سے کسی کو شفاعت کا موقع مل سکے چنانچہ پہلے اشارہ بھی ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف توحید والوں کے لیے شفاعت کرنے کا اجازت طلب بھی کریں گے تو حق تعالیٰ شانہ فرمادیں گے کہ یہ آپ کا حق نہیں غرض اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو نکالیں گے جن کے لیے شافعین کی شفاعت بھی نہیں چل سکتی اور ایسے لوگوں کا نام بھی الگ ہی ہوگا یعنی عقلاء اللہ (خدا کے آزاد کئے ہوئے) کیونکہ وہ محض اس کی ذات منبع الصفات کے اسم مبارک کی وجہ سے آزاد ہوں گے۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ یہاں اس نکتہ انوریہ کے ذکر کی برکت سے یہ بات سامع ہوئی کہ جیسے پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ ان لوگوں کو خود ہی ایک مٹھ بھر کر نکالیں گے تو گو مقدار تو شفاعت الشافعین کے ذریعہ نکلنے والوں کی بھی کہیں ذکر نہیں ہوئی وہ خدا ہی کے علم محیط میں ہے مگر سمجھ میں یہ بات آرہی ہے کہ مقدار ان عقلاء اللہ کی بھی بہت بڑی ہوگی۔ خدا کی مٹھ کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟ مگر لفظ بہت بڑا ہے جس کی نسبت سب بڑوں کے بڑے کی طرف ہو رہی ہے اس لیے کیا اس لیے کیا عجب ہے کہ یہ تعداد پہلے نکالے جانے والوں سے بھی بڑھ جائے لہذا ”و رحمتی وسعت کل شیء“۔ اور مسبق رحمتی علی غضبی“ سے فائدہ اٹھانے والے بھی قسمت کے بہت پیٹے



نہیں رہیں گے۔ و کلنا لہ جوہر حمتک یا ربنا و نخشی عذابک۔ ان عذابک بالکفار ملحق۔

حضرت شاہ صاحبؒ علاوہ وجہ مذکور کے تین وجوہ اور بھی حدیث میں ذکر کلمہ اخلاص و حذف شہادت رسالت کے متعلق بیان فرماتے تھے ان کو بھی تکمیل فائدہ کے لیے درج کیا جاتا ہے۔

(۲) فرمایا کلمہ اخلاص (لا الا للہ) شرک فی الذات کی نفی کے لیے نہیں بلکہ شرک فی العبادۃ کے استیصال کے لیے ہے جس پر تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ مبنی ہے کیونکہ مکرین ربوبیت یا مشرکین فی الذات ہر زمانہ میں بہت ہی کم تعداد میں رہے ہیں لہذا اس کلمہ سے مقصود شرک فی العبادۃ ہی کا رد تھا حق تعالیٰ نے ان مشرکین کا قول نقل فرمایا ”ما تعبدہم الا لیقرہونا الی اللہ ذلھے“ یعنی خدا کو تو واحد مانتے تھے مگر ساتھ ہی یہ سمجھتے تھے کہ معبودان باطل کی عبادت سے خدا کا تقرب حاصل ہوگا۔ نیز فرمایا ”فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین“ اور فرمایا ”و اذا قیل لہم لا الہ الا اللہ یتکبرون“ معلوم ہوا کہ استکبار تھا جو نہیں تھا یعنی اس کلمہ کا سرے سے انکار نہ تھا کیونکہ استکبار علم کے بعد ہوتا ہے۔

### ایمان و کفر اہم سابقہ میں

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی امت سے قبل کی امتوں میں صرف ایمان تھا کفر بالکل نہ تھا اور آپ سب سے پہلے کفر کے مقابلہ پر مبعوث ہوئے ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام قوم غمرود کے لیے بھیجے گئے۔ وہ لوگ شرک فی العبادۃ میں مبتلا تھے۔ حضرت عیسیٰ موسیٰ علیہما السلام مقابلہ کفر کے لیے مبعوث نہیں ہوئے بلکہ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے جو اپنی قوم کے اعتبار سے مسلمان تھے کیونکہ وہ سب حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تھے پھر سب کے بعد حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے جب کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے دینی و علمی آثار جو ہو چکے تھے کلمہ اخلاص کی اصل و حقیقت بھی لوگوں کے دلوں سے نکل چکی تھی۔ اور اس کو جاننے پہچاننے والے بھی باقی نہ رہے تھے۔

### حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات و خدمات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سے اس کلمہ طیبہ کا احیاء کیا لوگوں کے دلوں میں اس کی صحیح معرفت ڈالی اور رب حقیقی کا مکمل تعارف کرایا کفر و شرک کی ایک ایک جڑ و شاخ کی نشان دہی فرما کر ان کو بیخ و بن سے اکھاڑا غرض احیاء و اعلاء کلمۃ اللہ کی ایسی نمایاں خدمات انجام دیں کہ اولیں و آخرین میں ان کی نظیر نہیں مل سکتی اور اب جن لوگوں نے بھی اس کلمہ اخلاص کو جانا پہچانا اور اس کے قائل ہوئے وہ سب حضور اکرم کی بدولت اور آپ ہی کی تقلید و اقتداء میں ہے۔ اسی لیے اس کلمہ کا قائل ہونا شہادت رسالت کو بھی مستلزم ہے اور اسی پر مسلم شریف کی مشہور حدیث بھی محمول ہے ”من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة“ کیونکہ بدوں شہادت رسالت کے اس کا کوئی معنی نہیں بلکہ مقصد یہی ہے کہ جو شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید و اقتداء میں کلمہ کا قائل ہوگا وہ جنت میں داخل ہوگا جب یہ کلمہ مذکورہ اس تقریب و تعارف سے کہا تو اقرار و شہادت رسالت خود ہی حاصل ہے اس لیے علماء امت نے فیصلہ کیا ہے کہ جو شخص اس کلمہ کو بدوں تقلید رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کہے گا اس کا ایمان صحیح نہیں اس تفصیل سے دوسری وجہ حدیث میں حذف شہادت رسالت کی معلوم ہوئی۔

(۳) صیغہ شہادت (اشہد ان لا الہ الا اللہ) پر جہت ایمان کا غلبہ ہے اور وہ عام اذکار میں سے نہیں ہے بخلاف کلمہ اخلاص لا الہ الا اللہ کے کہ اس پر جہت ذکر بھی ہے پس شہادت توحید و رسالت ذکر نہیں بلکہ ایمان ہے۔ اسی شہادت توحید کے ساتھ شہادت رسالت بھی ملائی جاتی ہے کیونکہ ایمان بدوں اس کے مکمل نہیں ہو سکتا اور کلمہ اخلاص (بدوں لفظ شہادت) میں دوسرا جز و کم بولا جاتا ہے کیونکہ وہ اذکار میں شامل ہوتا ہے اور مقصود اصحاب ذکر ہوتے ہیں۔

پس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حق تعالیٰ سے کلمہ گو لوگوں کے بارے میں اجازت طلب کی تھی اس سے بھی مقصود اس ذکر والے تھے جنہوں نے شہادت توحید و رسالت دی تھی۔ یہاں اصحاب ذکر سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو بطور ورد اس کلمے کو پڑھتے ہیں کیونکہ وہ اصحاب الاعمال ہیں غرض قول بالکلمہ مسلمانوں کے لیے بطور عنوان ہے اور عنوان مشہور بول کر معنون و مصداق مخصوص مراد لیا کرتے ہیں پھر یہ عنوان یہاں اس لیے بھی اختیار کیا گیا تاکہ ان لوگوں کے جہنم سے بغیر کسی عمل و خیر کے نکلنے کی وجہ کی طرف بھی اشارہ ہو جائے۔

(۴) کلمہ اخلاص (لا الہ الا اللہ) کا دور دورہ ابد الابد تک پاتی رہے گا (کیونکہ اذکار جنت میں بھی رہیں گے) اور پڑ کر ہوا کہ مذکورہ بالا کلمہ میں جہت ذکر بھی ہے بخلاف ”محمد رسول اللہ“ کے کہ اس میں صرف جہت ایمان ہے جہت ذکر نہیں ہے ذکر کی صورت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بصورت درود سلام ہے کلمہ مذکورہ (محمد رسول اللہ) کی صورت میں نہیں ہے لہذا اس کلمہ کا دور بھی اس دنیوی زندگی کے دور کے ساتھ پورا ہو جاتا ہے اس زندگی کے بعد نہیں رہتا اور کلمہ توحید کا معاملہ مستقبل میں بھی رہتا ہے۔ غرض جنت میں صرف اذکار رہیں گے اور محمد رسول اللہ اذکار میں سے نہیں ہے۔

چونکہ حدیث میں ذکر محشر کا ہے اس لیے وہاں کے حسب حال بھی صرف ذکر کلمہ اخلاص ہے جس کا سکھ اس وقت اور بعد کو بھی چالو رہے گا اور شہادت رسالت کا ذکر حذف کر دیا گیا کہ نہ وہ اس وقت کے حسب حال ہوگا نہ بطور ذکر اس کا اجراء ہوگا ”لنمکن الملک الیوم۔ للہ الواحد القہار“

ضروری فائدہ: اوپر کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ سب سے آخر میں نکالے جانے والے لوگوں کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہوں گے کہ ان کے پاس کوئی عمل خیر نہیں ہے صرف قائلین توحید ہیں چنانچہ آپ رب العزت سے ان کو نکالنے کی بھی اجازت طلب فرمائیں گے جس پر اللہ تعالیٰ بوجہ مفصلہ بالا ”لیس ذلک لک“ (یہ حق آپ کا نہیں ہے) یا (یہ کہ یہ کام آپ کے لیے مقدر نہیں ہے کیونکہ اس کو خود ارحم الراحمین انجام دیں گے) فرمائیں گے اس کے بعد یہ نظریہ قائم کرنا کہ ”ان لوگوں کا ایمان اس قدر مضحل ہوگا کہ سید الا نبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی عیسیٰ نظر بھی اس کو نہ دیکھ پائے گی درست نہیں معلوم ہوتا۔

اس کے علاوہ یہ کہ گونا گویا ہر جنوں کی نظریں اعمال جوارح پر پڑتی ہیں مگر باطن کی نگاہیں تو اعمال قلوب کو دیکھتی ہیں پھر خدا کے نامین عالی مقام پیغمبران عظام سے ایمان کی روشنی کیونکر چھپ سکتی ہے اس چیز پر تو ان کی نظر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ ہوتی ہے اور ہم یہ تحقیق بھی اہل کشف سے نقل کر چکے ہیں کہ تمام مومنین کے انوار ایمانی نور معظم مرکز نبوت علی صاحبہا الف الف تحیات و تسلیمات کے اجزاء ہیں تو کیا باپ یا اصل سے اس کی اولاد فروغ چھپ سکتی ہے؟ غرض یہ بات عقلاً و نقلاً درجہ اعتبار سے ساقط ہے اور اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علم غیب کی نفی پر استدلال کرنا اور بھی زیادہ عجیب اور بے محل ہے البتہ علم غیب کی نفی کے دوسرے دلائل محکمہ موجود ہیں جو اپنے موقع پر ذکر ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔ و منه التوفیق السداد الصواب۔

تنبیہ مہم: حضرت شاہ صاحب قدس سرہ نے جو توجیہات شہادت رسالت کے ذکر نہ کرنے کے بارے میں ارشاد فرمائی ہیں ان سے یہ بات واضح ہے کہ بغیر شہادت رسالت کے ایمان مکمل نہیں ہوتا اور حدیث ”من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنة“ کے ضمن میں علماء امت کی یہ تصریح بھی سامنے آچکی کہ توحید کے ساتھ اقرار رسالت اور ان تمام باتوں پر عقیدہ ضروری ہے جن کا ثبوت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو ضروری طور سے پہنچ گیا ہے اسی طرح یہ امر بھی سب کو معلوم ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے ادیان انبیاء کی آمد حسب ضرورت وقت و زمانہ ہوتی رہی ہے اور بعد کے ادیان سابقہ ادیان کے لیے ناسخ ہوتے آئے ہیں پھر سب سے آخر میں خاتم الانبیاء علیہم السلام کا سب سے زیادہ مکمل اور آخری دین آیا جس نے اس سے پہلے کے تمام ادیان کو منسوخ کر دیا اور اعلان کر دیا گیا۔ الیوم اکملت

لکم دینکم و الاممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا۔ اور ومن یتبع غیر الا سلام دینا فلن یقبل منه و هو فی الآخرة من الخاسرین (جو شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین چاہے گا وہ ہرگز قابل قبول نہ ہوگا اور ایسا شخص آخرت میں ناکام و نامراد ہو گا) اسی لیے کسی کا یہ خیال کرنا قطعاً غلط اور گمراہ کن ہوگا کہ ”دنیا کے موجودہ دین سب حق پر ہیں اور اگر ہر دین والا اپنے دین کے صحیح اصولوں پر عمل کرے تو وہ ناجی ہے۔“ اول تو ادیان سابقہ میں سے کوئی دین اپنی اصل حالت پر باقی نہیں رہا اور بالفرض اگر ہو بھی تو وہ آخری دین خاتم الانبیاء کے ذریعہ منسوخ ہو چکا پھر اس بات کی کیا قدر و قیمت ہے کہ اپنے اپنے دینوں کی صداقتوں پر عمل کر لینا نجات آخری کے لیے کافی ہے ایسے ہی غلط نظریات کے تحت شہنشاہ اکبر کے زمانے میں ”وحدت ادیان“ کا خاکہ بنا کر اس کو عملی منصوبہ بنانے کی سعی ناکام ہوئی تھی۔

## ترجمان القرآن کا ذکر

ہمارے زمانہ میں اسی کی ایک شکل کو مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی تفسیر ”ترجمان القرآن“ میں آیت ”اهدنا الصراط المستقیم“ کے تحت اپنے خاص انداز میں پوری قوت کے ساتھ پیش کیا جس کو پڑھ کر گاندھی جی نے لکھا تھا کہ ”مجھے مولانا کی تفسیر پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی کہ صداقت تمام ادیان میں مشترک ہے یہی نظریہ میرے نزدیک بھی صحیح ہے۔“ لیکن چونکہ مولانا آزاد کی اس قسم کی تعبیر اصول و نظریات

۱۔ چند تعبیرات ملاحظہ ہوں:- (۱) صفحہ ۱۸۰ (مطبوعہ زمزم پبلی لائبر) میں ”الہدیٰ“ کے تحت ایک سرفنی دی گئی ہے۔

”وحدت دین کی اصل عظیم اور قرآن حکیم“ پھر لکھا: ”یہ اصل عظیم قرآن کی دعوت کی سب سے پہلی بنیاد ہے جو کچھ بھی بتانا چاہتا ہے۔ تمام اسی حاصل پٹی ہے اگر اس اصل سے قطع نظر کر لی جائے تو اس کا تمام کارخانہ دعوت درہم برہم ہو جائے لیکن تاریخ عالم کے عجائب تعارفات میں سے یہ واقعہ بھی سمجھنا چاہئے کہ جس دین قرآن نے اس اصل پر زور دیا تھا اتنا ہی زیادہ دنیا کی نگاہوں نے اس سے اعراض کیا حتیٰ کہ کہا جاسکتا ہے آج قرآن کی کوئی بات بھی دنیا کی نظروں سے اس دین پوشیدہ نہیں ہے جس قدر کہ یہ اصل عظیم سوچا جائے کہ دنیا کے عجائبات تعارفات میں سے مولانا آزاد کا تعارف مذکور ہے یا ہر زمانے کے ان ملاکوں ہزاروں علماء دین کا جنہوں نے وحدت ادیان کی اصل عظیم قرآن حکیم کا مدلول و صداق اس طرح نہیں سمجھا ہمارے نزدیک قرآن کے لئے سب سے پہلی شرط عربی زبان کی کا حقد و اقیقت ہے مولانا آزاد نے اپنی مذکورہ بالا تفسیر میں آیت قرآنی ”والله فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما للذین فضلوا لبرادى رزقهم علی ما ملکت ایمانهم لهم فیہ سواء“ میں لهم فیہ سواء کا ترجمہ فاقو حال یہ بنا کر ”حالانکہ وہ برابر ہیں“ کیا ہے تاکہ ”معاشی مساوات“ قرآن مجید سے یہ صراحت نام ثابت ہو مگر یہ بھی عجائب تعارفات عالم میں سے ہی ہے کہ نہ کسی مفسر نے اس فاقو حال یہ سمجھا اور نہ عربی زبان میں فاقو استعمال و مواہیک کی طرح ہوا ہے کیا یہ وضعیت کا ذوق نہیں ہے کہ سلف و خلف علماء امامت کے خلاف اور عربیت سے بھی آزاد ہو کر نئے معنی وضع کئے جائیں دوسروں کو وضعیہ کا الزام دینا اور خود اس میں اس وجہ استغراق کہاں کا انصاف ہے؟ کیا وضعیہ کی کوئی مثال اس سے بڑی مل سکتی ہے؟ ہمارے ایک محترم عالم دین نے بھی اپنی ایک تصنیف میں آیت مذکورہ کا ترجمہ اس طرح کر دیا تھا مگر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی بروقت رہنمائی اور اپنی فطری حق پسندی کے باعث انہوں نے کتاب کے دوسرے ایڈیشنوں میں اس غلطی کی اصلاح فرمادی تھی (واللہ اعلم)

(۲) صفحہ ۱۸۳/۱ میں ”ہدایت ہمیشہ ایک ہی رہی اور وہ ایمان و عمل صالح کی دعوت کے سوا کچھ نہ تھی“ کا عنوان دے کر لکھا کہ یہ عالمگیر قانون سعادت کیا ہے؟ ایمان اور عمل صالح کا قانون ہے یعنی ایک پروردگار عالم کی پرستش کرتی اور نیک عمل کی زندگی بسر کرنی اس کے علاوہ اور اس کے خلاف جو کچھ بھی دین کے نام سے کہا جاتا ہے۔ دین حقیقی کی تعلیم نہیں ہے۔“

(۳) صفحہ ۱۹۴/۱ میں تحت عنوان ”سچائی اصل سب کے پاس ہے مگر عمل سب نے کھودی“ لکھا: قرآن کہتا ہے سچائی اصل سب کے پاس ہے مگر عمل سب نے کھودی ہے سب کو ایک ہی دین کی تعلیم دی گئی تھی اور سب کے لئے ایک ہی عالمگیر قانون ہدایت تھا لیکن سب نے اس حقیقت ضائع کر دی اور ”الدین“ پر قائم رہنے کی جگہ الگ الگ گروہ بندیاں کر لیں۔“

(۴) صفحہ ۲۰۱/۱ میں بڑی سرفنی ”قرآن کی دعوت“ کے تحت دوسری سرفنی اس طرح ہے ”سب کی یکساں تصدیق اور سب کے متفقہ دین کی پیروی اس (قرآن) کی دعوت کا اصل اصول ہے۔“ پھر لکھا: اسی لئے اس کی دعوت کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ تمام بائیان مذاہب کی یکساں طور پر تصدیق کی جائے یعنی یقین کیا جائے کہ سب حق پر تھے سب خدا کی سچائی کے پیغام بر تھے سب نے ایک ہی اصل و قانون کی تعلیم دی اور سب کی اس متفقہ تعلیم پر کار بند ہونا ہی ہدایت و سعادت کی تہا راہ ہے۔

(۵) صفحہ ۲۰۸/۱ میں ”اسلام“ کے تحت لکھا: ”وہ کہتا ہے خدا کا شہر لاہور دین جو کچھ ہے یہی ہے اس کے سوا جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سب سبائی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسلام کے خلاف تھی اس کی مفصل تردید رسالہ معارف اعظم گڑھ میں شائع ہو گئی تھی پھر ایک ہندوی عالم نے ہفتہ وار اخبار ”فتح“ مصر میں ایک مضمون عربی میں شائع کیا جس میں تفسیر مذکور کی ضرورت سے زائد مداح سرائی کی تو اس کی خلافی کے لیے رفیق محترم حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری شیخ الحدیث و ناظم جامعہ عربیہ ندوۃ اہل کراچی نے مقدمہ مشکلات القرآن میں تفسیر مذکور پر محققانہ تنقید کی جو عربی زبان میں بہت عرصہ ہوا مجلس علمی ذابھیل سے شائع ہوئی تھی۔ مولانا موصوف نے نہ صرف اس نظریہ کی غلطی پر کافی لکھا تھا بلکہ تفسیر مذکور کی دوسری بہت سی اغلاط کی بھی نشان دہی کر دی تھی جس کو پڑھ کر حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی نے مولانا بنوری کو تائید و تحسین کے طور پر ایک مکتوب بھی لکھا تھا اس محققانہ تنقید کا اردو ترجمہ چند سال قبل ایک عالم دین نے رسالہ دارالعلوم دیوبند میں شروع کیا تھا جس کی اشاعت مولانا آزاد مرحوم نے رکوا دی تھی۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

## مولانا آزاد کی سیاسی خدمات

مولانا آزاد مرحوم کے بارے میں اوپر کی تحریر سے صرف مذہبی و علمی لحاظ سے ”نامعیاری شان“ کا اظہار ہوتا ہے اس کے علاوہ ان کی سیاسی ملکی و قومی خدمات کی نہایت ”اعلیٰ معیاری شان“ کا انکار کسی طرح نہیں بلکہ ان کی گراں قدر خدمات کا نہ صرف اعتراف بلکہ زیادہ سے زیادہ ہمارے دل میں قدر و منزلت بھی ہے۔ حق تعالیٰ ان کی زلات کو معاف فرمائے گاندھی جی کی طرح ہمارے بہت سے مسلمان بھائی بھی خصوصاً کانگریسی تعلیم یافتہ حضرات ان کی شائع شدہ تفسیر وغیرہ سے غلط تاثرات لیتے ہیں اس لیے اتنی صراحت یہاں ذکر کر دی گئی حسب ضرورت آئندہ بھی لکھا جائے گا تا کہ دینی و ملی تحقیق کا بلند معیار شخصیت کے غلط دباؤ سے آزاد رہے۔ واللہ الموفق۔

## وزن اعمال

حدیث الباب میں جو ایمان کے وزن و تجمد کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے اور اسی طرح قرآن مجید میں بھی اعمال کے وزن و تجمد کی طرف اشارات ملتے ہیں تو اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہاں کے بہت سے اعراض و معانی محشر میں مجسد ہو کر محسوس کرائے جائیں گے یا بقدر اعمال ان کو جسم دے دیا جائے گا تا کہ وزن ہو سکے۔

علامہ قسطلانی نے لکھا کہ قیامت میں اعمال کو جواہر کی شکل میں متحمل کیا جائے گا پس نیکیوں کے پلڑے میں سفید روشن جواہر ہوں گے۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابق) گروہندیل کی گرہیاں ہیں پس اگر تم خدا پرستی اور عمل صالح کی اصل پر عزم سب کے یہاں اصل دین ہے ”جمع ہو جاؤ اور خود ساختہ گمراہیوں سے باز آ جاؤ تو میرا مقصد پورا ہو گیا میں اس سے زیادہ اور کیا چاہتا ہوں؟“

(۶) صفحہ ۲۱۳ میں ”خلاصہ بحث“ کی سرخی کے بعد لکھا۔ اس (قرآن) نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام مذاہب سچے ہیں لیکن بیروان مذہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی از سر نو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گیا اور انہوں نے مجھے قبول کر لیا تمام مذاہب کی یہی مشترک اور محفوظ سچائی ہے جسے ”الدین“ اور ”الاسلام“ کے نام سے پکارتا ہے۔

(۷) صفحہ ۲۱۸ میں ایک سرخی ”صراط مستقیم کے تحت لکھا۔ ان گروہندیل میں سے کوئی گروہندی بھی ایسی ہے جو اپنے جوہل عقیدوں ناقابل فہم عقیدوں اور ناقابل برداشت عملوں کی ایک طویل و طویل فہرست نہ دے سکے لکھا کہ عقائد و اعمال کی پہلی فہرست صرف دو لفظوں میں ختم کر دی جاسکتی ہے ایمان اور عمل صالح اس (قرآن) کے عقائد میں عقل کے لئے کوئی بوجہ نہیں اس کے اعمال میں طبیعت کے لئے کوئی توجہ نہیں ہر طرح کے پچاؤم سے پاک ہر معنی میں اعتقاد و عمل کی سیدھی سیدھی بات۔

(۸) آخر میں سورۃ فاتحہ کی تطبیسی روح کے تحت لکھا۔ ”وہ راہ جو دنیا کے تمام مذہبی رہنماؤں اور تمام راست باز انسانوں کی متفقہ راہ ہے خواہ کسی عہد اور کسی قوم میں ہوئے ہوں۔“ (صفحہ ۲۵۳)

یہ چند نمونے ہیں اسلامی عقائد و اعمال کے بارے میں مولانا کا ایک خاص نظریہ تھا جس کی جھلک یہاں دیکھی گئی اور بعض اہم امور دینی کے متعلق خود راقم الحروف کی مولانا مرحوم سے مکاتبت بھی رہی ہے اور مولانا کی تحریریں محفوظ ہیں حسب ضرورت ان کی بھی اشاعت ہو سکتی ہے۔ (مؤلف)

برائیوں کے پلڑے میں سیاہ تار یک جواہر ہوں گے یا محض تمثیل کے طور پر ہمیں یہاں سمجھنے کے لیے ایک معیار دیا گیا ہے حقیقتہً وزن بتلانا نہیں ہے مگر تحقیقی بات وہی ہے جو اوپر ذکر ہوئی ہے آج سائنس کی ایجادات بھی اس کی تائید کرتی ہیں یورپ میں ہوا بھی تولی جاتی ہے اور ٹائر ٹیوب میں وزن کر کے بھری جاتی ہے اور اسی وزن کے حساب سے اس کی قیمت ہوتی ہے جرمنی میں ایسے کانٹے ایجاد ہو گئے جن میں انسانی اخلاق بھی تولے جاتے ہیں۔

علامہ ططاوی نے اپنی تفسیر صفحہ ۱۳۸/۲ میں لکھا کہ حق تعالیٰ نے اس دنیا میں سارا نظام نہایت صحیح وزن و مقدار سے قائم کیا ہے حتیٰ کہ تمام ذرات اور حرکات و سکنات کو بھی وزن کیا ہے؟ اور جس شخص نے علم الفلک، علم طبیعت و علم کیمیا کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ پانی جو آکسیجن اور ہائیڈروجن سے بنتا ہے ان دونوں کے ذرات بھی نہایت ہی صحیح وزن و مقدار کے ساتھ ملائے جاتے ہیں اگر مقررہ مقدار سے ایک ذرہ بھی دونوں میں سے کم و بیش ہو جائے تو پانی نہیں بن سکتا اسی طرح سے نباتات و حیوانات وغیرہ کا ترکیب بھی خاص متعین مقدار ذرات و عناصر سے ہوتا ہے و کل شیء عندہ بمقدار، عالم الغیب و الشہادۃ الکبیر المتعال جس قادر مطلق علیم و خیر نے باریک ترین ذرات عالم اور حرکات و سکنات تک کا وزن یہاں دنیا میں قائم کیا ہے وہ اشرف المخلوقات ”انسان کے اعمال زندگی کو بھی آخرت میں تولنے کا انتظام فرمادیں گے تو اس کے ماننے میں کیا تاثر ہو سکتا ہے؟

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ محشر میں اچھے اعمال کو اچھی صورت میں اور برے اعمال کو بری صورتوں میں لایا جائے گا اور ان کو ترازو کے پلڑوں میں رکھ دیا جائے گا علامہ بغوی نے بعض علماء کی رائے نقل کی کہ عمل کرنے والوں کو تولایا جائے گا کہ صحیحین میں ایک حدیث ہے قیامت کے روز ایک شخص قد آور خوب موٹا آئے گا مگر خدا کے یہاں اس کا وزن ایک مجھر کے پر کے برابر بھی نہ ہوگا دوسرے حضرات کی رائے ہے کہ اعمال تولے جائیں گے لیکن ہر عمل کا وزن خدا کو معلوم ہے ترمذی و مسند احمد کی روایت ہے کہ ”قیامت کے روز میری امت کے ایک شخص کی گلو خلاصی عجیب طریقہ سے ہوگی اس کے اعمال بد کے ۹۹ دفتر ہوں گے اور ہر دفتر خوب طویل ہوگا سب دفتر اس کو کھول کھول کر دکھلا جائیں گے کہ اچھی طرح دیکھ کر بتلاؤ کہ یہ سب تمہارے ہی اعمال ہیں یا نہیں؟ اور ہمارے لکھنے والے فرشتوں نے کوئی غلطی تو نہیں کی؟ وہ عرض کرے گا یا رب سب صحیح لکھا ہے غلطی کچھ نہیں کی حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ کوئی عذر ہو تو کہہ سکتے ہو! عرض کرے گا یا رب! عذر بھی کچھ نہیں ہے۔ اس پر حق تعالیٰ کی رحمت خاصہ اس پر مبذول ہوگی ایک بلاقہ (کاغذ کا پرزہ) نکالیں گے جس پر کلمہ شہادت لکھا ہوگا جو اس شخص کے ایمان کا وثیقہ ہوگا حق تعالیٰ کے حکم سے اس بلاقہ کو ترازو کے پلڑے میں اور ان تمام دفتروں کو دوسرے میں رکھ دیا جائے گا وہ سب دفتر ہلکے ہوں گے اور مذکورہ بلاقہ بھاری ہوگا اور حق تعالیٰ جل ذکرہ کے اسم مبارک کے مقابلہ میں تو دنیا و مافیہا بھی بھاری نہیں ہو سکتے۔ واضح ہو کہ ہر عمل کا وزن جدا ہوگا جس کی بڑی وجہ اخلاص کی کمی و زیادتی ہوگی اور عمل جو ارجح و عمل قلب میں بھی فرق ہوگا ”نیۃ المؤمن خیر من عملہ اور عمل و ایمان کے وزن میں بھی بڑا فرق ہوگا جس کو نمایاں کرنے کے لیے اس شخص کے بلاقہ کا وزن کیا جائے گا اور بظاہر وہ شخص ان ہی لوگوں میں سے ایک ہوگا جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالے جائیں گے۔ جن کے پاس کوئی عمل خیر نہ ہوگا صرف کلمہ اخلاص کے ساتھ رابطہ ہوگا۔ ایمان و عقیدہ صحیح ہوگا جس کو حدیث میں قول لا الہ الا اللہ کے عنوان سے تعبیر کیا گیا اور ان کے بلاقہ میں بھی پورا کلمہ شہادت لکھا ہوا ہوگا ایسے لوگوں کا عمومی اخراج اور جہنم سے آزادی اسی وقت ہوگی جب ارحم الراحمین کی مشیت ہوگی۔

### امام غزالی کا استنباط

امام موصوف نے آخر جوا من النار من کان فی قلبہ سے استنباط کیا کہ وہ شخص بھی ناجی ہوگا جو دل سے ایمان لایا مگر کلمہ پڑھنے کا وقت نہ ملا کہ موت آگئی البتہ جس کو وقت و قدرت کلمہ پڑھنے کی ملی پھر بھی زبان سے اقرار نہ کیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ تارک صلوة کے حکم میں

رہے کہ مخلد فی النار نہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا ایمان ناقص قرار پائے اور نجات نہ پائے امام غزالی کے علاوہ دوسرے حضرات نے اسی دوسری صورت کو ترجیح دی ہے، فشاء ان دونوں احتمال کا وہی خلاف ہے کہ نطق بالایمان شرط ایمان ہے یا محض شرط اجراء احکام ہے، جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۲۲) حدثنا محمد بن عبيد الله قال ثنا ابراهيم بن سعد عن صالح عن ابن شهاب عن ابی امامة بن حنیف انه سمع ابا سعد بن الخدری يقول قال رسول الله صلى الله عليه وسلم بينا انا قائم رایت الناس يعرضون علی و علیها قمص منها ما يبلغ الشدی و منها ما دون ذلک و عرض علی عمر بن الخطاب و علیہ قميص بجره قالوا فما اولت ذلک یا رسول الله قال الدين۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں سورہا تھا خواب میں دیکھا لوگ میرے سامنے پیش کئے جا رہے ہیں اور وہ کرتے پہنے ہوئے ہیں کسی کا کرتہ سینے تک ہے اور کسی کا اس سے نیچا ہے (پھر میرے سامنے عمر بن الخطاب لائے گئے ان کے (بدن) پر (جو) قمیض ہے اسے گھسیٹ رہے ہیں (یعنی زمین تک نیچا ہے) صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر لی؟ آپ نے فرمایا کہ (اس کا مطلب) دین ہے۔

تشریح: ”بجر قميص“ (اپنا پیرا ہن زمین پر گھسیٹتے تھے) حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے اس لیے اس کو بیداری کے مسائل میں نہ گھسیٹنا چاہئے کہ اس بال مکروہ ہے۔

”تاؤلت“ تاؤل کے معنی سلف میں طلب مال اور اخذ مراد و صداق کے ہیں جیسا کہ ”هذا تاویل رؤیای“ میں لہذا متاخرین کی اصلاح پر کسی بات کو ظاہر سے پھرانے کا معنی یہاں نہیں ہے۔

”الدین“ یعنی جس طرح قمیض لباس حیا و زینت ہے اور گرمی و سردی سے بچنے کا سبب بھی اسی طرح دین بھی دنیوی عزت و وقار کا ضامن اور آخرت کے عذاب و عقاب سے بچنے کا سبب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں لوگوں کی دینی حالت دکھائی گئی اور جو لوگ پیش ہوئے ان میں حضرت عمر کا دین سب سے بڑھا ہوا دیکھا۔ بحث و نظر: امام بخاری کا مقصد دین کے لحاظ سے لوگوں کا باہمی تفاضل و تفاوت بتلانا ہے اور چونکہ دین و ایمان ان کے نزدیک مترادف ہیں اس لیے گویا ایمان کی زیادتی و نقصان کا ثبوت ہوا۔ لیکن ہم تفصیل سے بتلا آئے کہ دین کا اطلاق ایمان و اسلام کے مجموعہ پر آتا ہے اس لیے ایمان میں کمی و زیادتی کا ثبوت نہیں ملتا۔ اور اعمال کے سبب دین کے تفاضل و تفاوت سے کسی کو انکار نہیں ہے۔

دوسری کسی قدر اہم بحث یہاں یہ ہے کہ حدیث مذکور سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت دوسرے تمام لوگوں پر معلوم ہوتی ہے حالانکہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ باجماع امت و آثار قطعاً سب میں افضل ہیں اس کے بہت سے جوابات دیے گئے ہیں مگر سب سے بہتر یہ ہے کہ اس سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فضیلت جزوی ثابت ہوتی ہے جو حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت کلی کے مخالف نہیں جزئی بسا اوقات چھوٹوں کو بڑوں پر حاصل ہو جاتی ہے جس کی نظائر بکثرت ہیں۔ اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ مجھے ان پر فضیلت مت دو۔ اس سے آپ کا مقصد ان حضرات کے جزوی فضائل کو نمایاں کرنا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ آپ تمام انبیاء علیہم السلام پر فضیلت کلی رکھتے ہیں بلکہ تمام انبیاء اپنے کمالات و فضائل میں آپ سے مستفید ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جس جزوی فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ بعض اکابر کے ارشاد کے موافق آپ کے عہد خلافت کی نمایاں و کثیر اسلامی فتوحات ہیں اگرچہ ان فتوحات کثیرہ کے لیے بھی بنیادی طور سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی نے زمین ہموار کی تھی اگر وہ اپنے



دور میں فتنہ ارتداد کو اپنی اعلیٰ قابلیت اور نہایت بلند حوصلگی سے روک نہ دیتے تو قریب و بعید ممالک میں اسلامی شوکت کا وہ بے نظیر رعب و دبدبہ قائم نہ ہو سکتا جس سے تمام اعداء اسلام کے پتے پانی ہو گئے اور سب اپنی اپنی جگہ سہم و ٹھک کر رہ گئے گویا جن قلوب کو حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے مختصر دور خلافت کے دو سال اور چار ماہ میں فتح کر لیا تھا ان ہی کے ظاہری ہیاکل و متعلقات کو اسلامی لشکروں کی بے پناہ یلغار کے ذریعہ حضرت عمرؓ نے اپنے طول طویل دور خلافت میں فتح کیا اس لیے دونوں کے کارناموں میں ظاہر و باطن کی نسبت معلوم ہوتی ہے ایک کا طرہ امتیاز باطنی فتوحات تھیں تو دوسرا ظاہری فتوحات کی خصوصیت سے نوازا گیا اور شاید پیراہن سے اسی طرف اشارہ بھی ہو۔ والعلم عند اللہ

بقا ہر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے بڑے ممالک اور ایک ہزار سے زائد شہروں کو اسلام کا زیر نگین کیا ساری دنیا پر ان کا رعب و جلال چھا گیا مگر کیا یہ حقیقت نہیں کہ ان سے پہلے اسی نسبت و وسعت کے ساتھ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ساری دنیا کے قلوب و ارواح کو اسلام کی عظمت و شوکت کے سامنے جھکنے پر مجبور کر دیا تھا اس لیے زیادہ گہرائی میں جانے سے معلوم ہوگا کہ اس بارے میں بھی فضیلت کی حق داری دونوں حضرات کو برابر درجہ کی حاصل ہے بلکہ داخلی قوتوں کی روک تھام کا درجہ بیرونی قوتوں کے استیصال سے کئی لحاظ سے بڑھا ہوا بھی ہے لہذا کوئی اشکال ہی یہاں پیدا نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب الحیاء من الایمان۔ (حیاء ایمان کی علامت ہے)

۲۳۔ حدثنا عبد اللہ بن یوسف قال اخبرنا مالک بن انس عن ابن شہاب عن سالم بن عبد اللہ عن ابیہ ان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر علی رجل من الانصار و هو یعط اخاه فی الحیاء فقال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم دعه فان الحیاء من الایمان۔

ترجمہ: حضرت سالم بن عبد اللہ اپنے باپ (عبد اللہ بن عمر) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کی طرف سے گزرے آپ نے دیکھا کہ وہ انصاری اپنے بھائی کو حیاء کے بارے میں کچھ سمجھا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کیونکہ حیاء ایمان ہی کا ایک حصہ ہے۔

تشریح: ایک انصاری دوسرے انصاری بھائی کو حیاء و شرم کے بارے میں سمجھا رہا تھا کہ اس کو کم کرو جس سے تم، نہ قدر تنہا، نہ بھار ہے ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو فرمایا کہ حیاء سے مت روکو وہ تو ایمان سے ہے وعظ کے معنی نصیحت کرنا اور برائی سے روکنا ہے دوسری روایت میں یعظ کی جگہ یعاتب ہے یعنی عتاب کے لہجہ میں سمجھا رہے تھے انصاری کا مقصد یہ تھا کہ حیاء کا غلبہ اس قدر ٹھیک نہیں کہ جس سے اپنے حقوق بھی وصول نہ کر سکے وغیرہ مگر نبی رحمت (ارواحِ فداء) صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اصول و کلیات پر تھی فرمایا کہ حیاء کے بارے میں کچھ مت کہو وہ تو بہت اچھی خصلت ہے جو انسان کو بہت سی برائیوں اور معاصی سے باز رکھتی ہے اسی لیے وہ ایمان کی تکمیل کرنے والی چیز ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام بخاری چونکہ اعمال کو اجزاء ایمان مانتے ہیں اس لیے من کو یہاں جمع فیہ لیا ہے کہ حیاء ایمان کا جزو ہے اور ہم کہتے ہیں ابتدائیہ ہے کہ حیاء کا منشاء ایمان ہے اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حیا امانت کی طرح ایسا وصف حسن ہے جو مقدمہ ایمان بنتا ہے۔ حدیث میں ہے ”لا ایمان لمن لا احالة له اسی طرح حیاء بھی ان اخلاق حسنہ میں سے ہے جو ایمان کے لیے بطور مبادی و مقدمات ہیں پس جس طرح وصف امانت ایمان پر مقدم ہے وصف حیا بھی مقدم ہوتی چاہئے۔ امانت وہ وصف ہے جس کی وجہ سے اس وصف والے پر سب کو اپنے احوال و انفس کے بارے میں اعتماد و اطمینان کلی حاصل ہوا ہے چونکہ یہ وصف حق تعالیٰ نے صرف انسان کو عطا فرمایا تھا اسی لیے آسمانوں زمینوں نے امانت کا بوجھ اٹھانے سے عذر و انکار کیا کیونکہ وہ ایسے کواصاف کے حامل نہیں تھے اور انسان نے باوجود اپنے ضعف کے بھی ایسے اوصاف کا حامل ہونے کے باعث سہقت کر کے ایمان کا بوجھ اٹھالیا دوسری عبارت میں اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں

کہ ہر چیز کو اپنے محل میں رکھنا اور ہر مستحق کو اس کا پورا حق دے دینا ”امانت“ ہے اور اس کی ضد ”غش“ ہے یعنی کسی چیز کو اس کے مرتبے سے گرانے اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو فرمایا۔ یا ہنی! ان قدرت ان تصبح ونمسی و لیس فی قلبک غش لا حد فافعل“ (برخوردار) اگر تم ہر صبح و شام اس طرح گزار سکو کہ تمہارے دل میں کسی کے حق و مرتبے کو کم کرنے کا ارادہ و تصور نہ آئے تو ایسا ضرور کرو اللہ اکبر! یہی تعجبی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تزکیہ نفس کی شانِ بشت لا نعم مکارم الاخلاق کیا بڑے سے بڑا ولی بھی اس سہل متمتع اعلیٰ معیار پر اپنی زندگی ڈھال سکتا ہے؟ الا ما شاء اللہ۔

سہل متمتع کا لفظ اس لیے عرض کیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ محبت اور منعمِ حقیقی کے فضل و انعام سے ایسے اعلیٰ معیار کے اخلاق جو ہمارے لیے متمتع و دشوار معلوم ہوتے ہیں صحابہ کرام کے لیے نہایت آسان ہو گئے تھے اور اسی لیے ان سب کی زندگی ہم سب کے لیے تمثالی و معیاری بن گئی۔ و لہ الحمد و المنة۔

باب فان تابوا و اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة فاعلوا سبلہم  
(اگر وہ لوگ تائب ہو کر نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی کریں تو انہیں چھوڑ دو)

۲۴. حدثنا عبد اللہ بن محمد بن المسندی قال حدثنا ابو روح بن الحرامی بن عمارۃ قال حدثنا شعبۃ عن

و اقد بن محمد قال سمعت ابی یحییٰ یحدث عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال امرت ان

اقابل الناس حتی یشہدوا ان لا الہ الا اللہ و ان محمد ارسول اللہ و یقیموا الصلوة و یؤتوا الزکوة فاذا

فعلوا اذک عصموا منی دماءہم و اموالہم الا بحق الا سلام و حسبہم علی اللہ

ترجمہ: حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں اس وقت تک کہ وہ اس بات کا اقرار کر لیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکوٰۃ دیں جس وقت وہ یہ کرنے لگیں تو مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کر لیں گے سوائے اسلامی حقوق کے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔

تشریح: اسلام دینِ فطرت ہے اس لیے اللہ کے نزدیک کسی انسان کے لیے یہ ہرگز روا نہیں کہ وہ اپنے فطری راستے کو چھوڑ کر کسی دوسری غلط راہ پر چلے دعوت و تبلیغ سے اتمامِ حجت کرنے کے بعد اب صرف دو بنی راستے رہ جاتے ہیں یا اسلام کی چوکھٹ پر دل جھکے یا سر جھکے دل کی تہدیلی کسی جبر سے نہیں ہو سکتی ”لا اکراہ فی الدین“ لیکن نظامِ عالم کی قیادت و رہنمائی اور اجتماعی زندگی پر بہر حال اسلام قبضہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا اس لیے اگر کسی کا دل اسلام کی حقانیت کا قائل نہیں ہوتا تو نہ ہو مگر بہر صورت اسے اسلامی قوانین کے سامنے سر اطاعت ختم کرنا پڑے گا۔

معلوم ہوا کہ اسلامی جہاد و قتال کا مقصد وحید یہ ہے کہ تمام انسانوں کی زندگی پر امن ہو جائے اور فتنہ و فساد یا دنیوی اغراض و مقاصد کے لیے قتل و خونریزی کا پوری طرح سد باب ہو جائے۔

اس مقصد کا یقینی حصول اسی وقت ہو سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دینِ فطرت کو اس کے رسول معظم کے اعتماد و اطمینان پر قبول کر لیا جائے۔ ایسا کرنے لینے پر لوگوں کی جان و مال اور عزت دنیا و آخرت دونوں جہان میں محفوظ و مامون ہوگی نہ یہاں ان کو گزند نہ وہاں ان کو آج۔ سب اپنے دل ٹھنڈے کر کے دنیا میں بھی جنت جیسی زندگی گزار سکتے ہیں۔

بہشت آں جا کہ آزارے نباشد کے رہا کسے کا رے نہ باشد

اس کے بعد اگر کسی سے کوئی غلطی یا خطا بہ تقاضائے بشریت ہوگی تو دنیا میں اس کا ظاہری تدارک مطابق اصولِ شریعت ہوگا اور آخرت میں اس کا کامل و مکمل تصفیہ عالم السرد اخفی کی بارگاہ سے ہوگا۔

بحث و نظر: علامہ محقق حافظ عینیؒ نے اس حدیث کے تحت ”بیان استباط الاحکام“ کی سرخی قائم کر کے بارہ نہایت اہم و مفید مسائل ذکر کئے ہیں۔  
 (۱) امام نوویؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تارک صلوٰۃ کو قتل کرنا جائز ہے اور اس کو جمہور کا مذہب بتلایا حافظ عینیؒ نے لکھا کہ یہ استدلال غلط ہے کیونکہ حدیث میں قتال کا ذکر ہے قتل کا نہیں ہے اور دونوں میں بڑا فرق ہے حدیث ترمذی میں آیا ہے کہ جو شخص نمازی کے سامنے سے گزرے نمازی اس سے قتال کرے اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعدؓ کو فرمایا اقتالا یا سعد؟ دونوں جگہ قتال سے مراد جدال و نزاع ہے قتل کر دینا مراد نہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ امام نوویؒ نے نماز کے سامنے گزرنے پر قتل کر دینے کا مسئلہ تک لکھ دیا ہے کہ قاتل پر دیت ہوگی یا نہیں جس سے وہم ہوتا ہے کہ وہاں بھی مقاتلہ سے قتل سمجھ گئے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے اس لیے ایسے موقع پر غیر متعلق مسائل کا لکھنا ہی مناسب نہیں ہوتا۔

شیخ تقی الدین بن دقین العید نے بھی یہی تحقیق کی ہے کہ قتال اور قتل الگ الگ ہیں اور شرح احمدہ میں بڑے شد و مد سے اس پر تکیہ کی ہے۔ جس نے اس حدیث سے قتل پر استدلال کیا ہے اور فرمایا کہ اباحہ قتال سے اباحہ قتل ہرگز لازم نہیں آتی کیونکہ مقاتلہ باب مفاعلہ سے ہے جو جانہین سے وقوع قتال کو چاہتا ہے قتل میں یہ صورت نہیں ہے۔ نیز حافظ عینیؒ نے امام شافعیؒ کا قول نقل کیا کہ قتال قتل سے الگ ہے اسی لیے تو بعض مواقع میں قتال جائز ہے مگر قتل جائز نہیں ہوتا۔ (شروح البخاری صفحہ ۱۶۵)

اس موقع پر حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ امام محمدؒ سے منقول ہوا کہ امام و خلیفہ وقت ان لوگوں سے بھی قتال کرے جو ختنہ یا اذان کو ترک کر دیں اس سے بعض حضرات نے سمجھا کہ اذان امام محمدؒ کے نزدیک واجب ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ قتال کی وجہ اسلامی شعائر کا ترک ہے کیونکہ اذان و ختنہ پر باوجود ان کے سنت ہونے قتال جائز ہوا تو ترک صلوٰۃ پر بدرجہ اولیٰ ہوگا امام نوویؒ نے لکھا کہ

پس جب امام محمدؒ سے ترک اذان و ختنہ پر باوجود ان کے سنت ہونے قتال جائز ہوا تو ترک صلوٰۃ پر بدرجہ اولیٰ ہوگا امام نوویؒ نے لکھا کہ اس حدیث سے مانعین صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ واجبات اسلام کے ساتھ قتال کا وجوب ثابت ہوا علامہ عینیؒ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا کہ اسی سے امام محمدؒ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر کسی شہر یا قصبہ کے لوگ سارے آدمی اذان ترک کر دیں تو امام وقت ان سے قتال کرے گا اور یہی حکم تمام شعائر اسلام کا ہے پھر علامہ عینیؒ نے یہ بھی لکھا کہ اس حدیث پر حنفیہ بھی عامل ہیں کیونکہ جب ترک اذان پر قتال کرنا جائز ہوا تو ترک نماز پر بدرجہ اولیٰ ہوگا۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ محدث نوویؒ مفیدین میں ہیں محققین میں سے نہیں ہیں دوسرے یہ کہ وہ حنفیہ کے بارے میں عدل و انصاف سے کام نہیں لیتے پھر فرمایا کہ محدثین و فقہاء میں سے جو حضرات اہل طریقت اور اصحاب باطن ہیں وہ

ہر ایک کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ کرتے ہیں (کیونکہ ان کے نفوس زیادہ حرکی ہو جاتے ہیں) مثلاً شیخ تقی الدین ابن دقین العید جن کو شافعی و مالکی کہا گیا ہے بڑے محقق و مصنف دقیق النظر و جمر عالم اہل طریقت میں سے صاحب کرامات باہرہ معتدل المزاج تھے۔

حافظ ابن تیمیہؒ کے معاصر تھے حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک مدت مصر میں گزاری ہے اور شیخ مذکور بھی وہاں تھے لیکن ان دونوں کی ملاقات کا ذکر کہیں نہیں دیکھا اگر دانستہ ملاقات نہیں کی تو ممکن ہے کہ شیخ نے اس کو پسند نہ کیا ہو واللہ اعلم شیخ موصوف باوجودیکہ شافعی و مالکی تھے جس بات سے حنفیہ کو فائدہ پہنچ سکتا ہو اس کو قصد و ارادہ سے اہتمام کر کے ذکر کرتے ہیں یہ ان کی منصف مزاجی کی بڑی دلیل ہے جس طرح حافظ ابن حجرؒ کی غیر منصف مزاجی کی دلیل یہ ہے کہ حنفیہ کے فائدہ کی بات کو جان بوجھ کر موقع سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور کہیں کسی بات سے فائدہ بھی پہنچا ہے تو ان کے بغیر ارادہ کے ایسا ہوا ہے حالانکہ علم و فضل و عیظ و متانت کلام وغیرہ کے لحاظ سے وہ نہایت بلند پایہ محقق ہیں اس کے بعد فرمایا کہ شیخ تقی الدین بن دقین العید کی طرح ہمارے حنفیہ میں سے محدث شمیر حافظ زبلیؒ (صاحب نصب الراية) بھی ہیں وہ بھی اہل طریقت میں سے تھے اور وہ بھی سب کے ساتھ نہایت عدل و انصاف کا معاملہ کرتے تھے اسی طرح دوسرے اہل طریقت علماء کے عدل و انصاف کا تجربہ ہوا ہے

اور ان حضرات اہل اللہ سے اس سے بھی زیادہ توقع کی جاسکتی ہے پھر فرمایا کہ شیخ ابن ہمام حنفی اہل طریقت میں سے ہیں اور منصف بھی ہیں مگر کبھی کبھی اپنے مذہب کی حمایت کے جذبہ میں کچھ اعتدال سے ہٹ جاتے ہیں۔

پھر فرمایا: مفید وہ ہے جو کسی مسئلہ میں سب حضرات اہل تحقیق کے اقوال کو بہتر اسلوب سے وضاحت و تفصیل کے ساتھ جمع کر دے۔ اور محقق وہ ہے جو دریائے علم کی غواصی کرے دقائق معانی و مطالب کا کھوج لگائے دشوار ترین مسائل کا حل نکالے اقوال علماء سلف و خلف کی تنقیح کرے اور ان میں سے افراط و تفریط کو الگ الگ نکھار دے ایسے عالم میرے نزدیک محقق ہیں اور ایسے علماء امت میں بہت کم ہیں۔

## حکم تارک صلوٰۃ

اس کے بعد ائمہ اربعہ کے اقوال مختلف ہیں امام ابو حنیفہ امام مالک و امام شافعی تینوں کی رائے ہے کہ نماز کے فرض ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوئے جو شخص عدا نماز ترک کرے گا وہ کافر نہیں ہوگا امام احمد کا قول بروایت اکثر اصحاب اور بعض اصحاب امام شافعی کی رائے ہے کہ وہ کافر اور ملت سے خارج ہو گیا لہذا اس کا حکم مرتد کا ہوگا کہ اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل جائے گی اس کو کفر کی وجہ سے قتل کیا جائے گا اور مرنے کے بعد نہ اس کو غسل دیں نہ اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے۔ نہ اس کے مال کا کوئی مسلمان وارث ہوگا۔ دوسرا اختلاف تارک صلوٰۃ کی سزا میں ہے۔ اس بارے میں امام اعظم آپ کے اصحاب اور امام حنفی شافعی کی رائے یہ ہے کہ اس کو سزا کے طور پر قید کر دیں گے اگر تین دن کے اندر توبہ کر کے نماز شروع نہ کرے تو اس کے جسم کو کوڑوں کی مار سے لپو لپہاں کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ نماز شروع کر دے۔ اس کی سزا یا حد شرعی قتل نہیں ہے البتہ امام وقت چاہے تو بطور سیاست و تعزیر اس کو قتل کر سکتا ہے جس طرح مبتدع کو کر سکتا ہے امام مالک و امام شافعی و امام احمد تینوں کے نزدیک اس کو قتل کیا جائے گا فرق اتنا ہے کہ امام احمد اس کا قتل کفر (یعنی بوجہ کفر و ارتداد) اور امام مالک و شافعی (بطور حد شرعی) حد ماننے ہیں پھر قاتلین قتل کے اقوال مختلف ہیں۔

- (۱) تارک صلوٰۃ کو تین روز کی مہلت دی جائے یا فوراً قتل کیا جائے یہ آخری قول زیادہ صحیح ہے
  - (۲) دو یا چار نمازیں عدا ترک کرنے پر قتل کیا جائے یا صرف ایک نماز چھوڑنے پر بھی جب کہ بخت گزر جائے ان میں بھی آخری قول زیادہ صحیح ہے
  - (۳) قتل تلوار سے ہو یا گردن مار دی جائے یا لکڑی لوہے وغیرہ سے کچھ کے دیے جائیں حتیٰ کہ وہ مر جائے
  - (۴) قتل کے بعد اس کا حکم مقتول حد کا ہوگا جیسے زانی شخص رجم کیا ہوا ہوتا ہے کہ غسل کفن نماز جنازہ کے بعد مقابر مسلمین میں دفن ہوگا اور اس کی قبر بھی عام مسلمانوں کی طرح ایک بالشت زمین سے اونچی ہوگی اس کی وراثت بھی جاری ہوگی یہی قول صحیح ہے دوسرا قول یہ ہے کہ اس کی تحقیر اور دوسروں کی زبردستی کے لیے نہ مقابر میں دفن کیا جائے نہ اس کی قبر کو ایک بالشت اونچا کیا جائے۔
- حکم تارک زکوٰۃ: یہ ہے کہ ترک زکوٰۃ پر اس کو تعزیری سزا دی جائے اور زکوٰۃ اس سے جبراً وصول کی جائے اگر انکار کرے تو اس

۱۔ راہ الحروف نے مقدمہ انوار الباری جلد دوم میں بعض علماء کو محقق قائل لکھا ہے جس پر بعد پاک کے بعض احباب اہل علم نے توجہ دلائی اور اب خود بھی اس بے احتیاطی کا اسوس ہے خصوصاً حضرت شاہ صاحب کی تحقیق مذکورہ بالا کے پیش نظر اگرچہ اس وقت اردو زبان کے عام محاورہ و اصطلاح کے لحاظ سے اتنا لکھنا زیادہ بے محل نہ تھا دوسرے اس خیال سے بھی لکھا تھا کہ آخر بڑی نسبتوں کو اس سے کم کیا لکھا جائے۔

تاہم اپنی غلطی کا اعتراف ہے اور معیار فضل و تحقیق کو اگر ان کی طرح مناسب نہیں اور اس کی خوشی ہے کہ ہمارے ناظرین اور علماء زمانہ میں صحیح علمی اقدار کا جائز لینے والے موجود ہیں۔ و سحر اللہ امثالہم (عاجز مؤلف)

۲۔ حضرت شاہ صاحب نے اس موقع پر حد تعزیر میں فرق بھی بتلایا کہ حد شرعی کو قاضی اپنی رائے و اختیار سے نہیں کر سکتا کیونکہ وہ حقوق اللہ میں سے ہے بخلاف تعزیر کے کہ وہ اس کی رائے پر محمول ہے واضح ہو کہ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی حد تعزیر میں فرق نہیں کرتے تنہا ہی لیجان کی رائے تھی کہ سرقہ و زانی کی سزا قطع و سزا کی سزا موت کی رائے پر محمول ہے کسی کے ساتھ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ چار مرتبہ سے کم لکھ کر سرقہ و زانی پر لکھ کر نہیں ہے۔ و غیر ذلک و لکھ محل آخر ان شاء اللہ تعالیٰ۔

سے قتال کیا جائے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں فرمایا ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس صریح حدیث کے حضرت عمرؓ نے قتال مانعین زکوٰۃ کے بارے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کیوں اختلاف کیا؟ میں نے اس کا حل اپنے رسالہ ”اکفار المکذبین“ میں پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخین کا اختلاف درحقیقت غرض و سبب منع زکوٰۃ کے باعث تھا، حضرت عمرؓ اس کا سبب بغاوت و سرکشی سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رواد کو سمجھتے تھے اس حیثیت سے کہ ایمان پورے دین کے التزام و اختیار کا نام ہے جس نے نماز و زکوٰۃ میں فرق کیا گویا وہ پورے دین پر ایمان نہیں لایا اور جو پورے دین پر ایمان نہیں لایا۔ وہ قطعاً کافر ہے۔

نظر یہ حنفیہ کی تائید: یہاں حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے حنفیہ کے نظریہ کی اصابت و حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ ایمان زیادہ کم نہیں ہوتا، کیونکہ التزام مذکور میں کوئی تکلیف نہیں ہے اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی یہ بات محقق ہوتی کہ وہ لوگ زکوٰۃ کا بالکل ہی انکار کر رہے ہیں تو وہ بھی ان کی تکفیری کرتے اور ان کے قتال میں کوئی تردد نہ فرماتے۔

نصب الراية طبعی صفحہ ۲/۳۵۲ باب الجزیہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں کے ساتھ اذکار کا یقین نہیں تھا اس لیے انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ لوگ مومن ہیں مومن بخل مال کے باعث اذکار زکوٰۃ سے رک گئے اور یہ بھی فرمایا کہ یہ لوگ خود بھی کہتے ہیں کہ اللہ! ہم اسلام سے نہیں پھرے، بخل مال کی وجہ سے زکوٰۃ نہیں دی مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے اور قتال کے بعد جو گرفتار ہوئے ان کو قید کر دیا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کے معاملہ پر نظر ثانی فرما کر سب کو رہائی دے دی۔ اسی طرح مستدرک حاکم صفحہ ۳۰۳ میں بھی ایک روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”مجھے سرخ لٹاؤں سے زیادہ یا مر محبوب تھا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتیں معلوم کر لیتا اور ان میں سے یہ بات بھی ذکر کی کہ جو لوگ اپنے اموال میں زکوٰۃ غرض ہونے کا قرار کرتے ہیں لیکن ادا نہیں کرتے کیا ان سے قتال جائز ہے؟

معلوم ہوا کہ وہ لوگ زکوٰۃ سے بالکل منکر نہیں تھے ورنہ ان کے کفر میں کون شک و تردد کر سکتا تھا؟ زکوٰۃ ضروریات دین سے ہے جن کا انکار کفر ہے ان لوگوں نے سمجھا کہ زکوٰۃ ایک مالی ٹیکس ہے جو بادشاہ اپنی رعایا سے وصول کرتے ہیں لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے زمانے میں ادا کی گئی اب چونکہ ہم ہی میں سے والی و حاکم ہو گئے ہیں وہ ٹیکس بھی ختم ہو گیا اور دوسرے ٹیکسوں کی طرح وہ بھی ادا کی جائے پر محمول ہو گیا خواہ ہم اس کو دیں یا نہ دیں۔

### خلفاء راشدین کا منصب

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ خلفاء راشدین کا منصب میرے نزدیک اجتہاد سے اوپر اور تشریع سے نیچے ہے کیونکہ صاحب شریعت نے ہمیں اس کی اقتداء مطلق کا حکم فرمایا ہے اور اسی سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نماز جمعہ کے لئے اذان اول کی زیادتی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تراویح کے لئے ایک امام کے پیچھے لوگوں کو جمع کر دینا ہے لہذا ان حضرت کے باہمی اختلاف کو مسائل اصول سے وابستہ کرنا مثلاً کہنا کہ شیخین کا اختلاف حکم میں تعارض عموم و خصوص کے ہے درست نہیں اور غالباً اس سلسلہ میں ہماری تنقیح مذکور ہی اقرب الی الصواب ہے۔

علامہ محقق حافظ عینیؒ نے لکھا کہ جن لوگوں نے اس حدیث سے تارک صلوٰۃ کے قتل پر استدلال کیا ہے ان پر اعتراض پڑتا ہے کہ وہ مانع زکوٰۃ کے لئے قتل کا حکم کیوں نہیں کرتے جب کہ حدیث ایک ہی ہے علامہ کرمانی نے یہ بھی صراحت کی کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے تو اگر دونوں کا حکم مقاتلہ ہے تو مسلم اور اگر قتل ہے تو مانع زکوٰۃ کے قتل کا حکم تو شوافع وغیرہم نہیں مانتے دوسرے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صرف ایک اذان خطبہ جمعہ کے وقت ہوتی تھی یہی طریقہ حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ کے پورے دور میں حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور خلافت میں بھی رہا پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اذان اول کا اضافہ فرمایا جواب تک موجود ہے۔

۲۔ اس سے قبل الگ الگ پڑھتے تھے جو نوافل و سنن کا طریقہ ہے اور اذان و جماعت نماز فرض و واجب کے ساتھ خاص ہے اسی لئے فقہاء نے لکھا کہ نفل کی جماعت مکروہ ہے بجز رمضان کے اور اس سے مراد سنن تراویح ہیں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ فقہاء کی اس عبارت سے جس نے مطلق نوافل رمضان سمجھا، غلطی کی لہذا تہجد کی جماعت تین سے زیادہ کی رمضان میں بھی مکروہ ہوگی اس کی مکمل و مدلل بحث آگے آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

بھی قتال و مقاتلہ ہی منقول ہے یہ کسی نے نہیں لکھا کہ آپ نے انھیں زکوٰۃ میں سے کسی کو قتل کی سزا دی ہے۔

## حکم تارک صوم

روزہ نہ رکھنے والے کی سزا یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے اور دن کے اوقات میں اس کو کھانے پینے کے لئے کچھ نہ دیا جائے کیونکہ بظاہر وہ روزہ کی نیت کر لیا جبکہ روزہ کے وجوب و فرضیت کا معتقد ہے۔

(۲) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ واجبات و شعائر اسلام کے ترک پر قتال کرنا واجب ہے۔

(۳) جو شخص اسلام ظاہر کرے اور ارکان کی ادائیگی کرے اس سے کوئی تعرض نہیں کرنا چاہئے۔

(۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زندیق کی توبہ قبول ہو سکتی ہے اس کی تفصیل مغازی میں آئے گی اور اصحاب امام شافعیؒ کے اس شخص کے بارے میں پانچ قول ہیں جو اسلام ظاہر کرنے اور کفر پوشیدہ رکھے ہو جس کا علم خود اس کے اقرار یا دوسروں کی شہادت سے ہو جائے۔

(۱) قبول توبہ مطلقاً اور یہی قول امام شافعیؒ سے منقول اور صحیح ہے جس کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول اللہ اشققت قلبہ ہے

(۲) اس کی توبہ و رجوع الی الاسلام قبول نہیں البتہ اگر وہ اپنی توبہ میں واقعی سچا ہے تو اس کو عند اللہ نفع ہوگا۔ امام مالکؒ کا بھی یہی قول ہے

اور امام اعظم رحمہ اللہ سے مذکورہ ہر دو قول کے موافق دو روایت ہیں۔ (۳) اگر ایسا شخص اس قسم کی گمراہی کا مبلغ بھی ہے تو اس کی توبہ قبول نہیں

لہذا عوام کی توبہ قبول ہوگی (۴) اگر خود بخود ابتداء ہی تائب ہو کر آئے اور آثار و قرآن بھی اس کی صداقت ظاہر کریں تو اس کی توبہ قبول ہوگی

لیکن اگر قتل ہونے کے لئے گرفتار ہو کر آئے یا اور اس وقت توبہ کی تو قبول نہ ہوگی یہ قول امام مالکؒ سے بھی منقول ہے۔ (۵) ایک مرتبہ قبول ہوگی پھر اگر اسی طرح حرکات کفریہ کرے تو نہ ہوگی۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ جو حقیقہ زندیق ہو اور ظاہر اسلام کرے اس سے مرتد کی طرح توبہ کرائی جائے گی۔ امام ابو یوسفؒ

(قاضی القضاۃ دولت عباسیہ) کی بھی ایک زمانہ تک یہی رائے رہی مگر پھر یہ دیکھ کر طحطاہ بن و زنادقہ شخص اپنی جان بچانے کے لئے توبہ کر لیتے ہیں اور

اسلام ظاہر کرنے کے بعد پھر زندقہ کی باتیں کرنے لگتے ہیں آپ نے فرمادیا تھا کہ میرے پاس جو زندیق لایا جائے گا اس سے توبہ کا مطالبہ نہیں کروں گا

بلکہ ثبوت زندقہ کے بعد حکم قتل کروں گا اس کے بعد اگر اس نے خود ہی توبہ کی (اور قتل سے پہلے اس کی صداقت کا اطمینان ہو گیا) تو اس کو چھوڑ دوں گا اس

کے علاوہ ایک قول امام ابو یوسفؒ کے واسطے سے حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کا یہ بھی نقل ہوا ہے کہ چھپا ہوا زندیق قتل کیا جائے اس کی توبہ قابل اعتما نہیں۔

(۵) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نجات کے لئے پختہ اعتقاد کافی ہے اور یہی جمہور امت کا مسلک مختار ہے معتزلہ اور بعض

مشکلیں و امام الحرمین وغیرہ کہتے ہیں کہ صرف اتنا کافی نہیں بلکہ دلائل حقانیت اسلام کا علم حاصل کر کے علی وجہ البصیرت اسلام لانا ضروری

ہے امام نوویؒ نے لکھا کہ بکثرت احادیث صحیحہ کے عموم سے علم قطعی اس امر کا حاصل ہو جاتا ہے کہ صرف قطعی تصدیق ہونا کافی ہے۔

(۶) معلوم ہوا کہ حکم اسلام لگانے اور قتال سے بچنے کے لئے زبان سے کلمہ شہادت کہنا ضروری ہے۔

(۷) معلوم ہوا کہ اہل بدعت میں سے اہل شہادت کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

(۸) ہر شخص کے ظاہری اعمال اسلام ہی قبول ہوں گے اور ان ہی پر نظر ہوگی۔

(۹) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد ائمہ دین نے ظاہری اعمال پر حکم کیا اور پوشیدہ امور کا فیصلہ حق تعالیٰ جل ذکرہ پر محول کیا

مخلوق کو ان کی کھود کردید کا حق نہیں دیا گیا۔

(۱۰) یہ حدیث ان تمام احادیث مطلقہ کی مقید اور مبین ہے جن میں صرف کلمہ اخلاص پر نجات اخروی و عصمت دنیوی بتلائی گئی ہے مثلاً



ماضین زکوٰۃ سے حضرت صدیقؓ نے قتال کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آپ ان سے قتال کس طرح کر سکتے ہیں جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ ”مجھے قتال کا حکم ہوا ہے تا آنکہ لوگ کلمہ اخلاص (لا الہ الا اللہ پڑھیں جو ایسا کریں گے وہ اپنی جان و مال کو محفوظ کر لیں گے) بجز حق اسلام کے اور ان کا حساب خدا پر ہے۔“

اس پر حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ضرور ان لوگوں سے قتال کروں گا جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کریں گے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ واللہ! اتنا سنتے ہی مجھے اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق کی بات کے لئے شرح صدر کر دیا اور میں جان گیا کہ وہی حق ہے۔ یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ایسا بھی مستبعد نہیں بلکہ واقع ہوا ہے کہ بعض اکابر صحابہ کو کوئی حدیث معلوم نہ ہوئی اور دوسرے صحابہ کو معلوم تھی انہوں نے روایت کی جیسے یہی حدیث الباب حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو معلوم نہ تھی اور نہ وہ اس موقع پر حضرت عمرؓ کی مذکورہ بالا حدیث کے مقابلہ میں پیش کرتے قیاسی استدلال نہ کرتے یا جس طرح جزیہ مجوس یا طاعون والی حدیثیں بعض صحابہؓ سے مخفی رہیں اور بعد کو ان کا علم ہوا ہے ایک جواب یہ بھی ہے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف قیاس سے استدلال نہیں کیا بلکہ یہ جملہ بھی فرمایا تھا کہ زکوٰۃ اسلام کا حق ہے گویا حدیث کے جملہ لایا بحق الاسلام سے استدلال فرمایا۔

### ایک خدشہ کا جواب

ایک خدشہ یہاں یہ بھی ہے کہ جب اس حدیث الباب کے راوی حضرت ابن عمرؓ ہیں تو انہوں نے حضرت ابو بکر و عمر کے مذکورہ مناظرہ و بحث کے وقت اس حدیث کو کیوں نہیں بتلایا۔ بعض حضرات نے تو اس خدشہ کے تحت اس حدیث ابن عمر کی صحت پر بھی شبہ کیا ہے مگر یہ خدشہ و شبہ بے محل ہے کیونکہ اول تو ممکن ہے حضرت ابن عمر اس موقع پر موجود نہ ہوں اور بعد کو بتلایا ہو دوسرے یہ کہ روایت مذکورہ حضرت ابن عمر ہی کی طرح زیادہ صلوٰۃ و زکوٰۃ کے ساتھ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔

(۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اقرار شہادتیں اور اقامت صلوٰۃ و ایتاء زکوٰۃ کے بعد اگرچہ وہ معصوم و محفوظ ہو گیا مگر حقوق الاسلام (قصاص، حد وغیرہ) کا مواخذہ اس سے ضرور ہوگا۔

(۱۲) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب مسلمانوں کو طاقت حاصل ہو تو ان پر قتال کا فرائض واجب ہے تا آنکہ وہ اسلام قبول کریں یا جزیہ دیں۔

### چند سوال و جواب

علامہ محقق حافظ عینیؒ نے مذکورہ بالا بارہ حدیثی فوائد ذکر فرما کر لکھا کہ اس حدیث سے متعلق چند سوال و جواب بھی ہیں جن میں ایک زیادہ اہم یہ ہے کہ بظاہر حدیث الباب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہادتین اور نماز و زکوٰۃ کے بعد قتال کا حکم ختم ہو جائے گا خواہ وہ شخص باقی تمام ضروریات دین سے منکر و کافر بھی ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اقرار و شہادت رسالت میں وہ تمام چیزیں آ جاتی ہیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہمیں پہنچی ہیں اس لئے ان سب کی تصدیق بھی ہمیں لازم و ضروری ہے چنانچہ دوسری حدیث میں ”ویومئذ ابی و ما جنت بہ“ بھی مروی ہے دوسرا سوال یہ ہے کہ حکم تو تمام ہی فرائض کا یکساں ہے پھر صرف نماز و زکوٰۃ کا ذکر کیوں ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایک عبادت ہدنی اور ایک مالی ذکر کی تا کہ اسی پر دوسری عبادات کو قیاس کر لیا جائے دوسرے اس لئے بھی کہ یہ دونوں زیادہ اہم ہیں کیونکہ نماز و دین کا ستون ہے اور زکوٰۃ اسلام کا پل ہے تیسرا سوال یہ ہے کہ شہادتین کے بعد تو اسلامی اصول سے قتال ختم ہو جاتا ہے اور نماز و زکوٰۃ وغیرہ کا انتظام نہیں کیا جاتا پھر یہاں نماز و زکوٰۃ کا ذکر کیوں ہوا اور اس کا فائدہ لایا بحق الاسلام سے بھی حاصل ہو رہا تھا۔

جواب یہ ہے کہ ان دونوں کا ذکر محض ان کے اہتمام و تعظیم کے لئے کیا گیا اور یہ دکھانے کے لئے کہ ان کا مرتبہ شہادتین کے قریب ہی

ہے یا ترک قتال مستمر و مستقل طور سے مراد ہے کہ وہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ شہادتین کے ساتھ سارے واجبات بھی ادا کئے جائیں ترک قتال عارضی طور سے مقصود نہیں جس کا اعادہ ترک صلوٰۃ و زکوٰۃ پر بھی ہو سکتا ہے۔ (مجموعہ فقہی ملکی ۱/۱۸۴)

## تبلیغ دین کی ضرورت اور اس کا کامیاب عملی پروگرام

اوپر بیان ہوا کہ جمہور علماء امت کے نزدیک نجات اخروی کے لئے اعتقاد جازم ضروری و کافی ہے دلائل و براہین کے ساتھ حقانیت اسلام کا یقین ضروری نہیں تاہم اتنا تو سب ہی کے نزدیک ضروری ہوا کہ عقائد و ایمانیات سے پوری طرح واقفیت ہو صرف شہادتین کا پڑھ لینا بغیر اس کا معنی و مطلب سمجھ ہوئے کافی نہیں ہوگا پھر اگر اس کے ساتھ شریعت کے فرائض و واجبات پر عمل بھی نہ ہو تو وہ نقص در نقص ہوگا۔ لہذا نہایت ضروری ہے کہ واقف شریعت حضرات اپنے اپنے قریب کے اس قسم کے مسلمانوں کو عقائد و اعمال شریعت سے واقف کریں اور ان کی تعلیم دین و اصطلاح حال کے لیے پوری طرح منظم ہو کر سعی و توجہ کریں ان کو آخرت کے عذاب و ثواب سے آگاہ کریں یہ اس وقت کے اہم ترین واجبات اسلام میں سے ہے اس کے لیے طریقہ کار دعویٰ بہتر ہوگا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اختیار کیا تھا کہ سب سے پہلے اپنے کنبہ و قبیلہ میں پھر محلہ میں پھر اپنی بستی میں تبلیغ و اصلاح کا فرض انجام دیا جائے پھر اپنی قریبی بستیوں تک جا کر یہ خدمت ادا کی جائے اور اس طرح اگر کچھ عرصہ میں ہم پورے ملک میں تبلیغ و اصلاح کا جال پھیلا چکیں تو اس کے بعد دوسرے قریب اور پھر دور کے ممالک میں کام کریں اپنے قریبی حلقوں کو چھوڑ کر اگر دور دراز کے خطوں میں کام کرنے کو ترجیح دی گئی تو اس میں مظاہرہ و نمائش تو زیادہ ہے مگر بہتر کام و کامیابی کی توقعات بہت کم ہیں واللہ اعلم۔

## قتال و جہاد

اسلام میں جہاد نبیل اللہ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کیونکہ اس کا مقصد وحید خدائے برتر کا بول بالا کرنا ہے جس کو اعلاء کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے بخاری شریف کی جس حدیث پر یہ بحث چل رہی ہے اس میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے حکم ربی ہے جب تک لوگ خدائے برتر کی وحدانیت میری رسالت اور میری لائی ہوئی شریعت سچے دل سے نہ مان لیں اور واجبات اسلام پر عمل نہ کریں ان سے برسر بیکار رہوں یعنی تبلیغ کے بہترین رسالتی طرز و طریق سے لے کر جہاد و قتال تک سے بھی اتمام حجت کر دوں رحمت دو عالم سر اپا شفقت و رافت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تلاتا ہے کہ کسی بڑے مقصد و مفاد کو حاصل کرنے کے لیے نرم و گرم سب ہی وسائل اختیار کئے جاسکتے ہیں جس طرح کسی مریض کے زیادہ خطرناک مرض کے ازالہ کے لیے زیادہ سے زیادہ کڑوی دوائیں سخت سے سخت پرہیز اور خطرہ کے وقت آپریشن تک جائز بلکہ مستحسن ہو جاتے ہیں پس اگر کم قیمت اور فنا پذیر اجسام کی صحت کے لیے جسمانی ڈاکٹروں و معالجوں کے ایسے اقدامات مستحسن ہو جاتے ہیں تو روح جیسی گرانقدر اور ہمیشہ باقی رہنے والی چیز کے لیے روحانی ڈاکٹر و معالج انبیاء علیہم السلام کی تجویز و تشخیص اور معالجاتی طریقوں سے تو حش کا اظہار کیوں ہو؟ اور یہ حکم قتال بھی رحمۃ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو اس ذات اقدس جل ذکرہ کی طرف سے ملا ہے جس کے فضل و رحمت کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں دینا کی ہر چیز اس کی شان رحمت پر گواہ ہے اور اسی نے قرآن مجید میں یہ بھی فرمایا کہ جو کوئی انسانی جانوں میں سے ایک جان کو بھی بغیر بدلہ جان یا فساد کے ہلاک کر دے گا تو اس نے اتنا بڑا جرم عظیم کیا کہ گویا ساری دنیا کے انسانوں کو ہلاک کر دیا۔ اور جس نے کوئی ایک معصوم جان بھی بچائی تو گویا ساری دنیا کے انسانوں کی جانیں بچا دیں لیکن اگر خدا ہی کے قانون کو دوسرے و نعوٰی قوانین کے نیچے کر دیا گیا ہو اور خدا کے کچھ برگزیدہ بندے خدا کے حکم سے اس کے قانون کو اوپر کرنا چاہیں تو کیا ایسے مقدس مقصد کے حصول میں مزاحمت و رخنہ اندازی کرنے والوں کی سرکوبی ضروری نہ گئی؟

اس کے بعد امام بخاری دوسری حدیث لائے ہیں جس میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کونسا عمل سب سے افضل ہے آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا سائل نے عرض کیا کہ اس کے بعد؟ آپ نے فرمایا اللہ کے راستے میں جہاد کرنا

اس نے پھر سوال کیا اس کے بعد؟ تو آپ نے فرمایا حج مبرور۔ اس کے بعد صفحہ ۳۵ پر ایک حدیث باب الجہاد من الایمان کے تحت لائے ہیں اور کتاب الجہاد کا مستقل عنوان قائم کر کے جو احادیث ذکر کریں گے وہ تو گویا اس سلسلہ کی تکمیل ہوگی۔ انشاء اللہ۔

## حج پر جہاد کا تقدم

امام نوویؒ نے شرح بخاری میں اس پر بحث کی ہے کہ حج تو فرض عین ہے اس کے مقابلہ میں جہاد کو کیوں مقدم کیا گیا جب کہ وہ فرض کفایہ ہے؟ پھر اس کا جواب یہ دیا کہ جہاد اگرچہ عام حالات میں فرض کفایہ ہوتا ہے مگر بعض مواقع میں فرض عین بھی ہو جاتا ہے پھر کسی وقت بھی فرض کفایہ سے تو اس کا مرتبہ کم ہی نہیں ہوتا جب کہ حج فرض ساری عمر میں صرف ایک بار ہوتا ہے باقی جتنے ادا کرے گا وہ سب نفل ہوں گے اس لیے جہاد کا مرتبہ بڑھ گیا اور اگر صرف حج فرض اور جہاد فرض عین میں مقابلہ کیا جائے تو جہاد اس لیے بڑھے گا کہ اس میں علاوہ فرضیت کے ایک نفع عظیم ساری امت مسلمہ کے لیے ہے۔ اور اس سے ناموس اسلام کی حفاظت ہوتی ہے اور اس میں جان و مال کا گرفتار یا رہتا ہے۔ وغیرہ ذلک۔

## فرض کفایہ کی اہمیت

امام الحرمین نے یہ بھی لکھا ہے کہ ہر فرض کفایہ فرض عین کے مقابلہ میں اس حیثیت سے افضل ہے کہ کچھ لوگوں کی ادائیگی سے ساری امت کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اگر وہ بھی ادا نہ کریں تو امت کے جتنے لوگ بھی اس فریضہ کو ادا کرنے پر قادر ہیں سب ہی گنہگار ہوں گے اور بلا شک ایسی صفت کا فریضہ نہایت عظیم القدر ہے بعض حضرات نے لکھا کہ جہاد کو اس لیے حج پر مقدم کیا کہ ابتداء اسلام میں ہی جہاد کی ضرورت سامنے آگئی تھی اور ظاہر ہے کہ اس سے اسلام کو بڑی قوت حاصل ہوئی اور آخر زمانے تک بھی جہاد کا حکم باقی ہے کہ حدیث میں ہے ”الجهاد ما مضى الى يوم القيامة“ (جہاد کا حکم روز قیامت تک جاری رہے گا۔)

## اسلام جہاد کا مقصد

معلوم ہوا کہ اسلام جہاد کا مقصد صرف اعلاء کلمہ اللہ یا ناموس اسلام کی حفاظت ہے ان اغراض سے ہٹ کر تمام دنیاوی اغراض کے لیے یا محض کسی قومی و ملکی عداوت کے سبب جو جدال و قتال ہو گا وہ اسلامی نقطہ نظر سے پسندیدہ نہیں۔

اسلامی جہاد چونکہ ایک خدائی قانون ہے اس لیے اس کی ادائیگی نہایت اہم شرائط اور کڑی احتیاطوں پر موقوف ہے وہ سب شرائط و احتیاطیں کتب فقہ اسلامی میں موجود ہیں و دعویٰ لڑائیوں کے لیے کوئی تعلیمی معیار مقرر نہیں بلکہ علم و حکمت سے غافل لوگوں کو ترجیح دی جاتی ہے مگر اسلامی جہاد کے لیے علوم نبوت سے واقفیت، تنزیہ نفوس اور کم سے کم واجبات اسلام کی مکمل پابندی اور خشیت خداوندی ضروری ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور ان کے صحابہ کرام کے غزوات اور خصوصیت سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہ کے غزوات و سرایا پر ایک نظر ڈال لی جائے تو ہماری بات بخوبی روشن ہو سکتی ہے ان حضرات کی شان عین میدان جہاد میں بھی یہی تھی کہ دن کے وقت مشغول جہاد ہیں تو رات کے وقت مصروف نوافل ہر اسلامی لشکر تقویٰ و طہارت کا پیکر مجسم ہوتا تھا شام فتح ہوا تو عیسائیوں نے آزمائش کے لیے بازار سجائے اور دوکانوں پر نوجوان خوبصورت لڑکیوں کو بٹھایا تاکہ اسلامی لشکر کا حال معلوم کریں مسلمانوں کو معلوم ہوا تو امیر وقت نے سب کو جمع کر کے سورہ نور کی آیات غصہ بھرنا کیں اور نزاکت حال کا بطور احتیاط احساس کرا دیا اس کے بعد پورا اسلامی لشکر ان بازاروں سے گزر گیا اور تاریخ میں ہے کہ کسی ایک سپاہی نے بھی دوکانوں کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

ملکی و مدنی زندگی: یہی وجہ ہے کہ کئی زندگی کے ۱۳ سال مسلمانوں نے سخت سے سخت تکالیف میں گزارے اور بار بار خواہش کی کہ کفار و مشرکین سے قتال و جہاد کی اجازت مل جائے مگر حق تعالیٰ کی طرف سے یہی تاکید ہوتی رہی کہ پہلے اپنے تقویٰ کے ہتھیاروں سے مسلح ہو لو اپنی

نمازوں اور زکوٰۃ وغیرہ واجبات کی پوری پابندی کر کے دکھاؤ اس کے بعد جہاد کی صلاحیت پیدا ہوگی۔ قال تعالیٰ:۔ الم ترالی الذین قبلہم کفوا بیدیکم و اقيموا الصلوة و اتوا الزکوۃ (کیا آپ نے ان لوگوں کا حال نہیں دیکھا جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو (جہاد و قتال) سے روکے رہو۔ اور نمازوں کی پوری پابندی اور زکوٰۃ کی صحیح ادا نشی کا اہتمام کرو) مفسرین کے اشارات کچھ اس قسم کے بھی ملتے ہیں کہ دار بدلتا بھی اس جہادی تیاری کا ایک جزو تھا اس لیے ہجرت فرض ہوئی پھر تو فوراً ہی مدنی زندگی میں غزوات و سرایا کا ایک مسلسل و طویل سلسلہ بندھ گیا۔

سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حیرت انگیز فیض تربیت و تزکیہ نفس سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انسان صورت جم غفیر مکمل طور سے فرشتہ سیرت بن چکا تھا اسی لیے نہایت تھوڑے عرصہ میں سارا عرب انوار الہی و علوم نبوت سے جگمگا اٹھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اول حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مختصر دور خلافت میں داخلی قتلوں کو پوری کامیابی سے ختم کر دیا گیا، اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کے دور میں بڑے پیمانہ پر بیرونی ممالک میں فتوحات ہوئیں۔ اور اس شان سے کہ مصر کی فتح میں کچھ دیر ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر بن العاصؓ پہ سالار جمیش کو لکھا کہ دیر کیوں ہو رہی ہے جب کہ میں نے تمہارے ساتھ ایسے لوگ بھیجے ہیں کہ ان میں سے ایک ایک آدمی ایک ایک ہزار کے مقابلہ میں کافی ہے، غرض جہاد مع انفس اور واجبات اسلام کے کامل اتباع کی برکت سے روحانی قوت اس قدر قوی ہو جاتی ہے کہ اب بھی اس کے معجزانہ کرشمے دیکھے جاسکتے ہیں اور تا قیام قیامت جب تک صحیح اسلامی جہاد باقی ہے اس کے نمونے دیکھے جائیں گے۔

## فضائل جہاد و شہادت

جہاں اسلامی جہاد کی شرائط سخت اور احکام اس کے اعلیٰ مقصد کے ساتھ بہت اونچے ہیں وہیں اس کے فضائل و مناقب بھی بہت زیادہ ہیں چند احادیث یہ ہیں:

- (۱) جہاد کے وقت ایک رات ساحل بحر پر جاگ کر حراست کرنا اپنے گھر پر ایک ہزار برس کی عبادت سے افضل ہے (جمع الفوائد من الموصلی ملین)
- (۲) اس کے میدان میں جم کر کھڑا ہونا گھر بیٹھ کر ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے (جمع الفوائد کبیر اوسط بند)
- (۳) اس میں جاگنے والی آنکھ پر دوزخ کی آگ حرام ہے (ترمذی)
- (۴) خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لیے حق تعالیٰ نے دو چیزوں کی ذمہ داری لی ہے اگر شہید ہو گیا تو سیدھا جنت میں پہنچے گا کہ اس کا جنت میں داخلہ دوسروں کا طرح روز جزا پر موقوف نہیں ہے اور اگر شہادت کی بلندی نہ مل سکی بلکہ گھر واپس آ گیا تو بصورت فتح مال غنیمت و اجر اخروی دونوں سے سرفراز ہوگا اور فتح نہ ہوئی تب بھی اجر جہاد تو ضروری حاصل ہوا (ترمذی)
- (۵) بعض روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ شہید حور کی گود میں گرتا ہے
- (۶) شہادت کے بعد دن بھر جنت کی سیر و سیاحت اور اس کے پھل کھانے میں گزارتا ہے اور رات کے وقت عرش الہی کی قدیلوں میں بسیرا لیتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۷) راہ جہاد میں غبار آلود ہونے والے قدم دوزخ کی طرف نہ جائیں گے (بخاری ترمذی نسائی)

(۸) خدا کے راستے میں ایک دن ملکی سرحد کی حفاظت ایک ماہ دن کے روزوں اور رات کے قیام سے افضل ہے (مسلم و ترمذی)

سہ شہیدوں کی زندگی حضرت ابن عباسؓ سے روایت اس طرح ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب غزوہ احد میں تمہارے بھائی شہید ہوئے تو حق تعالیٰ نے ان کی ارواح کو ہنر پرندوں کے قالب میں ڈال دیا وہ جنت کی نہروں اور باغات میں سیر کرتے اور ان کے پھل کھاتے اور رات کے وقت عرش خداوندی کے طلائی قدیلوں میں بسر کرتے جب اس طرح عیش و مسرت کی زندگی پائی تو انہیں تمنا ہوئی کہ ہمارا یہ حال اور جنت کی زندگی ہمارے بھائیوں کو بھی دنیا میں معلوم ہو جائے تاکہ وہ جنت سے بے رغبتی اور میدان جہاد میں بزدلی اختیار نہ کریں اس پر حق تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تمہاری اس تمنا کو پورا کریں گے اور قرآن مجید کی یہ آیت لا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احياء عند ربهم یوزقون فرحین بما آتاهم اللہ من فضله و یتبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من خلعہم (آل عمران)

بخاری و مسلم کی روایت میں ہے کہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔

(۹) جہاد فی سبیل اللہ میں ایک صبح یا ایک شام کا نکلنا دنیا و ما فیہا سے افضل ہے (مسلم نسائی)

(۱۰) میدان جہاد فی سبیل اللہ میں ایک ساعت کھڑا ہونا گھر میں ستر سال نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ پھر فرمایا کہیں تمہیں یہ بات نہایت محبوب و پسندیدہ نہیں کہ خدا تمہاری مغفرت کر کے جنت میں داخل کر دے۔ صحابہ نے عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا خدا کے راستے میں غازی و مرد مجاہد بن کر نکلنا جو شخص اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے بہتر فرائض ناقہ بھی قتال کرے گا اس کے لیے جنت واجب ہوگئی (ترمذی)

(۱) جو شخص خدا کے رب اسلام کے دین اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے سے راضی ہو گیا، جنت اس کا حق ہوگئی۔ راوی حدیث ابو سعید یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کا پھر اعادہ کرایا، آپ نے فرمایا ایک عمل اور بھی ہے جس سے اللہ تعالیٰ بندے کو ایک سو درجے بلند فرما دیتا ہے جن کے دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے، عرض کیا وہ کیا ہے؟ فرمایا جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، تین بار فرمایا (مسلم نسائی)

(۱۲) جنت تلواروں کے سایہ میں ہے (مسلم نسائی)

(۱۳) جس کو خدا کے راستے میں ایک تیر لگا، وہ قیامت کے دن اس کے لیے نور ہوگا (بخاری)

(۱۴) حق تعالیٰ ان دو شخصوں کے عجیب حال پر حک فرماتے ہیں (کما یلیق بشانہ و لیس کمثلہ شیء) کہ وہ باہم قتال کرتے ہیں، پھر بھی دونوں جنت میں داخل ہو جاتے ہیں، اس طرح کہ ایک خدا کے راستے میں لڑ کر شہید ہو جاتا ہے اور دوسرا کافر قاتل تو بہ کر کے اسلام قبول کر لیتا ہے اور وہ بھی خدا کے راستے میں جہاد کر کے شہید ہو جاتا ہے (بخاری و مسلم نسائی)

(۱۵) جو مومن خدا کے وعدوں پر یقین رکھے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے لیے گھوڑا پاتا ہے تو اس گھوڑے کا پیٹ بھرائی چارہ پانی اس کی لید و پیشاب بھی اس مومن کا وزن اعمال بڑھانے کے لیے اس کی میزان میں رکھا جائے گا یعنی حسنات کے قائم مقام ہوگی (بخاری و نسائی)

(۱۶) جو شخص گھر میں رہتے ہوئے مجاہدین کے مصارف کے واسطے کوئی رقم دے گا اس کو ہر روپیہ کے عوض سات سو روپیہ صرف کرنے کا اجر ملے گا اور جو شخص خود میدان جہاد میں شرکت کے ساتھ کچھ صرف کرے گا اس کو ہر روپیہ کے عوض سات لاکھ روپے صرف کرنے کا ثواب ملے گا (جمع الفوائد من القزوی بحول وادار سال)

(۱۷) شہادت فی سبیل اللہ سے بجز دین (قرض) کے ہر قسم کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (ترمذی)

(۱۸) ہر شہید اپنے اہل بیت میں سے ۷۰ گناہ گاروں کی شفاعت کر سکے گا۔ (ابوداؤد)

(۱۹) ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس کی کیا وجہ ہے کہ سارے مومن فتنہ قبر سے دو چار ہوں گے بجز شہید کے؟ فرمایا تلواروں کی باڑ کا فتنہ جو اس کے سر پر منڈلا چکا ہے کافی ہو گیا۔ (نسائی)

(۲۰) شہید کو قتل ہونے کے وقت صرف اتنی تکلیف ہوتی ہے جتنی چونٹ لینے یا پسو کے کانٹے سے ہوتی ہے (ترمذی۔ نسائی) یہ جہاد و قتال کے خوفناک منظر اور اس کی بیست دلوں سے کم کرنے کے لیے فرمایا کہ جب شہید کو خدا کے خصوصی فضل و انعام کے باعث قتل کے وقت تکلیف بھی نہیں ہوتی تو پھر اس سے مرعوب و خوفزدہ ہونا کیسا؟ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر موت مقدر نہیں تو کتنے ہی میدان کارزار دیکھے گا۔

اور ان کو فاتحانہ سر کرے گا، مگر موت پاس نہ آ سکے گی چنانچہ مشہور عالم شیر دل اسلامی جرنیل حضرت خالد بن ولیدؓ نے بیسیوں میدان میں داد شجاعت دی سینکڑوں بلا و اور کتنے ہی ممالک فتح کئے، مگر موت مقدر نہ تھی اور آخر میں آئی تو گھر کے بستر پر خود ہی موت کے وقت فرمایا میں نے اتنے معرکوں میں شرکت کی اور میرا کوئی عضو نہیں بچا جس میں تلوار اور تیر کے زخم نہ ہوں اور اب مجھے افسوس ہے کہ اپنے بستر پر مر رہا ہوں۔ خدا

لے دو دفعہ دوہنے کے درمیان کا وقفہ یاد رہنے والے کے ہاتھ کے بند کرنے اور کھولنے کے درمیان کا وقت، مقصود کم سے کم وقفہ ہے (مؤلف)

کرے بزدلوں نامردوں کو کبھی خواب راحت نصیب نہ ہو۔ (تفسیر ابن کثیر صفحہ ۵۲۶/۱) مطلب یہ تھا کہ بزدلی و نامردی اور خوف موت ہی جہاد و قتال سے روکتا ہے ایسے لوگوں کو میرے حال سے سبق لینا چاہئے اور اس پر بھی اگر ان سے موت کا بے جا خوف دور نہ ہو سکے تو وہ بد نصیب بد دعا کے مستحق ہیں کچھ اسی ذہن و فطرت کے لوگوں نے میدان جہاد کا رخ کرنا مرادف موت سمجھا تھا تو حق تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی تھی: - و لا تلقوا باید بکم الی التہلکۃ کہ تم اپنی بزدلی کے باعث غلط خیال میں ہو درحقیقت جہاد کی تیاری نہ کرنا اور ضرورت کے وقت جہاد سے پہلو تہی کرنا ہی اپنے کو ہلاکت و تباہی و نامرادی کے غار میں دھکیلنا ہے قوموں کی ذرا سی غفلت و بزدلی سے دشمن کو بڑے فائدے پہنچ جاتے ہیں اور اس کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں۔ "واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ وعدوکم۔"

## جہاد و شہادت کے اقسام

جہاد کا مضمون بہت طویل اور پوری تفصیلات چاہتا ہے اور یہ جلد اسی مضمون پر ختم ہو رہی مختصر اچند باتیں اور لکھی جاتی ہیں۔ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے اقدامی جہاد سب سے اعلیٰ اور اونچا درجہ ہے جس کو انبیاء علیہم السلام کے غزوات اور صحابہ کرام کے مجاہدانہ کارناموں میں پڑھنا چاہئے اور سمجھ کر اس سے روشنی ملتی چاہئے اس کے بعد دفاعی جہاد کا مرتبہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من قتل دون ماله فهو شہید۔ من قتل دون دمه فهو شہید۔ من قتل دون دینہ فهو شہید۔ من قتل دون اہلہ فهو شہید (سنن اربعہ) من قتل دون مظلمة فهو شہید (نسائی) یعنی اپنے دین مال اہل و عیال اپنی عزت و حق کی حفاظت کرتے ہوئے مرجائے تو وہ بھی شہید ہے مگر یہ جب ہی ہے کہ جہاد کی روح اس حالت مظلومی میں بھی فوت نہ ہو یعنی اپنی سستی و کوشش میں کمی نہ کرے اور بزدلی و نامرادی کا کسی نہج شاہ نہ آئے اور حق و انصاف ادا کرے اس کے بعد تیسرا اور آخری درجہ شہادت کا اور بھی ہے کہ اس کو بھی شارع علیہ السلام نے فی الجملہ شہادت کے اعلیٰ مقام سے ربط دے دیا ہے اور بڑے ثواب کا مستحق گردانا ہے فرمایا (۱) طاعون کی بیماری سے (۲) ہیضہ کی بیماری سے (۳) نمونیہ کی بیماری سے اور عورت نفاس کی حالت میں مرجائے تو شہید ہے اسی طرح ڈوب کر جل کر دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرجائے تو وہ بھی شہید ہے یہ تیسری قسم گویا جہاد اضطراری ہے اور تیاری و مستعدی تینوں ہی قسم کے جہادوں کے لئے ہونی چاہئے تاکہ جس سے بھی سابقہ پڑے مردانہ وار اس کو انگیز کرے اور غفلت و ناتیاری کی ندامت و سخت انگٹائی نہ پڑے۔

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

## مسئلہ قتال تاریکین و اجبات اسلام

مذکورہ حدیث الباب میں تاریکین صلوٰۃ و زکوٰۃ سے قتال کا وجوب صراحتاً اور دوسرے تاریکین و اجبات سے اشارۃً معلوم ہوا لیکن ظاہر ہے کہ ایسے احکام کا اجراء دار السلام ہی میں ہو سکتا ہے دار الحرب میں جہاں غیر اسلامی احکام کا اجراء ہو کس طرح ممکن ہے؟ اس لئے بدرجہ مجبوری انفرادی و اجتماعی حیثیت سے جتنا بھی زیادہ سے زیادہ اثر و دباؤ قانونی حدود کے اندر نہ کر ان لوگوں پر ڈالا جاسکتا ہو اس سے ضرور کام لینا چاہئے تاکہ احکام اسلام سے غفلت و بے اعتنائی کا سد باب ہو اس کے لئے مؤثر تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے اسلامی شریعت کی نظر میں جو لوگ مستحق قتال ہیں اور ترک صلوٰۃ و عدا پر تو تمام ائمہ مجتہدین نے نقل و جس کے سخت ترین احکام جاری کئے ہیں اسلئے ان کی اصلاح معاشرہ مسلمین کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔

لہذا ایسے تمام لوگوں کی تادیب و اصلاح حال ہر دیندار مسلمان کا فرض ہے خصوصاً اپنے متعلقین اعزہ و احباب کی کلکم راع و کلکم مسؤول عن دعبہ اس اصلاح کے چند درجات ہیں سب سے پہلے وعظ و تلقین ترغیب و ترہیب کے ساتھ احکام اسلام کی ضروری تعلیم دی جائے جن لوگوں پر وہ کارگر نہ ہو ان کا عملی طور سے عمومی مقاطعہ ترک تعلق وغیرہ کیا جائے تاکہ وہ مجبور ہو کر ترک صلوٰۃ وغیرہ



اور ارتکاب منکرات و فواحش سے باز آئیں یہ مقاطعہ کی صورت ان کی اصلاح حال کے لئے کم سے کم درجہ کا علاج ہے اور جس کا روزانہ عہد و اقرار ہم دغا قنوت میں بھی کرتے ہیں ”وَنَخْلَعُ وَنَتْرُکُ مِنْ یَفْجُرُکَ“ (اے خدا! ہم آپ کے نافرمان بندوں سے بیزاری قطع تعلق کرتے ہیں اس طریق کار کی کامیابی کا انحصار ہر شہر و قصبہ کی منظم تبلیغی جماعتوں پر ہوگا۔ ۹۷ میں غزوہ تبوک کے متکلفین کے ساتھ جو مقاطعہ ترک تعلق و ترک کلام کی صورت میں خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختیار فرمایا تھا اور اس سے خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی۔ وہ ہمارے لئے اسوہ حسنہ ہے اور موجودہ حالات میں وہ ایک ہی موثر علاج ہے سورہ توبہ کی تفسیر میں اس کا واقعہ تفصیل سے ملتا ہے اور ہم بھی آئندہ کسی موقع پر لکھیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

## دارالاسلام و دارالحرب کے متعلق علامہ کشمیریؒ کی تحقیق

احکام اسلام کے اجراء وغیر اجراء اور بہت سے مہمات اسلامی کا تعلق ہر دو دار کے اصولی فرق سے وابستہ ہے اس لئے اس کی بھی یہاں بقدر ضرورت شرح و ایضاح مناسب ہے اس کے ضمن میں یہ بات بھی آجائے گی کہ ہمارا ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں؟ محقق عصر حضرت علامہ کشمیری قدس سرہ نے اس سلسلہ میں ایک نہایت عمدہ تحقیق بہت مدت ہوئی اپنے خطبہ صدارت آل انڈیا جمعیت علماء ہند (منعقدہ پشاور) میں لکھی تھی جو شائع شدہ ہے اس کے بعد ایک مستقل تحریر اسی موضوع پر تحریر فرمائی جو اب تک قلمی یادداشت کی شکل میں ”کتاب خانہ رحمانی موئیکہ“ میں محفوظ تھی جس کو چند ماہ قبل محترم و مخدوم جناب مولانا منت اللہ صاحب رحمانی فاضل دیوبند و کن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند امیر شریعت بہار و اڑیسہ نے نہایت عمدہ آرٹ و پیر پر نوٹو آفسٹ سے طبع کرا کر شائع کر دیا ہے درحقیقت اس کی اشاعت سے مولانا موصوف نے قلمی دنیا پر بہت بڑی منت فرمائی ہے۔ وَلَهُمُ الْاِجْرُ وَالْمِنَّةُ۔

حضرت شاہ صاحبؒ کی تحریر فارسی زبان میں ہے نہایت مفید ہوتا اگر اس کے ساتھ اردو ترجمہ بھی شائع ہو جاتا بہر حال اسی تحریر کا ضروری خلاصہ پیش ہے۔

کسی شہر یا ملک کے دارالاسلام یا دارالحرب ہونے کا مدار محض غلبہ و شوکت پر ہے اگر وہاں مسلمانوں کا غلبہ ہے تو وہ دارالاسلام ہے اور کفار و مشرکین کا غلبہ ہے تو دارالحرب ”جامع الرموز میں ہے“ کہ دارالاسلام وہ ہے جس میں امام المسلمین کا حکم جاری ہو اور مسلمان وہاں مامون ہوں اور دارالحرب وہ ہے جس میں مسلمان کافروں سے خوفزدہ ہوں۔“

اگر کسی جگہ دونوں کے احکام جاری ہوں اور بعض وجوہ سے اہل اسلام کا بھی غلبہ ہو تو اس کو بھی بحکم ”الاسلام یعلو ولا یعلو“ دارالاسلام کہہ سکتے ہیں مگر صرف اس وجہ سے کہ کسی جگہ مسلمان بھی رہتے ہوں (بغیر کسی غالبانہ حیثیت کے اس کو دارالاسلام نہیں کہہ سکتے۔ ورنہ جرمنی، فرانس، روس و چین وغیرہ کو بھی دارالاسلام کہا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت شاہ صاحب نے ایک طویل محققانہ بحث اس امر پر کی ہے کہ ایک دارالاسلام کن صورتوں میں دارالحرب بن جاتا ہے اور امام صاحب و صاحبین کے نظریات کی تنقیح و توضیح فرمائی ہے جو اہل علم کے لئے بہت قیمتی ہے پھر فرمایا کہ اجراء احکام اسلام کا مطلب بطور غلبہ اظہار حکم اسلام ہے محض اداء جماعت و جمعہ مراعات نہیں ہے کیونکہ فقہانے تصریح کی ہے اور بتلایا ہے کہ اجراء احکام کفر اشتہار اسے مراد یہ ہے کہ حاکم کفار کے حکم جاری کرے اور وہ لوگ قضاۃ المسلمین کی طرف رجوع نہ کریں یعنی قضاۃ المسلمین کی کوئی شوکت و وقعت نہ ہو اور جن بلاد میں

لے فقہانے دارالحرب ہی کی ایک قسم دارالامان بھی لکھی ہے جس کی وضاحت حضرت شاہ صاحبؒ نے خطبہ صدارت مذکورہ میں کی ہے اور اس وقت کے انگریزی دور کو دارالامان قرار دیا تھا اس کے مقابلہ میں دارالخوف ہے جہاں مسلمانوں کو پوری طرح جان مال عزت و مذہب کا تحفظ بھی حاصل نہ ہو اس وضاحت اور فقہاء کرام نیز حضرت شاہ صاحبؒ کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات صاف ہے کہ کسی غیر دارالاسلام کو دارالمسلمین نام دینے کا کوئی عمل و موقع نہیں ہے خصوصاً جبکہ اس اصطلاح کا پہلے سے وجود بھی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

کفار قابض ہو جائیں اور ان کے احکام نافذ نہ ہوں بلکہ قضاۃ مسلمین ہی کے احکام چلیں تو اس وقت تک ان کو بھی دارالاسلام کہیں گے۔  
 غرض فقہاء نے سارا مدار نفاذ احکام پر رکھا اس پر نہیں رکھا کہ اس شہر یا ملک کے لوگ آزادی سے باجماعت نمازیں ادا کرتے ہیں یا نہیں اور نماز جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں وغیرہ کیونکہ ان امور یا دوسرے شعائر اسلام کی ادائیگی دارالحرب میں بھی کفار کی اجازت سے ہوتی ہے جس طرح دارالاسلام میں اہل ذمہ کفار اپنی تمام مذہبی رسوم آزادی سے ادا کرتے ہیں مگر ان کی وجہ سے ان کو دارالحرب نہیں کہہ سکتے۔  
 آخر بحث میں حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ ”اہل فقہ میں سے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ اگر ملک کفار میں ان کی اجازت سے مسلمان شعائر اسلام ادا کرتے ہیں تو وہ ملک دارالاسلام بن جاتا ہے حاشا وکلا: یہ بات فقہ سے بہت دور ہے اور جب یہ بات منقطع ہوگئی تو ہندوستان کے بارے میں خود ہی فیصلہ کیا جاسکتا ہے ظاہر ہے کہ یہاں کفار نصاریٰ کے اجراء احکام کا اس درجہ غلبہ ہے کہ اگر ایک ادنیٰ حاکم ضلع بھی حکم جاری کر دے کہ مساجد میں نماز جماعت ادا نہ کی جائے تو کسی غریب یا امیر مسلمان کی طاقت و قوت نہیں ہے کہ مسجد میں جا کر نماز ادا کر سکے۔

اسی طرح یہاں جو جمعہ و عیدین کی ادائیگی ہوتی ہے یا عدالت میں بھی بعض قوانین فقہ پر عمل ہوتا ہے وہ بھی محض کفار کے اس حکم کے تحت ہے کہ جس سے ہر شخص کو اپنے دین کے موافق عمل کرنے کی اجازت دی گئی ہے (یعنی جب چاہیں وہ اس حکم کو منسوخ بھی کر سکتے ہیں) یہی وہ دلیل کہ ہم لوگ ابھی تک اسی سابق امن سلاطین اسلام کے تحت امان میں ہیں یہ بھی غلط ہے کون عاقل کہہ سکتا ہے کہ جو امن شاہ عالم نے عطا کیا تھا ہم اسی کی وجہ سے اس وقت مامون بیٹھے ہوئے ہیں بلکہ ظاہر ہے کفار نصاریٰ کے جدید امن سے ہمیں موجودہ امان ملا ہوا ہے یہی دارالحرب کی یہ شرط کہ وہ کسی طرف سے کسی دارالاسلام کے حصہ سے ملحق و متصل نہ ہو وہ شرط بلاد و قری کے اندر ہے ممالک و اقالم میں نہیں ہے۔ کیونکہ ایک شہر و قریہ کے لوگ اپنے قریبی شہر و قریہ والوں کی مدد کر سکتے ہیں مگر ممالک میں یہ بات دشوار ہے کون کہہ سکتا ہے کہ افغانستان ہندوستان سے ملحق ہے تو اس کے لوگ یہاں آ کر کفار کو ملک سے نکال سکتے ہیں حاشا وکلا: بلکہ ان کا نکالنا نہایت دشوار ہے بہر حال! ہندوستان پر کفار کا تسلط اس درجہ ہے کہ کسی وقت بھی اس سے زیادہ مستحکم تسلط و غلبہ کفار کو کسی دارالحرب میں نہیں ہوا۔ اور مسلمانوں کی مراسم اسلام کی ادائیگی محض ان کی اجازت پر ہے مسلمانوں سے زیادہ عاجز ترین رعایا کوئی نہیں ہے ہندو کو بھی اس سے زیادہ رسوخ حاصل ہے البتہ رام پورہ ٹونک بھوپال وغیرہ (اسلامی ریاستوں) میں باوجود کفار کے ماتحت ہونے کے چونکہ مسلمان نواب کی طرف سے احکام اسلام جاری ہیں ان کو ”دارالاسلام“ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ رد المحتار کی روایات سے مستفاد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم و علمہ احکم

میں مولانا منت اللہ صاحب کا نہایت شکر گزار ہوں کہ ان کی وجہ سے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کے ارشادات گرامی کا مذکورہ بالا خلاصہ پیش کر سکا۔ سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت السميع العليم۔

### ختم شد

معذرت: مقدمہ انوار الہاری کے دونوں حصوں میں صرف ان محدثین کے تذکرے لکھنے کا اہتمام کیا گیا تھا جن کی علم حدیث میں کوئی تعنیف یا نمایاں درس ہوتا ہم بہت سے قابل ذکر حضرات اس لئے رہ گئے کہ بوقت تالیف ان کے حالات کا علم نہ ہو سکا کتاب کے دونوں حصے شائع ہو چکے تو بہت سے بزرگوں اور احباب کے خطوط آئے جس میں باقی ماندہ حضرات کی نشاندہی کی گئی ان میں واقعی بڑے بڑے حضرات ایسے ہیں جن کے ذکر سے مقدمہ مذکور کا خالی ہونا طبیعت پر بہت ہارے اس لئے ارادہ کیا ہے کہ ایسے حضرات کا ذکر کسی جلد کے ساتھ بطور ضمیرہ شامل کر کے پورا کیا جائے گا یا حجم زیادہ ہونے کی صورت میں ایک جلد ہی مستقل شائع کر دی جائیگی۔ جن حضرات نے ایسے محدثین کے حالات ناقص بھیجے ہیں وہ کسی وقت ان کی تکمیل بھی فرمادیں میں ان سب حضرات کی توجہ و کرم کا نہایت ممنون ہوں کہ میری کوتاہی پر متنبہ کیا۔ و عند اللہ فی ذاک الجزاء ”مؤلف“

## مکاتیب گرامی حضرات اکابر و افاضل دامت فیوضہم

”مبارک خواب“ مقدمہ انوار الباری جلد دوم کے آخر میں ایک خواب کا ذکر ہو چکا ہے جس میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی منائی زیارت و تاثرات کا بیان ہوا ہے انوار الباری کے افتتاح مبارک پر ایک نہایت مبارک خواب جو ایک مداری بزرگ نے دیکھا اور محترم و خلص مولانا ذاکر حسن صاحب پھلتی دامت برکاتہم نے لکھ کر راقم الحروف کو بھیجا یہاں درج کیا جا رہا ہے جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا تھا عاجز راقم ان برکات کی اہلیت اپنے اندر نہیں دیکھتا جو کچھ سامنے ہے وہ سب محض خدائے تعالیٰ جل ذکرہ کا فضل و انعام ہے اور صرف بطور تحذیر و نعت ان کو پیش کرنے کی جرأت کر سکا (و ما بکم من نعمۃ لکن اللہ)

### پہلا مکتوب

وہ عظیم الشان خوشخبری یہ ہے کہ میرے ایک دوست و شریک حلقہ تفسیر جناب عبدالرشید صاحب نہایت متقی پرہیزگار آدمی ہیں اگرچہ علوم عربیہ سے عامی ہیں۔ مگر علم و علماء سے بہت دلچسپی رکھتے ہیں آپ کی مؤلفہ کتاب انوار الباری شرح بخاری شریف کے ممبر خریداری بھی ہیں (جن کا نام فہرست مرسلہ میں جا چکا ہے) اور احقر کی ترغیب پر ممبر بنانے کے لیے بڑے ساعی ہیں چنانچہ کئی ممبر وہ اپنے حلقہ احباب سے بنا چکے ہیں) اس اثناء میں جب کہ بندہ کتاب مذکورہ کی جلدوں کی پیشگی قیمت وصول کرنے کی تحریک کر رہا تھا اور وہ ممبر سازی میں ساعی تھے انہوں نے ایک نہایت مبارک خواب دیکھا ہے جو اگرچہ دلیل قطعی نہیں مگر انوار الباری کی مقبولیت عند اللہ کے قرائن میں سے ضرور ہے۔

روایہ صالحہ کی کیفیت یہ ہے کہ نماز فجر کے وقت سے ذرا پہلے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ”میں چند ساتھیوں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے مدینہ منورہ پہنچا اور مسجد نبوی میں جا قیام کیا اس وقت ٹھیک نماز کا وقت تھا غالباً نماز عصر کا میں نے وضو کی تیاری کی ہاتھ میں مسواک تھی پشت قبلہ کی طرف تھی اور سامنے حوض تھا جس کے کنارہ پر ایک بزرگ ہستی مسواک لیے ہوئے وضو کر رہے تھے اسی وقت کچھ لوگوں نے مجھ سے باہر چلنے پر اصرار کیا اور میں نے یہ کہہ کر انکار کیا کہ نماز کا وقت ہے اور کہا کہ سامنے یہ جو بزرگ شخصیت ہے وہ ہمارے آقائے نامدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اتنا سننا تھا کہ وہ حضرت میری نظروں سے غائب ہو گئے پھر دیکھا کہ میرے پاس ایک کاغذ تھا جس میں انوار الباری کے ممبروں کی فہرست تھی اور میں مسجد کے راستے میں تھا مسجد کے راستے میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے تھے۔ یہ میری دوسری نظر تھی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ فہرست مجھ سے طلب فرمائی میں نے پیش کر دی۔ ساتھ ہی کتاب کا ایڈریس بھی دیا پھر دیکھا کہ ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ایک اعرابی مجھے مہمان بنا کر اپنے گھر لے گیا جہاں بہت سی پوشاک لگی ہوئی تھیں انہوں نے مجھے سو روپیہ بھی دیے میں نے لیے پھر نہ معلوم کیوں میں روپیہ واپس کرنے گیا (غالباً اس خیال سے کہ ان کو تکلیف دینا مناسب نہیں) تو انہوں نے صرف آدمی رقم مجھ سے یہ کہہ کر لے لی کہ میں مسجد ہی میں پہچان گیا تھا کہ تم پریشان حال ہو اتنی بلفظہ واضح ہو کہ یہ صاحب پہلے بھی کئی بار زیارت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہو چکے ہیں اس منام میں انوار الباری کے ممبروں کی فہرست طلب فرمانا ممبران کے لیے عموماً اور جناب کی مؤلفہ کتاب کے لیے خصوصاً مقبولیت بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قرائن ہیں اور یہ وہ بشارت ہے جس پر آپ جس قدر بھی خوشی محسوس فرمائیں کم ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ کی خدمات کو شرف قبولیت بخشے۔ احقر ذاکر حسن عفی عنہ

## دوسرا مکتوب گرامی

آج صبح ایک لغافہ مشتمل بر بشارۃ عظمیٰ لکھ چکا ہوں جس میں ایک گوشہ رہ گیا تھا شام کو صاحب رویاء سے مل کر اس کی تشریح دریافت کی اور اطلاع کے لیے یہ خط لکھ رہا ہوں وہ یہ کہ رائی نے دیکھا کہ حضور نے فہرست طلب فرمائی اور ایڈریس بھی میں نے فہرست مع ایڈریس پیش کی اس ایڈریس (پتہ) سے مراد آپ کا پتہ ہے یعنی کتاب انوار الباری ملنے کا پتہ بھی حضور نے طلب فرمایا پس مبارک ہو اور پھر مبارک ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گویا آپ سے یہ کتاب طلب فرمانا چاہتے ہیں اور کتاب ملنے کا پتہ طلب فرما رہے ہیں اور بندہ نے کتاب کا پتہ آپ کے اسم گرامی کے ساتھ سب کو دیا ہے نہ صرف مکتبہ کا کیا اس تشریح کے بعد بھی آپ کی خدمات اور انوار الباری کی قبولیت بارگاہ نبوی میں کوئی ریب باقی رہ سکتا ہے۔ پس کمر ہمت باندھیں اور عواقب و موانع سے مقابلہ کی ٹھان کر اس کام کو جلد از جلد مکمل کرنے کا عزم بالجزم کریں اور یقین کریں کہ ان شاء اللہ آپ کی یہ خدمت آپ کو دنیا اور آخرۃ میں نافع اور تجارت لن تبور ثابت ہوگی احقر ذاکر حسن عفی عنہ۔

## مکتوب گرامی حضرت شیخ الحدیث مولانا العلام محمد زکریا سہارنپوری رحمہ اللہ

چند روز ہوئے ہدیہ سینہ مرسلہ سائی ایسے وقت پہنچا کہ میں اس وقت بہت مشغول تھا مگر اس کے باوجود اس کی مجمل نظر اور ورق گردانی تو اسی وقت شروع کر دی تھی دوسرے ہی دن رسید و شکر یہ لکھنے کا ارادہ تھا مگر حضرت اقدس رانچوری کے سفر پاکستان کی وجہ سے بے ارادہ رانچور جانا پڑ گیا اس لیے عریضہ میں تاخیر ہوئی حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل و کرم سے دارین میں اس کی جزائے خیر اپنے شایان شان عطا فرمائے اور اس کے ذریعے سے دین و دنیا کے منافع سے تمتع عطا فرمائے سرسری نظر میں جتنی اب تک دیکھی اس میں تو صرف ایک ہی چیز گراں ہوئی اس میں کوئی مبالغہ یا تصنع نہیں ہے کہ اس ناکارہ کا ذکر اس میں بے محل تھا نیز یہ بھی درخواست ہے کہ آئندہ جلدوں میں ہدایا کا سلسلہ ختم فرما کر ہر جلد بے تکلف قیمتاً ارسال فرمادیا کریں کہ اس طرح ہدایا میں تو اس سلسلہ لمبا ہو جائے گا۔ اور اس ناکارہ کو قیمتاً خریدنا بار نہیں ہے۔ (ذکر یا مظاہر علوم ۲۹ ذی قعدہ ۱۴۱۰ھ)

## مکتوب گرامی حضرت الحدیث مولانا المفتی سید محمد مہدی حسن شاہ جہانپوری رحمہ اللہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بعد الحمد ہر آن چیز کہ خاطر منخواست آخر آمد زہیں پردہ تقدیر یہ ید

محترم بندہ زادت افاد اہم عرصہ سے دل و دماغ میں یہ امر جاگزیں تھا کہ اردو زبان میں حدیث کی کسی کتاب کی خصوصاً صحیح بخاری کی شرح حنفی مکتب خیال کی طرف سے ہوتی تو بہت ہی مفید ہوتی کتب متداولہ حدیث کے ترجمے اور شروع اردو میں دوسرے حضرات نے کئے ہیں جو آج موجود ہیں لیکن پھر ضرورت تھی کہ کوئی اللہ کا بندہ اس کی طرف توجہ کرتا۔ قابل صد مبارکباد ہیں۔ کہ آپ نے اس اہم فریضہ کی افانگی کی سستی فرمائی اور صحیح بخاری جیسی اہم کتاب کی اردو میں شرح لکھنی شروع کی خصوصاً امام العصر حضرت رئیس المحدثین فی عصرہ مولانا السید انور شاہ صاحب قدس سرہ کے افادات کو پیش کرنے کا قصد فرمایا ہے تاکہ مجھ جیسے نا اہل طلبا کو بھی استفادہ کرنے کا موقع ہاتھ آجائے خدائے وحدہ لا شریک کا شکر ہے کہ آپ نے انوار الباری شرح صحیح البخاری کا مقدمہ جو دو حصوں میں پیش کیا ہے اور جو اس میں کاوش کی ہے اس کی داد دینا مستقل ظلم ہے برہمابریں سے جو امور زوایہ قبول اور پردہ گمنامی میں پڑے تھے یا ڈال دیے گئے تھے ان سے پردہ ہٹا دیا ہے مقدمہ کے دونوں حصوں کو پڑھا اور زبان سے یہ نکلا رہا ہے ع اللہ کرے زور قلم اور زیادہ دونوں حصوں میں علم فقہ

وحدیث اور فقہاء و محدثین خصوصاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے تلامذہ اور متدین فقہ اور حدیث دانی کی مکمل و مختصر تاریخ پیش کردی اور بڑی جانکاہی اور کاوش سے ان امور سے پردہ اٹھا دیا جو اب تک پردہ خفا میں تھے مقدمہ بہت قیمتی اور بیش بہا معلومات پر مشتمل ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ مقدمہ اردو دان طبقہ کے لیے ہی نہیں بلکہ طلبائے علم حدیث اور علماء کے لیے بھی مفید اور نادر تحفہ ہے اب تک امام صاحب اور ان کے تلامذہ اور حنفی مذہب کے خلاف اور اہل الرائے ہونے کا جو پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے اس مقدمہ نے اس کی اصلی صورت پیش کردی اور اس کے پردوں کو چاک کر دیا شواہد و نظائر پیش کر کے ان توہمات و شبہات اور اعتراضات کو دور کر دیا جن پر اغیار نے بنیادیں کھڑی کر رکھی ہیں۔ جزاکم اللہ عناو عن جمیع الاحناف دلی مسرت و مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ انوار الباری کی تکمیل اسی کوشش و کاوش کے ساتھ ہو جائے کہ علمی طبقہ اس سے مستفید ہو آئیں۔ مقدمہ نایاب تحفہ ہے اور کافی مواد کا جامع اوہام کا دافع اور اعتراض و غلط پروپیگنڈے کا قاطع و قانع ہے مسلسل بیماری کی حالت آپ نے دیکھی ہے انہیں امراض میں مبتلا ہوں پھر بھی مقدمہ کو پڑھتا رہا اور مستفید ہوتا رہا۔ والسلام۔

سید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند

## مکتوب گرامی حضرت المحدث العلام مولانا المفتی محمد شفیع دیوبندی رحمہ اللہ

### کرم فرماؤ محترم مولانا احمد رضا صاحب دام فضلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی قرین عافیت ہوگا سب سے پہلے تو یہ معذرت پیش کرنا ہے کہ آپ کے دو گرامی نامے اس عرصہ میں وصول ہوئے ہیں کسی کا بھی جواب نہ دے سکا کیونکہ سرسری دیکھ کر کچھ لکھنا مناسب نہ سمجھا تفصیلی مطالعہ کے انتظار و فرصت میں وقت گزرتا رہا اب کچھ وقت ملا تو سطور ذیل لکھ رہا ہوں۔

انوار الباری شرح اردو صحیح بخاری کا پہلے اشتہار نظر پڑا اس کا شاندار مقدمہ جلد اول مرسلہ آں محترم پہنچا اشتہار دیکھ کر ایسی مسرت ہوئی کہ جیسے کسی کی دیرینہ آرزو پوری ہو جائے میرے نزدیک یہ وقت کی اہم ضرورت ہے کہ صحیح بخاری کی شرح معتدل اور مناسب انداز میں اردو زبان میں آجائے استاذ محترم حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہ نے اپنے آخری درس بخاری کی تقریر کو بڑے اہتمام سے ضبط کرا کر اور اس پر نظر ثانی فرما کر اسی مقصد کے لیے تیار کرایا تھا کہ اس کے ذریعہ ایک حد تک یہ مقصد پورا ہو سکے گا مگر فحسوں کو وہ مسودہ ہی باہمی اختلافات کی نذر ہو کر رہ گیا۔

آپ نے اس کام کو شروع کیا حضرت استاذ العلامہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہ سے آپ کی خصوصیت اور مجلس علمی کی خدمات پہلے سے معلوم تھیں اس لیے بہت ہی مسرت ہوئی کہ یہ کام باحسن اسلوب انجام پا جائے گا اور دعا ہے کہ حسب مراد نفع و مقبول صورت میں انجام پائے مقدمہ کے دیکھنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس معاملہ میں آپ نے ماشاء اللہ کافی محنت کر کے معلومات کا بہت بڑا مواد کتب حدیث سے جمع فرما دیا ہے۔

دوسرے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عنایت نامہ پھر مقدمہ انوار الباری جلد ثانی وصول ہوئی ابھی تک تفصیلی مطالعہ کا وقت نہیں ملا سرسری انداز میں نظر ڈالی ماشاء اللہ ہر حیثیت سے بہتر نظر آئی آپ نے بڑی محنت شاقہ برداشت فرمائی اللہ تعالیٰ جزا خیر عطا فرمائے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی نظر اس پر مرکوز رہے کہ اس زمانے کا فتنہ اہل حدیث نہیں بلکہ منکرین حدیث ہیں اساطین امت اکابر محدثین کو کسی ایسے انداز سے پیش کرنا جس کی بناء پر منکرین حدیث کو نفس حدیث پر جرح کرنے میں بہانہ مل جائے اس تصنیف میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وقت کا سب سے بڑا خطرہ المحدث کی

مخالفت اور حقیقت پر اعتراض کو سمجھ کر اسی کی مدافعت پر زور دیا گیا ہے حالانکہ اس وقت دنیائے اسلام کو دوسرے فتنوں نے گھیر رکھا ہے ہمارے کسی حرف سے ان فتنوں کو سہارا ملنا ایک مصیبت ہے بس اس کا خیال ہر قدم پر رکھا جائے نفس حدیث کی خدمت اس کے ذریعے موجودہ دور کے فتنوں کی مدافعت کو بحث و تحقیق کا اصل محور قرار دینا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے یہ ناکارہ خلائق تو اب کسی کام کار نہیں آپ حضرات کی مساعی جمیلہ کو دیکھ کر خوش ہو لیتا ہے۔

والسلام بندہ محمد شفیع عفا عنہ ۸۱، ۱۱، ۲۹

## مکتوب گرامی حضرت المحدث العلام مولانا ابوالوفا افغانی مدیر احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن زبدۃ الخلان واخلص الاخوان سیادت مآب مولانا سید احمد رضا صاحب دام مجده

السلام علیکم ورحمۃ اللہ ذی الحجۃ کو مکتوب مبارک شرف صدور لایا موجب مسرت ہوا اس کے قبل مقدمہ انوار الباری کا حصہ ثانیہ بھی وصول ہوا دیکھ کر آنکھوں کے لیے نور و دل کے لیے سرور ہوا اسی سرور لا یمکن تعبیرہ سچ ہے کم ترک الاول للآخر جلد اول کے مطالعہ سے میں فارغ ہوا طباعت کی غلطیوں پر نشانات کرتا گیا نیز جہاں کچھ کلام تھا اس پر بھی نشانات کرتا گیا لیکن اب فرصت بھی کہاں کہ دوبارہ مراجعت کر کے اپنے تاثرات کی اطلاع دے سکوں البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ یہ صرف آپ ہی کے لیے مقدر کہ اتنا کام کیا اس کے قبل کسی بڑے سے بڑے عالم سے نہ ہو سکا البتہ تراجم کی ترتیب جیسے چاہئے نہ ہو سکی مکررات بھی ہوئے اگرچہ اس کے بھی وجوہات ہیں لیکن حروف معجم یا طبقات پر اسما کو مرتب کرنا چاہئے تھا دوسرے حصہ کا مطالعہ تو ابھی شروع نہیں کیا کیونکہ مواقع موجود ہیں لیکن نشان زدہ مقامات کے کئی تراجم کا مطالعہ کر چکا ہوں بخاری کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے زائد لکھنے کا حق تھا جو بھی لکھا ہے بہت ہی احتیاط سے لکھا ہے ہاں ان ہی بزرگوں کی وجہ سے ہم کو ہمیشہ شکست ہی ہوتی رہی ان کو تو گالیاں سننے ہی میں مرہ آتا ہے اور السن بالسن و الجروح قصاص کو بھول گئے ہیں آپ سے کوئی تیزی نہیں ہوئی قال ابو عبد اللہ خالف رسول اللہ و اجاز الخداع بین المسلمین دیکھ کر سر پیچ کر کے گزرنے سے ہی تیزی دفع ہوتی ہے اور بخاری کے متعلق کچھ نہ کہنا چاہئے کیونکہ وہ تو معصوم ہیں آپ تو بہت سے واقعات سے چشم پوشی کر کے گذر گئے، سنا سنا کی روایت تو کی ہی نہیں نہ اس کا ذکر آیا بخارا سے اخراج کے کیا اسباب تھے اس کا بھی ذکر کہاں کیا نسائی سے امام صاحب کی روایت کے اخراج کا قیاس صحیح نہیں سنن کے رواۃ کے اختلاف کی بناء پر ایسا ہوا ہے ابو علی السیوطی اور مختار بکی روایت میں امام صاحب کی روایت ہے حمزہ بن سنی اور ابن حبانہ کی روایت میں نہیں رواۃ کتاب کی وجہ سے زیادتی کی کتب میں ہوا ہی کرتی ہے۔ موطا کو لیجئے سنن ابوداؤد کو لیجئے ضرورت اس کی ہے کہ متعدد نسخ کو جمع کر کے اختلافات جمع کر کے اس کی اشاعت ہونا چاہئے تو تمام روایات ظہور میں آ جاتی ہیں جیسے بخاری و ابوداؤد کے لیے اہتمام کیا گیا ہے ابن تیمیہ کے متعلق بھی آپ نے بہت ہی نرمی سے کام لیا ہے مولوی نذیر حسین دہلوی کو ترکی حکومت کی جانب سے مکہ مکرمہ میں تائب کیا گیا اور انہوں نے اقرار کیا کہ میں حنفی ہوں اس کا ذکر بھی کرنا چاہئے تھا تو بسنا مہ اسی وقت ان کے دستخط سے مکہ میں شائع ہوا تھا نیز شاہ ولی اللہ صاحب کے متعلق بھی بہت کم لکھا گیا حنفی مذہب پر جتنی ان کی کاری ضربیں ہیں کچھ کم نہیں کیا مولانا اسماعیل دہلوی حنفی تھے ان کے اقوال و افعال حنفیت کی ضد کے حامل نہیں؟ نہ معلوم ان کی حنفیت کی کون سی دلیل موجود ہے؟ پشاور کے علماء سے ان کی حنفیت کی تصدیق کرانا چاہئے مولوی نذیر حسین کا قول ہدایہ پڑھاتے وقت وہ ابو حنیفہ کو گولی لگی وہ ابو یوسف کو وہ محمد کو وہ زفر کو مالک کو شافعی کو گولی لگی سن کر ان بعض بزرگوں کو بڑی خوشی ہوئی ہوگی صدیق حسن نے تو احناف کے گھر پر قبضہ کر کے ان کے مال سے ان کے خلاف اس میں دکان لگائی تھی لیکن اللہ جل شانہ کے فیصلوں کا مقابلہ کون کر سکتا ہے ایسا مبادیا کہ لاکھوں روپیہ جو صرف ہوئے تھے دریا برد ہو گئے کا نہ لم یکن شینا



مذکورہ غرضیکہ آپ نے جو بھی کچھ لکھا ہے حق لکھا ہے اس میں کسی کی پروا نہیں کرنا چاہئے زبانی جمع و خراج مجالس میں رہ جائے گا اور آپ کی کتاب صدیوں یادگار زمانہ ہوگی ان شاء اللہ یہ فضیلت آپ ہی کے لیے لکھی گئی تھی ع ہر مدعی کے واسطے دارورسن کہاں احتاف بزرگوں کو صدیوں سے گالیاں کھاتے کھاتے سننے کی عادت ہوگئی اس میں لذت محسوس کرتے ہیں اس لیے ان کو ناگوار ہے کہ سب و شتم کرنے والے کو دینی زبان سے بھی جواب دیا جائے منکرین حدیث تو اس سے پہلے بھی آپ کے جوابات دینے سے فائدہ اٹھائے ہوئے ہیں آپ کے اقوال کو پیش کرتے رہتے ہیں اس کا کیا جواب ہے کوئی نئی بات نہیں مسلم نے بخاری کے متعلق کیسے الفاظ استعمال کئے ہیں حاکم نے تو دونوں پر ایسا مواخذہ کیا کہ ایک بڑی کتاب ہی ان کی فروگزاشت میں لکھ ڈالی ابو حاتم نے تو بخاری کی تاریخ پر تاریخ اس لیے مرتب کی کہ اس میں ان کی غلطیاں اور فروگزاشتیں بتلائیں ان پر کیوں نگاہ نہیں ہوئی پھر فقہاء احتاف ہمیشہ ان کی تردیدیں کرتے ہی رہے ہیں ابو بکر رازی ابو بکر حسنی ابو الحسنین قدوری یحییٰ ابن ہمام امیر کتاب الثقانی اگر منکرین حدیث ان کے اقوال سے استدلال کریں تو اس کا کیا جواب ہوگا خود امام احمد رحمہ اللہ نے امام مالک والی مدینہ پر کچھ کم نہیں لکھا پھر امام شافعی نے کیا کی کیا ابن حزم نے کسے چھوڑا احتاف نے تو اب تک مدافعت ہی کی ہے۔

حالانکہ کتب رجال ان کے ہاتھ میں ہیں۔ اس سے لے کر خود ان کی گالی کا رخ ان ہی طرف پھیرنا چاہئے تھا حارحانہ کارروائی ان کی جانب سے ہو تو سر تسلیم خم ہے لیکن ہمارے جانب سے گناہ کبیرہ ہے میں اب دوسری جلد کا تھوڑا تھوڑا مطالعہ کروں گا اس کے بعد لکھوں گا لیکن اب بھی فہرست کو دیکھ کر بہت سے مقامات کا مطالعہ کر چکا ہوں آپ نے کہیں بھی تجاوز نہیں کیا یہ اللہ کا فضل ہے آپ پر اور حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کا فیض محبت ہے۔ ابو الوفا

### تبصرہ گرامی مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی رحمۃ اللہ علیہ

جیسا کہ اس کتاب کی جلد اول کے تعارف میں ان صفحات میں آچکا ہے اصل کتاب صحیح بخاری کی شرح انوار الباری ہے جو حافظ حدیث علامہ شیخ انوار کا شمیری دیوبندی کے افادات کا مجموعہ ہوگی اور یہ بھی اس کا مفصل دلچسپ اور بصیرت افروز مقدمہ ہے جو دوسری جلد میں ختم ہوا ہے اور اس میں علاوہ امام بخاری امام مسلم امام ترمذی وغیرہ ائمہ حدیث کے چھوٹے بڑوں پچاسوں (بلکہ شاید سینکڑوں) علمائے حدیث کا تذکرہ آگیا ہے کتاب کے مرتب مولانا بجوری علاوہ اپنے جلالت علم کے بڑے اچھے اہل قلم بھی ہیں اس لیے سارے فنی مباحث کے باوجود ان کے بیان میں خشکی کہیں سے نہیں آنے پائی ہے اور کتاب طلبہ فن اور عام شائقین دونوں کے ہاتھوں میں جانے کے قابل ہے۔ ایک بڑی اور بہت بڑی بات یہ ہے کہ ان کے قلم میں توازن ہے وہ احترام ائمہ حدیث و ائمہ فقہ دونوں کا پورا ملحوظ رکھتے ہیں اور پھر بھی ان میں سے کسی کی بھی عصمت و معصومیت کے قائل نہیں ”سوائے انبیاء علیہم السلام کے کوئی معصوم عن الخطاء نہیں“ ائمہ صحاح و ائمہ متبوعین کو بھی معصوم نہیں کہہ سکتے“ (صفحہ ۲/۳)

اس مضمون کے فقرے جا بجا ملتے ہیں اور فاضل مرتب نے اسے عملاً بھی خوب بتایا ہے اس دور میں حدیث کی یہ خدمت حدیث ہی کی نہیں بلکہ کل علم دین کی ایک اہم و قابل قدر خدمت ہے۔

مکتوب گرامی جناب مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی (صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

محبت محترم و مکرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کل قاری رضوان اللہ صاحب سے انوار الباری کا حصہ دوم آپ کے والا نامہ کے ساتھ موصول ہوا غرض اشتیاق میں اسی وقت ادھر ادھر سے پڑھنا شروع کیا جی باغ باغ ہو گیا خدا آپ کو خوش رکھے ماشاء اللہ خوب کام کر رہے ہیں حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی شاگردی اور ذات

گرامی کے ساتھ شرف انتساب کا حق ادا کر دیا۔ ”اس کار از تو آید و مرداں چنین کنند“

جی ہاں! واقعی تبصرہ میں کافی دیر ہو گئی، میں خود بھی شرمسار ہوں، مگر اول تو کتب پرانے تبصرہ کا انبار اس کا عام سبب ہے اور دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ میں اس کتاب کے بعض مباحث اور خصوصاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں امام بخاری کی نا انصافیوں اور ان پر آپ کے تبصرہ پر خالص علمی رنگ میں کسی قدر تفصیل سے کلام کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لیے فرصت نہیں نکال سکا ہوں، کیونکہ سرکاری اور دفتری گونا گوں مصروفیتوں کے علاوہ اپنی ایک ضخیم کتاب کی تالیف و تصوید میں بھی مشغول ہوں، بہر حال اب زیادہ تاخیر نہ ہوگی، یا تو مئی کے برہان میں ورنہ جون میں یقیناً دونوں حصوں پر ایک ساتھ تبصرہ آ جائے گا۔

آپ نے غالباً ابن ابی حاتم الرازی التوفی ۳۲۷ھ کی کتاب ”بیان خطاء محمد بن اسماعیل البخاری فی تاریخہ“ نہیں دیکھی ورنہ امام بخاری کی تاریخ دانی پر تبصرہ میں اس سے بھی کافی مدد مل سکتی تھی، یہ کتاب دائرۃ المعارف حیدرآباد نے شائع کیا ہے۔ حضرت الاستاذ رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں آپ نے اس نابکار و سیاہ اعمال کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، اپنی علمی اور عملی سچ میرزی کے باعث اس آفتاب علم و طہارت نفس سے اپنی نسبت کا اعلان کرتے ہوئے سخت عداوت اور شرم محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ یقین کیجئے، جب میں نے اپنی نسبت آپ کی سطور پر نہیں تو شرم سے پانی ہو گیا۔ ولفنا اللہ لما یحبہ ویرضاه  
والسلام:- مخلص سعید احمد ۱۹ اپریل ۶۲ء

### مکتوب گرامی محترم مولانا عزیز احمد صاحب بہاری دامت فیوضہم

استاد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اس دفعہ طباعت و کتابت کاغذ فصیح کا ماشاء اللہ اچھا اہتمام رہا، مضامین تو ماشاء اللہ نور علی نور بہت ہی دلپسند ہیں اور طرز بہت اچھا ہے۔ دفاع عن الحق نہایت ہی المثلغ اور واضح پیرایہ میں ہے، ادب و احترام کا لحاظ تو بہت ہی قابل داد ہے، الامن ظلم والی صورت سے استفادہ کیا جاسکتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے بڑی ہی نوازش فرمائی ہے کہ قلم بے باک نہیں ہوا، واقعہ ہر حیثیت سے محنت اور کتاب مستحق صد ستائش ہے۔ والسلام عزیز احمد غفرلہ۔

### مکتوب گرامی محترم مولانا امتیاز علی صاحب عرشی رضالا بحریری رامپور

صدیق مکرم و محترم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مقدمہ انوار الباری کا تحفہ ثمینیہ اور دو کرم نامہ مل چکے ہیں، میں نے مقدمہ کو از اول تا آخر پڑھ بھی لیا ہے اس میں دو تین جگہ نشان بھی بنائے ہیں ان شاء اللہ ذرا فرصت ملے تو لکھوں گا۔

مجموعی طور پر آپ نے بے حد دلسوزی اور تحقیق سے کام کیا ہے، جی چاہتا ہے کہ انوار الباری کو دیکھنے کی بھی سعادت نصیب ہو جائے۔ کاش! امام طحاوی کے بعد بھی احناف نے احادیث پر کام کیا ہوتا اور مشکوٰۃ سے پہلے کوئی کتاب استعمال میں آنے لگی ہوتی، اب بہت دیر میں ہمیں ادھر توجہ ہوئی ہے، بہر حال ابھی وقت بہت ہے خدا آپ کو صحت عطا فرمائے اور فراغ خاطر بھی۔ والسلام۔ مخلص عرشی۔

### مکتوب گرامی محترم مولانا محمد ایوب صاحب قادری رحمۃ اللہ

جناب محترم مولانا محمد عبدالرشید نعمانی صاحب کے یہاں بخاری کا مقدمہ دو جلدوں میں دیکھا ہے، اختیار زبان سے تحسین و آفریں کی صدا نکلی، اللہ تعالیٰ آپ کو دارین میں جزائے خیر دے اور آپ کے مراتب بلند فرمائے۔ خاکسار کی کتاب (ترجمہ تذکرہ علماء ہند) کے جواکثر

جگہ حوالے ہیں اس کے لیے دل سے شکر گزار ہوں میں خواہش مند ہوں کہ اس کی دونوں جلدیں انتہائی رعایتی قیمت پر مجھے بھیج دی جائیں۔  
پاکستان میں قیمت ادا کر دوں گا۔ امید ہے کہ جواب سے شرف فرمایا جاؤں۔

نقد والسلام:- خاکسار محمد ایوب قادری کراچی نمبر ۵۳۱ اگست ۱۹۶۲ء۔

## مکتوب گرامی شیخ التفسیر مولانا ذاکر حسن صاحب پھلتی بنگلور (مدارس) دام فضہم و فیوضہم

مقدمہ انوار الباری ہر دو جلد بنظر غائر مطالعہ کرنے کے بعد میرے قلبی تاثرات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ تدوین فقہ کے وقت امام اعظمؒ کے پاس ذخیرہ حدیث کی قلت کے گمان کی تردید کس قدر واضح طور پر سیدنا امام بخاری کے ان حالات میں اس حقیقت سے ہو رہی ہے کہ انہوں نے طلب علم حدیث میں متعدد بلاد کا متعدد مرتبہ سفر کیا لیکن کوفہ اور بغداد کا سفر اتنی بار فرمایا جس کی کوئی تعداد معین نہیں ہو سکتی یہ اس امر کی بین شہادت ہے کہ امام بخاری کے وجود سے پہلے ہی عراق مرکز علم حدیث بن چکا تھا اور یہی وہ مرکز ہے جس میں امام اعظمؒ اور آپ کے اصحاب نے فقہ و اصول فقہ کے علوم مدون فرمائے۔

متاخرین کی تصحیف کے بارے میں مقدمہ صفحہ ۴/۲۱ پر جو آپ نے علامہ ابن امیر الحاج کا قول نقل فرمایا ہے وہ درایت اور واقعہ بڑا وزن رکھتا ہے اور اس سے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کی حقیقت واضح ہو جاتی، تاریخ حدیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ مذہب اربعہ کی بنیاد صحاح ستہ پر ہرگز نہیں ہے بلکہ اس عظیم ذخیرہ احادیث پر تھی جس کا کچھ حصہ بروایت صحیحہ و ضعیفہ از متقدمین اصحاب صحاح ستہ کو بھی بعد میں نصیب ہوا اور کچھ فوت بھی ہو گیا جس کی وجہ سے متاخرین اہل حدیث کو متقدمین سے الگ راہ اختیار کرنی پڑی اور انہوں نے اپنی بساط بھر جو ذخیرہ حدیث جمع کیا تھا اسی پر ان کو اپنے اجتہاد کی اساس قائم کرنی پڑی۔

(۲) آپ کی عمیق تحقیقات سے جلیل القدر محدثین کا محدثین احتاف کے ساتھ خطرناک حد تک تعصبات کا برتاؤ طشت از ہام ہوا ہے جو بہت زیادہ قابل تحسین و لائق صد شکر ہے عوام تو کیا اکثر علماء بھی محدثین کی جلالت سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ان کے بعض لچر ملفوظات کو بھی عموماً قبول کرتے رہتے ہیں اور پھر اپنی مذہبی تحقیقات کے بارے میں تردد ہو جاتے ہیں اس تردد کی جھلک ہندوستان کے بعض بڑے بڑے علماء کی تحریرات میں بھی پائی جاتی ہے جزاک اللہ کہ آپ نے اس تردد کے رفع ہو جانے کا پورا سامان اس طرح مہیا فرما دیا ہے امیر المومنین فی الحدیث علامہ ابن مبارکؒ کا تلمذ امام اعظمؒ سے اس قدر اظہر من الشمس ہے کہ کئی عالم حدیث اس سے ناواقف نہیں رہ سکتا اس کے باوجود ترجمہ ابن مبارکؒ مندرجہ تہذیب میں ان کا اس سے سکوت لاعلمی پر کسی طرح بھی محمول نہیں کیا جاسکتا جب کہ وہ مسلم ماہر علم اسماء رجال ہیں پھر ان کا یہ سکوت جس امر کی غمازی کر رہا ہے اس کو زبان قلم پر لایا نہیں جاسکتا ہر شخص خود اپنے ضمیر سے دریافت کر سکتا ہے۔

۳۔ مقدمہ صفحہ ۱۶/۲ پر مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی کی یہ لغزش کہ انہوں نے تعلیقات بخاری کو ایسے عظیم ذخیرہ سے ماخوذ بتایا جس میں سے بعض ذخائر کا وجود بھی امام بخاری کے زمانے میں نہ تھا بڑی عجیب بات ہے شاید وہ مدعی ست گناہ چست والا مقولہ ایسے ہی مواقع کے لیے کہا گیا ہے۔

۴۔ تاریخ کبیر میں سیدنا امام بخاری کے قول دربارہ ارجاء امام اعظمؒ ومسکت الناس عنه وعن رانیہ و حلیثہ۔ کو علامہ کوثری کے جوابات نے ہبا منشور کر دیا ہے اور آپ کے نقد کا لہجہ اگرچہ بعض حضرات کے نزدیک تیز ہو لیکن احقر اس میں آپ کو بالکل معذور سمجھتا ہے کیونکہ ان کا یہ قول واقعہ کے بالکل خلاف ہے جب کہ امت کا دو ٹوٹ حصہ ان کے فقہ کو تسلیم کرتا ہے اور سینکڑوں اولیاء کرامؒ نے من جانب اللہ حق مانا ہے شاید سیدنا امام بخاریؒ کے تنقیح کردہ شرائط ان کے ذہن میں روایت عن الرسول تک محدود تھے باقی افراد امت کے بارہ میں وہ ہر کہ وہ کی روایت قبول کرنا جائز خیال فرماتے ہوں گے مگر یہ اصول محل نظر ہے جب کہ قرآنی آیت کریمہ یا ایہا الذین امنوا ان جاءکم فاسق

بنیاء فہینوا الایۃ۔ یہ سب کے نزدیک اپنے عموم پر ہے واقعی بلا مرعوبیت و برعایت حسن ادب ان حقائق کو آپ نے درج فرما کر ہم جیسوں کم علموں پر بڑا احسان فرمایا ہے ان تحقیقات کو پڑھ کر دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو عمر طویل و توفیق کارہائے جلیل عطا فرمائے۔

۵۔ چیمپہ کی اتالیقی اور اسماعیل بن عمرہ کی روایت از امام اعظم اور پھر ان سے امام اعظم کی تضعیف و تنقیص اور چیمپہ مفروضہ پر استدلال جو تاریخ صغیر کے محترم مؤلف نے اختیار فرمایا ہے تحقیق دریسرچ کا وہ عجیب شاہکار ہے جس کی نظیر ملنی مشکل ہے کہ تاریخ کی موت بھی شاید اس سے زیادہ قوی ہو حمیدی کی روایت متعلق سنن حجامت کا جواب علامہ کوثری نے اور روایت سفیان بطریق نعیم بن حماد کا جواب آپ نے خوب دیا ہے۔ کتاب الضعفاء الصغیر میں تضعیف امام ابو یوسف کا جواب آپ نے خوب دیا ہے عقل حیران ہے کہ ایسے جلیل القدر محدثین کے ان مسامحات کی آخر کیا تاویل کی جائے ایسے ہی شیخ حمیدی کے الزامات کی حقیقت جو آپ نے واضح فرمائی ہے۔ جزء القراءۃ خلف الامام میں حضرت امام اعظم پر بے بنیاد الزامات دربارہ جواز خزی و بحری و یری السیف علی الامتہ کے لئے حقیقت الزام کا جو جواب آپ نے دیا ہے بڑا مسکت ہے جزء رفع الیدین میں اڑتے والی روایت از ابن مبارک کے مزاحیہ واقعہ کو استدلال میں پیش کرنا اور وہ بھی ایسے مسلم امام امت کی ضلالت پر نعوذ باللہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح جبک الشیء یعمی ویصم۔ صحیح ہے اسی طرح بعضک الشیء یعمی ویصم۔ بھی امر واقعی ہے۔

غرض ترجمہ سیدنا امام بخاری کے ذیل میں آپ نے بڑے غور و فکر اور تدبیر سے کام لیا ہے اور دفاع عن الاحناف کا حق ادا کر دیا ہے این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند۔

۶۔ مقدمہ صفحہ ۲/۳۰ اور اس کے بعد کے صفحات میں آپ نے جو حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات ذکر فرمائے ہیں بہت ہی قیمتی ہیں جن سے سیدنا امام بخاری کے بارے میں بڑی بصیرت حاصل ہوئی اوہام امام بخاری کے عنوان میں بہت سے حقائق کا انکشاف ہوا جن تک ہم جیسے ناکارہ لوگوں کی نظر نہیں پہنچ سکتی تھی۔ کیونکہ اگر ان پر غور کا ارادہ بھی کیا جائے تو حضرت امام بخاری کا تقدس جو ہم سب کے قلوب میں راسخ ہو چکا ہے مانع ہے مگر حقیقت پھر حقیقت ہے جس کو واضح ہونا ہی چاہئے۔ سیدنا امام بخاری اور ائمہ متبوعین کے درمیان جو فرق مراتب ہے گو وہ محققین کے نزدیک ظاہر ہے لیکن عوام پر بالکل مخفی ہے اچھا ہوا کہ آپ نے اس کی خوب وضاحت فرمادی اوہام امام بخاری کا ذکر اور پھر اس پر آپ کا محاکمہ دونوں اہم اور قابل لحاظ دلائل مطالعہ ہیں۔

۷۔ مقدمہ صفحہ ۲/۳۷ پر جو آپ نے چند ضروری امور کی تنقیح نہایت مختصر طور پر کر دی ہے وہ بڑی ضروری تھی مثلاً علو احادیث بخاری پر دیگر احادیث پر ان صلاح کے دعوے کی رکاکت اور دعوائے قطعیت احادیث بخاری کی حقیقت وغیرہ۔

۸۔ امام طحاوی کی غباوۃ پر جو روایت عموماً دیکھی گئی ہے۔ آپ نے اس کی خوب قلعی کھول دی ہے اور ان کا اپنے ماموں سے ترک تلمذ اور شیخ کی طرف رجوع کی اصل وجہ صحیح تحریر فرما کر اس عظیم مغالطہ کو رفع فرمادیا۔

۹۔ توافقی امام ترمذی بمذہب امام اعظم کی جو چند مثالیں آپ نے تحریر فرمائی ہیں۔ وہ احتاف کے لئے اطمینان قلبی کا باعث ہیں لیکن اگر استقصار کر دیا جاتا تو زیادہ مفید تھا شاید بخوف طوالت چندا مثلاً پر اکتفا فرمایا گیا ہے۔

۱۰۔ امام اعظم کے بارہ میں امام نسائی کی تضعیف کا بڑا دندان شکن جواب دیا ہے۔ آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو!

۱۱۔ امام محمد بن شجاع مکی پر ابن جوزی و ابن عدی کے حملوں کا علامہ کوثری نے جو رد فرمایا ہے اس میں واقعی حق دفاع ادا کر دیا ہے۔

۱۲۔ ابن حزم کی وسعت علمی کا رعب ان کی کتب کے ناظرین پر بہت زبردست پڑتا ہے لیکن حافظ ذہبی و ابن حجر نے اس کی خوب قلعی کھول دی ہے اور ہمارے حضرت علامہ کشمیری نے ان کے تعصب از احناف کو خوب و اشکاف فرمایا جس کے مطالعے کے بعد ان کی حق تعالیٰ کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔

۱۳۔ مقدمہ صفحہ ۲/۹۷ امام بیہقی کے خلافیات پر جو آپ نے حضرت علامہ کشمیریؒ کا ریمارک تحریر فرمایا ہے اسے دیکھ کر طبیعت پھڑک اٹھی بڑا قیمتی ریمارک ہے یا ران مصیبت نے حنفیہ پر کیا کیا ستم ڈھائے ہیں اللہ اکبر دیکھ کر تعجب و حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔

۱۴۔ مقدمہ صفحہ ۲/۱۲۲ پر علامہ ابن تیمیہؒ کے طرز تحقیق و استدلال پر حضرت شاہ صاحبؒ نے جو نقد فرمایا ہے بڑا عجیب ہے تا وقتیکہ ان کے لٹریچر کا گہرا مطالعہ نہ کیا جائے عام اذہان اس کو نہیں پاسکتے خصوصاً وہ جوان کی وسعت علمی سے مرعوب ہوں اس ریمارک اور دوسرے شواہد سے اندازہ ہوتا ہے کہ باوجود بے پایاں وسعت علمی کے ان کی نظر جذباتی زیادہ تھی جو ایک مجاہد کی شان ہے لیکن تحقیقی میدان ایک دوسری چیز ہے۔ یہاں معتدل فکر و نظر کی ضرورت ہے جذباتی رائے کا ہر قول قابل استدلال نہیں ہوتا لیکن ہمارے مہربان غیر مقلدین ان کے ہر قول کو مستدل سمجھتے ہیں اور ہماری تنقید ان کے تمام اقوال کے قابل استناد ہونے نہ ہونے تک ہے ورنہ ان کی جلالت علمی سبھی کو مسلم ہے احقر کا خیال ہے کہ علامہ میں جذباتی ابھار بدعات کے بکثرت شیوع کی وجہ سے بطور رد عمل پیدا ہوا ہوگا۔ جس میں آپ معذور تھے یہ معلوم ہو کر کہ علامہ کے اساتذہ میں جلیل القدر احناف محدثین بھی تھے۔ ان کے مقلدین کے اس طعن پر بڑا تعجب ہوتا ہے کہ احناف میں محدثین نہیں ہیں بہر حال علامہ کے محاسن ان کی زلات سے زیادہ ہیں لہذا قابل صدا احترام اور ان ہستیوں میں سے ہیں جن کا جو امت کے لئے معصنات سے شمار ہوتا ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

۱۵۔ مقدمہ صفحہ ۲/۱۳۰ پر حافظ ابن قیمؒ کا ترجمہ آپ نے نہایت اعتدال ہے ان کا امام اعظمؒ کی طرف سے دفاع قابل صد شکر ہے زیارۃ قبور وغیرہ مسائل میں احماد بدعات و استاذ گرامی کی محبت و خدمت کے جذبات میں انہوں نے اپنے استاد کی حمایت فرمائی لیکن اگر وہ صرف دلائل سے فیصلہ فرماتے تو امت کے لئے بہت بہتر ہوتا بہر حال ان کی خدمات جلیلہ کا اعتراف ہمارا فرض ہے۔

۱۶۔ صفحہ ۲/۱۳۲ پر حافظ ابن حجر کے ترجمہ میں طبقہ علماء کو ان کے تعصبات سے آپ نے آگاہ فرما کر بڑا احسان فرمایا ہے کیونکہ آج متداول کتب رجال انہیں کی ہیں جن پر عموماً اعتماد کیا جاتا ہے ایک شخص کے تعصب مزاجی کی وجہ سے امت کی ایک عظیم جماعت کا گرایا جانا ایسا عظیم مغالطہ ہے جس کی جواب دہی آخرت میں سخت مشکل ہے اور یہ ایک ایسا فتنہ ہے جس کا تذکرہ سوائے ان کے تعصبات کو اجاگر کرنے کے اور کسی طرح نہیں کیا جاسکتا لیکن اس موقع پر آپ کے اختصار نے عقلی باقی چھوڑ دی کاش مزید امثالہ دی جاتیں۔

۱۷۔ صفحہ ۲/۱۲۹ پر حافظ عینیؒ کے ترجمہ اور ان کی عمدۃ القاری کے مزایا و فضائل سے احقر بہت ہی محظوظ ہوا۔

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

۱۸۔ صفحہ ۲/۱۵۳ پر علامہ قاسم بن قطلوبغا مصریؒ کا ترجمہ جس انداز سے آپ نے کیا ہے آج تک نظر سے نہیں گزرا تھا۔ ایسے جلیل القدر محدث سے دوسرے تو کیا خود عامۃ احناف بھی اکثر ناواقف ہیں ان کی جلالت شان کی شہادت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ کوئی حنفی نہیں بلکہ حنبلی محدث صاحب شذرات نے ان کو حنات الدہر میں شمار فرمایا ہے۔ فالحمد للہ وجزاکم اللہ خیراً۔

۱۹۔ صفحہ ۲/۱۷۸ پر محدثین کی صفت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کا ترجمہ ایک عمدہ اور ضروری اضافہ ہے جس کا سہرا آپ کے سر ہے ورنہ عموماً لوگ ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے آپ کو پہچانتے ہیں اس سلسلہ میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور مولانا سیالکوٹی کی مخالفت کا اصلی سبب جو آپ نے واضح فرمایا بہت خوب ہے ذکر مخالفت تو سب نے کیا ہے مگر اسباب کی تہہ تک پہنچنے کی بہت کم سعی کی گئی ہے۔

۲۰۔ صفحہ ۲/۱۹۳ پر حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ترجمہ میں ان کی ابتدائی و انتہائی تحقیق کا فصل آپ نے واضح کر کے اس تردد کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا ہے جو ان کی ابتدائی تصانیف عقد الجید وغیرہ کے مطالعہ سے ناظرین کو پیدا ہوتا ہے واقعی شیخ ابوطاہر کردی کی صحبت و تلمذ کا اثر ان تالیفات میں نمایاں ہے اور ایسا تاثر فطری چیز ہے لیکن ہر محقق کی آخری رائے ہی قابل اعتماد ہوتی ہے جو فیوض الحرمین نے واضح کر دی ہے اور پھر خود حضرت شاہ صاحب موصوف کی تحریر اچھی عملاً نے اس پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے آپ کی یہ تلاش و جستجو اور ان کے ترجمہ میں اس کا



اضافہ بڑا قیمتی ہے جس کی جس قدر بھی قدر کی جائے کم ہے بندہ اس سے بہت زیادہ مخلوق ہوا۔

۲۱- صفحہ ۲/۲۱۲ پر حضرت شاہ عبدالغنی مجددی حقیؒ کے ترجمہ میں یہ حقیقت آپؒ نے خوب و اشکاف کی کہ مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ جن کی محدثیت کا ڈنکا بجایا جا رہا ہے ان کو شیخ النکل حضرت شاہ الخلق صاحبؒ سے علم حدیث میں باقاعدہ تلمذ حاصل نہ تھا اور ان کی سند سند برکت تھی نہ اجازت پھر صاحب تحفۃ الاحوذی و عایت المقصود کے ڈھول کا پول کو خوب واضح کیا ہے۔ تعجب ہے کہ یہ حضرات عمل بالحدیث کے مدعی ہو کر اس قدر غلط بیانی اور کذب مرتج سے کیسے کام لیتے ہیں۔

۔ مگر ہمیں مکتب و ہمیں ملائح اور مقدمہ صفحہ ۲/۲۲۳ پر خود ان کے ترجمہ میں ان کے اساتذہ کا پتہ خوب دیا ہے نیز ان کی اہل وطن کے خلاف انگریزوں سے وفاداری کا راز بھی معلوم ہوا جس کی تصدیق کمشنر دہلی کا سفارشی خط اور ٹمپس العلماء کا خطاب اور حطام دنیا کا انعام کر رہا ہے اور کمال یہ کہ یہ سب بھی خود الحیاء بعد الہیات (سوانح صاحب موصوف) کے مصنف کے قلم سے سبحان اللہ واقعی صاحب موصوف کے یہ کمالات ان کی ولایت و محدثیت کے ایسے معجزات و خوارق ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ تاہم حضرت امام اعظم کے ساتھ ان کے حسن ادب آج کل کے مدعیان اجتہاد کے لئے قابلِ صبر ہے۔

۲۲- صفحہ ۲/۲۵۹ پر علامہ مبارک پوری کے ترجمہ میں ان کی جلالت کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے تعقبات کی جو چند مثالیں آپ نے دی ہیں ان سے ان حضرات کے معیار تحقیق کا خوب اندازہ ہوتا ہے ان مثالوں اور دیگر امثلہ کو دیکھ کر کہنا پڑتا ہے کہ واقعی حنفیہ مظلوم ہیں! ظالم ماخوذ اور مظلوم انشاء اللہ منصور ہیں اور تا صر مظلوم ماحور باجر عظیم ہوگا۔

۲۳- صفحہ ۲/۲۳۲ پر حضرت علامہ حجتہ اللہ فی الارض النور شاہ صاحب کشمیری قدس اللہ سرہ کے ترجمہ میں اگرچہ آپ نے ان کی خصوصیات و فضائل دو تین صفحات میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن احقر کے نزدیک یہ تذکرہ حضرت والا کی شان تقدس و علم کو واضح کرنے میں ناکافی ہے، ذرا زیادہ وضاحت فرمادیجئے تو بہتر ہوتا۔ تاہم تراجم سے جس قدر تعارف کرایا جاسکتا ہے اس کے لئے اس قدر بھی کافی ہے،  
 حقیقۃً حضرت والا کی عظیم شخصیت سے تعارف کرانے کے لئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی باہمت بزرگ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (انوار الباری میں حضرت کے علوم و تحقیقات کا یہ کثرت ذکر اسی کی کا تدارک کرے گا ان شاء اللہ۔

۲۴- احناف محدثین کا جس قدر آپ نے استقصا فرمایا ہے وہ قابل مدح نہیں ہے۔ خصوصاً اس سے اور بھی زیادہ مسرت ہوئی کہ اکثر محدثین ہند کا ذکر بلا تفریق و جماعتی تعصب درج فرمایا گیا ہے بیشک اہل حق کا مسلک بھی یہی ہونا چاہئے کہ تمام اہل کمال کا اعتراف کیا جائے۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

۲۵- تراجم محدثین کے بالاستیعاب مطالعہ سے ایک بات یہ محسوس ہوئی کہ بہ نسبت دیگر محدثین کے حنفی محدثین کی اکثریت صاحب زہد و قناعت مشغول عبادۃ فائز بہ مراتب قرب و ولایت منقطع عن الدنیا اور راغب الی اللہ تعالیٰ نظر آئی جو جماعت حنفیہ کے لئے باعث صداقت و افتخار ہے اور یہ وہ آثار مبارکہ ہیں جن سے حنفی مسلک کے مقبول عند اللہ ہونے پر استہدایا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نوٹ:- یوں تو مجموعی حیثیت سے جلد ثانی جلد اول کی طرح ساری ہی سینکڑوں عجائب و نواد اور علمیہ و تحقیقات عالیہ سے مملو ہے جس کا صحیح اندازہ پورے مطالعہ کے بعد ہر شخص کر سکتا ہے، فقیر نے صرف چند مقامات کے بارہ میں اپنے تاثرات عرض کئے ہیں، ورنہ ایک مستقل رسالہ اس جلد کے محاسن پر لکھا جاسکتا ہے۔



## مکتوب گرامی مولانا حکیم محمد یوسف صاحب قاسمی بنارس دامت فیوضہم

انوار الباری حصہ اول کے بعد حصہ دوم نظر افروز نقاش نقش ثانی بہتر کھد زاول کا نقشہ آنکھوں میں پھر گیا۔ الحمد للہ جس طرح محاسن ظاہری سے آراستہ ہے اس سے بڑھ کر معنوی خوبیوں کا حامل ہے مطالعہ سے مجھ ایسے ہیچمدان کو بیش بہا اور گراں قدر فوائد حاصل ہوئے مولف محترم کے لیے ہر بن موسیٰ دعا نکلی کہ باری تعالیٰ ان کی حیات نافذہ کو اس خدمت جلیلہ کے لیے باقی رکھے تاکہ یہ خدمت اتمام تک پہنچے اور اس تالیف کو حسن قبول سے نوازے اور باعث نجات و رفیع درجات فرمائے اور ان کے سینہ کو علوم و معارف کے لیے کھول دے۔

ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے اسلاف کرام یعنی ہندی علماء کی خدمات پر جن میں اشاعت متون احادیث و تالیف شروح ہے ہمیشہ فخر کیا ہے اب تک تمام خدمات عربی یا فارسی زبان میں ہوئی ہیں 'قسام ازل نے اردو ایسی شستہ اور مقبول عام زبان میں بخاری شریف کی ایک نہایت ہی محققانہ اور بے نظیر شرح کے لیے (جو متقدمین کی تحقیقات عالیہ اور اکابر متاخرین کے افادات نادرہ پر مشتمل ہوگی ابھی ایک ہندوستانی عالم محبت محترم حضرت مولانا الحاج سید احمد رضا عافاہ اللہ وابقاہ کو منتخب فرمایا جو باعث صدناز و افتخار ہے مقدمہ ہی سے اصل شرح کی افادیت کا اندازہ ہوگا۔

حضرت مصنف تمام احناف کی طرف سے شکر یہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے حنفی مسلک کی تائید و تقویت کے لیے ہمت فرمائی اور قلم اٹھایا ہے اللہ تعالیٰ ان کے عزم و ہمت میں برکت عطا فرمائے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم لوگ اس کی اشاعت میں کوشش کریں تاکہ پوری کتاب جلد از جلد منصہ شہود پر ظاہر ہو اس وقت حضرت مولف کی یہی قدر دانی ہے نہ صرف زبانی تحسین و توصیف:

وانا العبد المصیف

محمد یوسف قاسمی غفرلہ